امامت اور ائمہ معصومین کی عصمت

مصنف: رضا کاروان

مترجم: سید قلبی حسین رضوی

امامت اورائمہ معصومین کی عصمت

مصنف: رضاکاردان

مترجم: سید قلبي حسین رضوي

پیش لفظ

امامت کے بارے میں دو مشخص نظریے ہیں

پہلا نظریہ:

جمہور، یعنی اہل سنّت کا ہے، جو معتقد ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی شخص کو اپنے بعد، اپنے جانشین کے طور پر معرفی نہیں کیا ہے اور یہ امت کی ذمہ داری تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ان کے جانشین کو منتخب کریں۔

دوسرا نظریہ:

شیعہ امامیہ کا نظریہ ہے کہ وہ امامت کو خدا کی طرف سے منصوب اور معین جانتے ہیں او عقیدہ رکھتے ہیں کہ امامت نبوت ہی کا ایک سلسلہ ہے اور امام کو نصب اور پیغمبر کے مانند معین کرنا خدائے متعال کی ذمہ داری ہے۔

شیعوں کے پاس اپنے نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے ، عقل، کتاب و سنّت کے حوالے سے بہت سے قطعی دلائل موجود ہیں ، جو کلام، تفسیر اور احادیث کی کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں۔

اس مقدمہ میں شیعوں کے عقلی نظریہ کو اس مسئلہ کے بارے میں عقل کے حکم کے مطابق واضح کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں جو اقتباسات پیش کئے گئے ہیں وہ انسان کی فطری تحقیق اور غور وخوض کا نتیجہ ہے:

۱۔ ہم جانتے ہیں کہ اسلام ایک لافانی دین ہے ، جو ہر زمانہ کے تمام لوگوں کے لئے نازل ہوا ہے۔

۲۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، اس دین مبین کی تبلیغ اور ترقی کے سلسلہ میں ہر ممکن کوشش کی اور اپنے تمام وسائل سے کام لیا اور اس سلسلہ میں کوئی لمحہ فروگزاشت نہیں کیا اور اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک غیر معمولی اور ناقابل توصیف ایثار وجانثاری کا مظاہرہ کرتے رہے کی۔ چنانچہ یہ مضمون کئی آیات میں بیان ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے ایمان کے لئے اپنی جان کی قربانی دینے کے لئے نکلتے تھے:

(لعلّک باخع نفسک ان لایکونوا مؤمنین) (شعراء/۳)

"کیا آپ اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈال دیں گے اس لئے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں۔"

(فلعلّک باخع نفسک علی آثارھم ان لم یؤمنوا بھذا الحدیث اسفاً) (کہف/۶)

"تو کیا آپ شدت افسوس سے ان کے پیچھے اپنی جان خطرے میں ڈال دیں گے اگر یہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائے۔"

۳۔اس راہ میں بہترین اور باعظمت انسانوں کی ایک بڑی تعداد نے قربانی دے کر شہادت کا جام نوش کیا ہے۔

۴۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، انسانوں کی سعادت کے لئے مختلف ابعاد میں جو کچھ مؤثر جانتے تھے ان کے لئے بیان فرماتے تھے، شیعہ اور سنّی کے فقہی فروعات اور جزئی مسائل کے بارے میں احادیث اور اسلامی فقہ کی کتابوں میں جو کچھ وارد ہوا ہے وہ اس کا بیّن ثبوت ہیں۔

۵۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسی حالت میں رحلت فرمائی کہ ابھی اسلام حجاز کے تمام حدود تک بھی نہیں پھیلا تھا، چہ جائے کہ اس پیغام و شریعت کی دنیا بھر میں رسائی ہوتی۔

۶۔ایسی طاقتیں موجود تھیں کہ جن کی طرف سے اسلام کے وجود اور اس کی تبلیغ و بقاء کے لئے خطرہ کا احساس کیا جاتا تھا، بالخصوص اس لئے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو نہ صرف قبول نہیں کیا تھا، بلکہ ان میں سے بعض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کے مقابلہ میں نامناسب رد عمل کا اظہار بھی کیا، جیسے کہ ایران کے بادشاہ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط ہی پھاڑ ڈالا۔

۷۔اس قسم کی طاقتوں کا سر کچلنے اور انھیں زیر کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مسلمانوں کی ایک طاقتور فوج اور قطعی وفیصلہ کن رہبری کی ضرورت تھی۔

۸۔اقتدارپرستی اور جاہ طلبی انسان کے باطنی امور کا ایک ایسا مسئلہ ہے ،کہ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے اصحاب بھی مستثنیٰ نہیں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جمع ہوئے مسلمان ،جوآپ سے بے پناہ عشق ومحبت کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود ان میں بھی بہت سے ایسے افراد موجود تھے جن کے وجود کی گہرائیوں میں پوری طرح اسلام نفوذ نہیں کرچکا تھااوراب بھی جاہلیت کے رسم و رواج نیز،قومی اور خاندانی تعصبات کی حکومت ان کے وجودپر سایہ فگن تھی اورہر آن یہ خطرہ لاحق تھاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآو سلم کی رحلت کے بعد خلافت کی لالچ میں وہ ایک دوسرے سے بر سرپیکار ہو جائیں۔چنانچہ بعض احادیث میں انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ اپنے اصحاب سے فرماتے تھے کہ:"میں اپنے بعدتمہارے مشرک ہونے سے نہیں ڈرتاہوں لیکن اس چیز سے ڈرتاہوں کہ تم لوگ امور دنیا کے لئے ایک دوسرے کی رقابت کروگے۔(1)"

۹۔ایسے منافقین بھی موجودتھے جو ہمیشہ اسلام و مسلمین کے خلاف سازشوں میں مشغول

۱۔ صحیح بخاری،ج۴،باب فی الحوض،ص۱۴۲،دارلمعرفتہ،بیروت

رہتے تھے اور اس سلسلہ میں کوئی لمحہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے، لہذا یہ خطرہ موجود تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد یہ لوگ اسلامی خلافت میں نفوذ کریں اورشائد ان منافقین کا ایک گروہ ابتداء اسلام ہی سے اسی لالچ کی بناء پردعوت اسلام قبول کئے ہوئے تھا۔

ہم تاریخ میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ قبائل کے بعض سردار،پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے انھیں اسلام کی دعوت دینے پر شرط رکھتے تھے کو آئندہ اسلامی حکومت میں ان کے کردار کو ملحوظ نظر رکھا جائے:

سیرۂ ابن ہشام میں یوں نقل ہوا ہے:

"پیغمبراسلام (ص)،بنی عامر کے پاس تشریف لے گئے اور انھیں خدائے عزّوجل کی طرف دعوت دی اور اپنا تعارف کرایا۔ ان میں سے ایک نے آنحضرت (ص) سے یوں کہا:

"أرأیت ان نحن بایعناک علی امرک ثم اظهرک الله علی من خالفک ایکون لنا الامر من بعدک؟ قال: الامر الی الله یضعه کیف یشاء"[1]

"اگرہم آپ کی بیعت لیں اور آپ کی دعوت پر لبیک کہیں تو کیا آپ اپنے مخالفین پر غلبہ حاصل کرنے کے بعداپنی خلافت کے اختتام پر خلافت کی بھاگ ڈور ہمیں سپرد کریں گے؟آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا:اس کا اختیارخدا کے ہاتھ میں ہے،وہ جسے چاہے اسے اس عہدہ پر مقرر کرے گا۔"

۱۔سیرۂ ابن ہشام،ج۲،ص۴۲۵،داراحیائ التراث العربی بیروت،المروض الانف،۴،ص۱۳۸،السیرۃالنبویۃ،سید احمدزینی دحلان،ج ۱،ص۲۸۳،داراحیائ التراث العربی،بیروت۔

۱۰۔یہ قضیہ ثابت شدہ اور مسلّم فطری امر ہے کہ جو بھی چند افراد کے امور کی زمام ہاتھ میں لئے ہو، انھیں سرپرست کے بغیر نہیں چھوڑتا ہے، حتی اگر اس کے تحت نظر بھیڑ بکریاں بھی ہوں، تو وہ انھیں بھی بے سرپرست نہیں چھوڑتا ہے۔

جب خلیفہ دوم اپنی زندگی کے آخری لمحات بسر کر رہے تھے تو عبد اللہ بن عمر نے ان سے کہا:

"انّ الناس یتحدّثون انّک غیر مستخلف و لو کان لک راعیابل اوراعی غنم ثمّ جاء و ترک رعیته رأیت ان قد فرّط و رعیةالناس اشدّ من رعیه الابل والغنم ماذا تقول اللّٰہ عزّوجل اذلقیته ولم تستخلف علی عباده[1]"

"لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ اپنا جانشین مقرر نہیں کر رہے ہیں جبکہ آپ کے نزدیک اونٹوں نیز بھیڑ، بکریوں کیلئے کوئی نہ کوئی ساربان اور چرواہا ہوتا اور وہ مویشوں کو چھوڑ کر چلا جاتا تو آپ اسے قصوروار ٹھراتے۔ اور یہ بات مسلّم ہے کہ لوگوں کا خیال رکھنا اونٹ اور بھیڑ کی حفاظت و رکھوالی سے زیادہ اہم ہے۔ جب خدا کے بندوں کے لئے کسی جانشین کو مقرر کئے بغیر آپ اس دنیا سے چلے جائیں گے تو آپ اپنے خدائے متعال کو کیا جواب دیں گے؟"

ام المومنین عائشہ بھی اس قضیہ سے استناد کرتے ہوئے ابن عمر سے کہتی ہیں:

"یابنیّ بلغ سلامی وقل له لاتدع امة محمّد بلا راع استخلف علیهم ولاتدعهم بعدک هملاً فانی اخشی علیهم الفتنة"[2]

"عمر کو میرا اسلام کہنا اور اس سے کہدینا کہ امت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

۱۔الریاضی النضرة، ج ۲، ص۳۵۳، دار الندوة الجدیدة بیروت، سنن بیہقی، ج۸، ص۱۴۹، دار المعرفة بیروت، حلیةالاولیاء، ج ۱ص۴۴، دار الفکر

۲۔الامامةوالسیاسة، ج ۱، ص۲۳

کو اپنے بعد بے مہار اور سرپرست نہ چھوڑے اس لئے کہ میں ان میں فتنہ برپا ہونے سے ڈرتی ہوں۔"

اس کے علاوہ بھی روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر نے اپنے باپ سے کہا:

"اے کاش!آپ اپنا ایک جانشین مقرر کردیتے اگر آپ اپنی طرف سے کسی کو قیّم اور سرپرست کے عنوان سے لوگوں کے پاس بھیجتے ہیں تو کیا اس بات کو پسند نہیں کرتے ہیں کسی کو اپنا جانشین مقرر کردیں؟انھوں نے جواب میں کہا:کیوں نہیں؟ابن عمر نے کہا: جب آپ اپنی بھیڑوں کے لئے ایک نگراں اور سرپرست مقرر کرتے ہیں تو کیا آپ اس بات کو پسند نہیں کرتے اپنی جگہ پر کسی کو مقرر کردیں؟"[1]

معاویہ بھی یزید کی جانشینی کے سلسلہ میں اس سے استنباط کرتے ہوئے کہتا ہے:

"انیّ ارھب ان داع امة مُحَمَّدی بعدی کا لضأن لاراعی لھا"[2]

"میں ڈرتا ہوں کہیں امت محمد (ص) کو اپنے بعد چرواہے کے بغیر بھیڑ بکریوں کی طرح چھوڑدوں۔"

۱۱۔پیغمبر اسلام (ص)،جب کبھی سفر پر تشریف لے جاتے تھے تو ہمیشہ اپنی جگہ پر کسی کو جانشین مقرر فرماتے تھے اور کبھی مدینہ کو اپنے جانشین کے بغیر نہیں چھوڑتے تھے سیرت اورتاریخ کی کتابوں میں یہ مطلب بیان ہوا ہے اورجن اشخاص کو آنحضرت ﷺ نے اپنا جانشین مقرر فرمایا ہے ،ان کے نام بھی کتابوں میں درج ہیں ۔

سیرۂ ابن ہشام میں پیغمبر اسلام ﷺ کے غزوات بیان کئے گئے ہیں،اس سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کی طرف سے مدینہ میں مقرر کئے گئے آپ کے جانشینوں کی فہرست

۱۔طبقات ابن سعد ،ج۳،ص۳۴۳،دار بیروت للطباعة والنشر۔

۲۔تاریخ طبری ،ج۳،جزء۵،ص۱۵۴،مؤسسہ عزالدین للطباعة والنشر،الامامة والسیاسة،ج۱ص۱۸۴ ،منشورات الشریف الرضی

حسب ذیل ذکر کی گئی ہے:

۱۔غزوئہ بواط میں: سائب بن عثمان بن مظعون[1]

۲۔غزوئہ عشیرہ میں: اباسلمۃ بن عبدالاسد[2]

۳۔غزوئہ سفوان یعنی بدر اولیٰ میں: زیدبن حادثہ[3]

۴۔غزوئہ بدر کبریٰ میں: ابالبابہ[4]

۵۔غزوئہ بنی سلیم میں: سباع بن عرفطۃ[5]

۶۔غزوئہ سویق میں: عبدالمنذر) ابولبابہ)[6]

۷۔غزوئہ ذی امر میں: عثمان بن غفان[7]

۸۔غزوئہ فرع میں: ابن ام مکتوم[8]

۹۔غزوئہ بنی قینقاع میں: بشیر بن عبدالمنذر[9]

۱۰۔غزوئہ احد میں: ابن ام مکتوم[10]

۱۱۔غزوئہ بنی النضیر میں: ابن ام مکتوم[11]

۱۲۔غزوئہ ذات الرقاع میں: ابوذر غفاری یا عثمان بن عفان[12]

۱۳۔غزوئہ بدر، دوم: عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن سلول انصاری[13]

۱۴۔غزوئہ دومۃ الجندل میں: سباع بن عرفطۃ[14]

۱۔سیرئہ ابن ہشام، ج۲، ص۲۴۸۔ ۲۔سیرئہ ابن ہشام ج،۲، ص۲۵۱ ۳۔سیرئہ ابن ہشام، ج۲، ص۱ ۴۔سیرئہ ابن ہشام ج، ۲ص۲۶۳و۲۶۴ ۵۔ج۳ص۴۹

۶۔ج۳، ص۵۰ ۷۔ج۳، ص۴۹ ۸۔ج۳، ص۵۰ ۹۔ج۳، ص۵۲

۱۰۔ج۳، ص۶۸ ۱۱۔ج۳، ص۲۰۰ ۱۲۔ج۳، ص۲۱۴

۱۳۔سیرئہ ابن ہشام ج۳، ص۲۲۰ ۱۴۔سیرئہ ابن ہشام ج۳، ص۲۲۴

۱۵ ـ غزوئہ خندق میں : ابن ام مکتوم[1]

۱۶ ـ غزوئہ بنی قریظہ میں : ابن ام مکتوم[2]

۱۷ ـ غزوئہ بنی لحیان میں : ابن ام مکتوم[3]

۱۸ ـ غزوئہ ذی قرۃمین: ابن ام مکتوم[4]

۱۹ ـ غزوئہ بنی المصطلق میں : ابوذر غفاری[5]

۲۰ ـ حدیبیہ میں : نمیلۃبن عبد اللہ لیثی[6]

۲۱ ـ غزوئہ خیبر میں : نمیلۃابن عبد اللہ لیثی[7]

۲۲ ـ فتح مکہ میں : کلثوم بن حصین[8]

۲۳ ـ غزوئہ حنین میں : عتاب بن اسید[9]

۲۴ ـ غزوئہ تبوک میں : محمدبن مسلمۃانصاری یا سباع بن عرفطۃ[10]

صحیح اورمشہورروایت یہ ہے کہ غزوئہ تبوک میں پیغمبراسلام ﷺ نیحضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ اس مطلب کے سلسلہ میں تاریخ اوراحادیث کی دسیوں کتابیں گواہ ہیں۔

۲۵ ـ حجتہ الوداع میں : ابودجانہ انصاری یا سباع بن عرفطہ[11]

سریہ وہ جنگیں ہیں کہ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہ نفس نفیس خود شرکت نہیں فرمائی ہے ، ایسی جنگوں میں پیغمبر)ص)کسی نہ کسی کو بہ حیثیت کمانڈر مقرر فرماتے

---

۱ ـ سیرئہ ابن ہشام ، ج ۳، ص ۲۳۱ ۲ ـ سیرئہ ابن ہشام ، ص ۲۴۵ ۳ ـ سیرئہ ابن ہشام ، ص ۲۹۲

۴ ـ سیرئہ ابن ہشام ص ۳۲۱ ۵ ـ سیرئہ ابن ہشام ، ص ۳۰۲ ۶ ـ سیرئہ ابن ہشام ، ص ۳۲۱

۷ ـ سیرئہ ابن ہشام ، ص ۳۴۲ ۸ ـ سیرئہ ابن ہشام ، ج ۴، ص ۴۲ ۹ ـ سیرئہ ابن ہشام ، ج ۴، ص ۹۳

۱۰ ـ سیرہ ابن ہشام ، ج ۴، ص ۸۳ ۱۱ ـ سیرئہ ابن ہشام ، ج ۴، ص ۲۴۸، داراحیائ التراث العربی ، بیروت

تھے۔یہاں تک کہ بعض جنگوں میں چندافرادکوکمانڈر کی حیثیت سے مقرر فرماتے تھے،تاکہ کسی نا خوشگوار واقعہ پیش آنے کی صورت میں بلافاصلہ ترتیب سے دوسرا شخص آ گے بڑھ کرکمانڈری سنبھالے۔جنگ موتہ میں پیغمبر نے زیدبن حارثہ کوکمانڈرمقرر فرمایا تھا۔کسی مشکل سے دو چار ہونے کی وجہ سے ان کی جگہ پرجعفربن ابیطالب اوران کے بعدعبداللہ بن رواحہ کو کمانڈر کی حیثیت سے مقرر کیا تھا۔[1]

بئرمعونہ میں آنحضرت (ص) نے چالیس افرادکو بھیجا اورعبدالمنذربن عمرکوان کاامیر قراردیا[2]۔اورداستان رجیع میں فقہ کی تعلیم کے لئے چھ افرادکوبھیجا اورمرثد بنابی مرثدعنوی کوان کاسردارقراردیا[3]۔

اب،جبکہ مذکورہ مطالب نیزان میں غور و حوض کرنے سے معلوم ہو جاتاہے کہ پیغمبراسلام ﷺ کا اصل مقصدامت کی تربیت کرنا تھا،چنانچہ قرآن مجیدنے فرمایاہے:

(ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمته) [4]

"وہ ان کے نفوذکوپاکیزہ بناتاہے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتاہے۔"

آنحضرت (ص)، اپنی مسافرتوں کے درمیان چاہے وہ جس قدربھی مختصرہوتی تھی، اپناجانشین مقررکرنے میں کوتاہی نہیں فرماتے تھے اورکسی بھی گروہ کو کہیںروانہ کرتے وقت انھیں بے سرپرست نہیں چھوڑتے تھے آپاپنے مستقبل کے بارے میں پوری طرح آگاہ تھے،اس سلسلہ میں اپ کی پیشین گوئیاں موجودہیں،جن کے بارے میں شیعہ واہل سنّت کے بڑے محدثین نے اپنی حدیث کی کتابوں میں ذکرکیاہے۔اس لئے آپ اپنے بعداپنی شریعت پر حملہ آورہونے والے فتنوں سے آگاہ تھے،چنانچہ آپنے اس سلسلہ میں

۱۔سیرۂ ابن ہشام،ص،۵

۲۔سیرۂ ابن ہشام،ج۳، ص۱۹۴

۳۔سیرۂ ابن ہشام،ج۳،ص۱۸۳

۴۔آل عمران/۱۶۴

خودخبردی ہے۔ان سب حقائق کے روشن ہونے کے بعد کیا آپاپنی جانشینی اورخلافت)جو آپکے بعد اہم ترین مسئلہ اورآپ کے لئے فکرمندترین موضوع تھا)کے بارے میں کسی قسم کا منصوبہ نہیںرکھتے تھے اوراپنے بعد کسی کو اپنے جانشین کی حیثیت سے منصوب و معین نہیں کرتے اورپوری طرح سے اس سے غافل وبے خیال رہتے ؟!! کیا ایسا ممکن ہے ؟!

خداوندمتعال نے اپنے پیغمبر ﷺ کورسالت کے لئے مبعوث کیا ہے اورآپ کی یوں توصیف کی ہے:

(ولقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ماعنتّم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم) (توبہ/۱۲۸)

"یقیناتمہارے پاس وہ پیغمبرآیاہے کہ جو تمھیں میں سے ہے اوراس پرتمہاری ہر مصیبت شاق ہے وہ تمہاری ہدایت کے بارے میں حرص رکھتاہے اورمؤمنین کے حال پر شفیق اورمہربان ہے"

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جسے عقل سلیم اوربیدار ضمیرہرگزقبول نہیں کرتاہے اورقرآن وسنت کی قطعی دلالت اس کے برخلاف ہے۔

اس بناء پرشیعہ امامیہ کاعقیدہ یہ ہے کہ پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد ہونے والے امام اورخلیفہ کا اعلان اور انتخاب خداوندعالم کی جانب سے فرمایاہے اوریہ مسئلہ قرآن مجید اورپیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں بیان ہواہے۔

اس کتاب میں قرآن مجیدکی چندایسی آیات پربحث وتحقیق کی گئی ہے جوامامت اورائمہ علیہم السلام کی خصوصیات کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

مذکورہ آیات حسب ذیل ہیں:

۱-آیہ ابتلا

۲-آیہ مباہلہ

۳-آیہ اولی الامر

۴-آیہ ولایت

۵-آیہ صادقین

۶-آیہ تطہیر

۷-آیہ علم الکتاب)آیہ شہادت)

ان آیات میں پہلے، خودآیتوں کے بارے میں بحث و تحقیق کی گئی ہے اور اس کے بعد ان سے مربوط احادیث کو.بیان کیاگیا ہے اوران احادیث سے آیات کی دلالت میں استفادہ کیاگیا ہے۔

چونکہ اہم ان مباحث میں اہل سنت سے بھی مخاطب ہیں،اس لئے ان کے علماء اور مفسرین کانظریہ اوران کی احادیث بھی بیان کرکے علمی طور سے ان پر بحث کی گئی ہے اور اس سلسلہ میں موجود شبہات اوراعتراضات کو بیان کرنے کے بعدان کاجواب دیاگیا ہے۔

پہلا باب :

امامت آیہ ابتلاء کی روشنی میں

((وإذاابتلیٰ ابرهیم ربّه بکلمات فأتمّهنّ قال إنّی جاعلک للنّاس إماماً قال ومن ذرّیّتی قال لا ینال عهدی الظالمین)) (بقرہ/۱۲۴)

"اوراس وقت کویاد کروجب خدا نے چند کلمات کے ذریعہ ابراھیم علیہ السلام کاامتحان لیااورانھونۡنےپوراکردیاتواس)خدا) نے کہا:ہم تم کولوگوں کا قائداورامام بنارہے ہیں۔)ابراھیم علیہ السلام)نے کہا گیا یہ عہدہ میری ذریت کو بھی ملے گا؟ارشادہواکہ یہ عہدۂ امامت ظالمین تک نہیں پہونچے گا۔"

اس آیہء کریمہ سے دو بنیادی مطلب کی طرف اشارہ ہوتاہے:

۱۔منصب امامت،نبوت ورسالت سے بلندترہے۔

۲۔منصب امامت،ظالموں اورستم گاروں کونہیں ملے گا۔

یہ مطلب تین باتوں پر مشتمل ہے:

پہلی بات: منصب امامت کابلندمرتبہ ہونا۔

دوسری بات: منصب امامت ظالموں اورستم گاروں کونہیں ملے گا۔

تیسری بات: منصب امامت کازبان امامت سے تعارف۔

پہلی بات

منصب امامت کابلند مرتبہ ہو نا

ہم اس آیہء شریفہ میں دیکھتے ہیں کہ خدائے متعال نے حضرت ابراھیم علیہ السلام سے بڑھاپے کے دوران نبوت رسالت کو سالہا سال گزرنے کے بعدان کی عمرکے آخری مرحلہ میں امتحان لیااور انھوں نے اس امتحان الٰہی کوقبول کیا اورکامیابی کے ساتھ مکمل کردکھایا امامت کاعہدہ وہ ارتقائی درجہ تھا جواس عظیم امتحان اورصبروثبات کے بعدانھیںعطاکیاگیا۔

آیہء کریمہ سے اس مطلب کو بہتر طریقہ سے واضح کرنے کے لئے،درج ذیل چندبنیادی نکات کی وضاحت ضروری ہے:

۱۔حضرت ابراھیم علیہ السلام کے امتحان اوران کی امامت کے درمیان رابطہ کیسا ہے؟

۲۔اس آیہء کریمہ میں بیان کیاگیاامتحان،کس قسم کا امتحان تھا؟

۳۔کیایہ کہا جاسکتاہے کہ،حضرت ابراھیم علیہ السلام کو عطا کئے گئے عہدہ امامت سے مراد ان کا وہی منصب نبوت ورسالت ہی ہے؟

۴۔حضرت ابراھیم علیہ السلام کوعطا کی گئی امامت،کس چیزپردلالت کرتی ہے؟

امتحان اور منصب امامت کا رابطہ

آیہء کریمہ: (واذابتلیٰ ابراھیم ربّه بکلمات فأتمّهنّ قال انّی جا علک للناس إماماً) میں لفظ "إذ" ظرف زمان ہے اوراس کے لئے ایک متعلق کی ضرورت ہے۔ "إذ" کا متعلق کیا ہے؟

پہلا احتمال یہ ہے کہ "إذ" کا متعلق "اذکر" (یادکرو) ہے، جو محذوف اور پوشیدہ ہے، یعنی: اے پیغمبر (ص)! یاداس وقت کو کیجئے جب پروردگار نے ابراھیم علیہ السلام کا چند کلمات کے ذریعہ سے امتحان لیا۔

اس احتمال کی بنیادپرچند اعتراضات واردہیں:

۱۔ مستلزم حذف وتقدیر) متعلق کو محذوف اور مقدر ماننا) خلاف اصل ہے۔

۲۔" (إنی جاعلک للناس إماماً) "کا اس کے پہلے والے جملہ سے منقطع ہونا حرف عطف کے بغیر ہونا لازم آتا ہے۔

وضاحت: جملہء "قال انّی جاعلک" کا بظاہر سیاق یہ ہے کہ وہ اپنے پہلے والے جملہ سے علٰحیدہ اور منقطع نہیں ہے اور معنی و مضمون کے لحاظ سے قبل والے جملہ سے وابستہ ہے، اورچونکہ اس کے لئے حرف عطف ذکر نہیں ہوا ہے، اس لئے بظاہر اس جملہ کے آنے سے پہلا جملہ مکمل ہوتا ہے، اوران دونوں فقروں کے درمیان ارتباط کلمہ "إذ" کے "قال" سے متعلق ہونے کی بناپرہے۔ اسی صورت میں ایہء شریفہ کا معنی یوں ہوتا ہے: "جب ابراھیم علیہ السلام سے ان کے پروردگار نے امتحان لیا، توان سے کہا: میں تم کو لوگوں کے لئے امام قرار دیتا ہوں۔" اس بناپر یہ امتحان حضرت ابراھیم علیہ السلام کو منصب امامت عطا کرنے کے لئے ایک وسیلہ اور ذریعہ تھا۔

آیہء کریمہ کے اس مطلب پر قطعی گواہ کے لئے ایک دوسری آیت ہے کہ اس میں پیغمبروں کے ایک گروہ کے لئے صبر وامامت کے درمیان رابطہ بخوبی بیان ہوا ہے:

(وجعلنا منهم ائمته يهدون بامرنا لمّاصبروا وكانوا بآياتنايوقنون) (سجدہ/۲۴)

"اورہم نے ان میں سے کچھ لوگوں کو امام اورپیشوا قرار دیا ہے جوہمارے امر سے لوگوں کی ہدایت کرتے ہیں، اس لئے کہ انہوں نے صبر کیا ہے اورہماری آیتوں پریقین رکھتے تھے۔"

اس آیہء شریفہ میں ان پیغمبروں کو امامت ملنے کا سبب صبر ویقین بیان کیا گیا ہے اور یہ رابطہ حضرت ابرھیم علیہ السلام کے امتحان اورامامت کے درمیان رابطہ کوزیر بحث آیت میں واضح اورروشن کرتا ہے۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کا امتحان

حضرت ابراھیم علیہ السلام کے امتحانات اور ان کی یہ آزمائشیں کن مسائل اور امور سے متلق تھیں کہ جس کا نتیجہ امامت کا عظیم عطیہ قرار پایا تھا۔

آیہء شریفہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ امتحان چند کلمات کے ذریعہ لیا گیا اور حضرت ابراھیم علیہ السلام نے انھیں مکمل کر دکھایا۔بظاہر یہ کلمات ایک خاص قسم کے فرائض اور احکام تھے کہ جن کے ذریعہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کا امتحان لیا گیا۔

قرآن مجید میں ، حضرت ابراھیم علیہ السلام کی تاریخ کے سلسلہ میں جو چیز "واضح و روشن امتحان" کے عنوان سے بیان ہوئی ہے، وہ ان کا اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا اقدام ہے: (إن هـذا لهـوالبلائ المبـين) [1] بیشک یہ بڑا واضح و روشن متحان ہے) یہ) بیٹے کوذبح کرنے کا اقدام) حقیقت میں وہی کھلا امتحان ہے۔یہ امتحان حضرت ابراھیم علیہ السلام کے اپنے پروردگار کے حضور میں ایثاروقربانی اور مکمل تسلیم ہونے کا مظہر تھا۔

اس مطلب کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کا یہ امتحان ان کی پیری اور بڑھاپے میں انجام پایا ہے اور وہ بھی اس وقت جب ان کا بیٹا جوانی کے مرحلہ میں داخل ہوچکا تھا۔حضرت ابراھیم علیہ السلام اپنی جوانی کا مرحلہ طے کرنے تک صاحب اولاد نہیں تھے۔جب بڑھاپے کے مرحلہ میں پہنچے اور اولاد سے ناامید ہوئے، تو خدائے متعال

۱۔ صافات/۱۰۶

نے انھیں اسماعیل واسحاق نام کے دو بیٹے عطا کئے اور یہ اس حالت میں تھا کہ جب ان کی نبوت اور رسالت کو سالہا سال گزر چکے تھے۔

کیا اس آیت میں امامت سے مراد ان کی وہی نبوت ورسالت نہیں ہے؟

خدائے متعال نے جو امامت حضرت ابراھیم علیہ السلام کو عطا کی، کیا وہ، وہی ان کی نبوت ورسالت تھی، جیسا کہ بعض مفسرین نے بیان کیا ہے، یا یہ امامت کوئی دوسرا عہدہ ہے؟

اس سے پہلے بیان کئے گئے مطلب سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ امامت، درج ذیل دودلائل کے پیش نظر حضرت ابراھیم علیہ السلام کے پاس پہلے سے موجود نبوت ورسالت کے علاوہ تھی:

پہلے یہ کہ: یہ آیہء شریفہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ امامت، حضرت ابراھیم علیہ السلام کو بہت سے امتحانات کے بعد عطا کی گئی ہے، کہ ان امتحانات کا ایک واضح وروشن نمونہ ان کا اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا اقدام تھا جبکہ نبوت ورسالت انھیں پہلے دی جا چکی تھی۔

دوسرے یہ کہ: آیہء کریمہ میں "جاعلک" اسم فاعل ہے اور ادبی لحاظ سے اسم فاعل صرف اسی صورت میں اپنے مابعد پر عمل کر سکتا ہے اور کسی اسم کو مفعول کے عنوان سے نصب دے سکتا ہے، جب ماضی کے معنی میں نہ ہو، ابلکہ اسے حال یا مستقبل کے معنی میں ہونا چاہئے۔ اس بنا پر آیہء شریفہ: (إنیّ جاعلک للنّاس إماماً) میں فاعل "جاعل" کے دو مفعول ہیں) ایک ضمیر "کاف" اور دوسرا "اماماً") اس لئے ماضی کو ملحوظ نظر نہیں قرار دیا جا سکتا۔

۱-البھجتہ المرضیتہ، مکتبتہ المفید، ج۲، ص۶-۵

یہ امامت کس چیزپردلالت کرتی ہے؟

ہمیں آیہء شریفہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امامت کا مفہوم پیشوائی اور قیادت ہے اوراس کامعنی نبوت ورسالت سے متفاوت ہے۔امام،وہ ہے جودوسروں کاپیشواہواورانسانوں کے آگے آگے چلے،جیسے خدائے متعال نے متعلق طورپر لوگوں کے لئے امام قراردیاہے اورتمام انسانی پہلوؤں سے لوگوں کے لئے اسوہ اور نمونہ بنایاہے لوگوں کو چاہئے کہ تمام ابعاد حیات میں اس سے ہدایت حاصل کریں اوراس کی اقتداء و پیروی کریں۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کویہ مقام)امامت)رسالت ملنے کے سالہا سال بعد تمام بڑے امتحانات الٰہی میں کامیابی حاصل کرنے کے بعدعطاکیاگیا ہے۔اس سے صاف ظاہر ہوتاہے کہ امامت کامرتبہ اور درجہ نبوت ورسالت کے مساوی نہیں ہے بلکہ ان سے بالاتر ہے۔

اس بحث کا نتیجہ یہ ہوگاکہ:جب یہ ثابت ہواکہ امامت کادرجہ و مرتبہ نبوت سے بالاتر ہے اورنبوت کے لئے قطعی دلائل کی بنیادپرعصمت کی شرط لازمی ہے،پس جوچیزنبوت سے برتر وبلندترہو،بدرجہ اولٰی اس کے لئے بھی عصمت کاشرط ہوناضروری ہوگا۔

دوسری بات:

منصب امامت ظالموں کونہیں ملے گا

یہ آیہء شریفہ عصمت امامت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ آیت کے جملہ لاینال عھدی الظالمین یعنی:"میراوعدہ)امامت)ظالموں تک نہیں پہونچے گا" سے استفادہ ہوتاہے کہ ظالم مقام امامت تک نہیں پہونچ سکتا۔

جب خدائے متعال نے فرمایا: اِنیّ جاعلک للناس اِماماً "میں تجھے لوگوں کے لئے امام قرار دیتاہوں" حضرت ابراھیم علیہ السلام نے عرض کیا: ومن ذرّیّتی؟ "کیامیری ذریت اور اولادمیں سے بھی کوئی اس مقام تک پہنچے گا؟"پروردگارعالم نے فرمایا: لاینال عھدی الظالمین میرا وعدہ ظالموں تک نہیں پہنچے گا۔

اس جملہ سے درج ذیل نکات حاصل ہوتے ہیں:

۱۔امامت وعدئہ الٰہی ہے۔

۲۔یہ وعدہ ظالموں تک نہیں پہونچ سکتا،چونکہ ہر گناہ ظلم شمار ہوتا ہے، ا لہذا جو معصوم نہیں ہے، وہ گناہوں میں گرفتار ہوگا۔

اس بناء پر آیہء شریفہ کی یہ دلالت کہ ہر امام کو اپنے عہدہ امامت میں گناہوں سے پاک ہونا چاہئے، واضح اور ناقابل انکار ہے۔

کیا اس جملہ سے یہ استفادہ کیاجاسکتاہے کہ:جن لوگوں نے امامت کے عہدہ پر فائز ہونے سے پہلے اگر کوئی ظلم کیا ہو وہ امامت کے عہدہ پر فائزہو سکتے ہیں یا نہیں؟

۱۔چونکہ ہر گنا کبیرہ یا صغیرہ کیفر الٰہی کا مستحق ہے،اس لئے گناہ گار گناہ کے ذریعہ اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں : مشتق کا عنوان)جیسے ظالم(زمانہ حال میں ظہور رکھتا ہے اور یہ اس شخص پر لاگو نہیں ہوتا ہے جو پہلے اس صفت سے متصف تھا لیکن زمانہ حال میں اس میں وہ صفت نہیں ہے۔اس بناء پر اس آیہء شریفہ کے مطابق،جو خلافت کے عہدہ پرفائزہونے کے دوران ظالم ہو،وہ امامت کے عہدہ پرفائز نہیں ہو سکتا لیکن جو پہلے کبھی ظالم تھا، لیکن اس عہدہ پر فائزہونے کے وقت ظالم نہیں ہے،وہ امامت کے عہدہ پرفائزہو سکتا ہے۔

اعتراض کے جواب میں دوباتیں

پہلی بات جواس اعتراض کے جواب میں پیش کی گئی ہے وہ ایک عظیم محقق مرحوم حاج شیخ محمد حسین اصفہانی کی ہے کہ جسے مرحوم علامہ سید محمد حسین طباطبائی نے تفسیرالمیزان میں ذکر کیاہے:[۱]

حضرت ابراھیم علیہ السلام کی ذریت چارگروہوں میں تقسیم ہوتی ہے:

۱۔وہ گروہ جو امامت پر فائز ہونے سے پہلے ظالم تھے اوراس مقام پر فائزہونے کے بعد بھی ظالم رہے۔

۲۔وہ گروہ جوامامت کا عہدہ سنبھالنے سے پہلے عادل تھے اورامامت کے عہدہ پر فائزہونے کے بعد ظالم بن گئے۔

۳۔وہ گروہ، جوامامت کے عہدہ پرفائزہونے سے پہلے ظالم تھے اورامامت کا عہدہ سنبھالنے کے بعدعادل ہوگئے۔

۴۔وہ گروہ جوامامت کے عہدہ پرفائزہونے سے پہلے اوراس کے بعددونوںزمانوں میں عادل تھے۔حضرت ابراھیم علیہ السلام اپنی اس عظمت کے پیش نظرپہلے دوگرہوں کے لئے کہ،جواپنے عہدہ امامت کے دوران ظالم ہوں،ہرگزامامت کی درخواست

۱۔تفسیر المیزان،ج۱،ص۲۷۷،دارالکتب الاسلامیہ۔

نہیں کریں گے۔ اس بنا پر (ومن ذرّیّتی) "میری اولاد سے؟"کا جملہ صرف تیسرے اورچوتھے گروہ پرصادق آتا ہے،اورخدائے متعال بھی جواب میں فرماتاہے (لاینال عھدی الظالمین) "میرا وعدہ ظالموں تک نہیں پہونچ سکتا۔"اس جملہ کے پیش نظر تیسرا گروہ جوپہلے ظالم تھا لیکن امامت کا عہدہ سنبھالنے کے دوران عادل ہوگیا،وہ بھی خارج ہوجاتا ہے اوراپنی اولاد کے بارے میں کئے گئے سوال کے جواب میں صرف چوتھے گروہ کو امامت دی جاتی ہے۔

دوسری بات مرحوم طبرسی کی ہے جوتفسیر مجمع البیان میں ذکر ہوئی ،وہ کہتے ہیں:ہم اس بات کوقبول کرتے ہیں کہ جوفی الحال ظالم نہیں ہے اس پر ظالم کاعنوان حقیقت میں اطلاق نہیں ہوتاہے،لیکن یہ بات قابل ذکر ہے کہ جس نے پہلے ظلم کیا ہے،ظلم کرنے کے دوران اس پر ظالم کاعنوان حقیقت میں صادق تھا،مذکورہ آیت ایسے افراد کوبھی مشتمل ہے۔یعنی ایسا شخص اب امامت کے لئے شائستہ نہیں ہے اورامامت پرفائزنہیں ہوسکتاہے اور"لاینال"کا جملہ چونکہ مضارع منفی ہے،اس لحاظ سے اس پردلالت کرتاہے۔

اس بناپر،جس نے زندگی میں ایک لمحہ کے لئے بھی گناہ کیاہے،وہ امامت کے عہدے پرفائزنہیں ہوسکتاہے،چونکہ اس وقت ظالم اور ستم گارہے اورآیہء شریفہ کہتی ہے: (لاینال عھدی الظالمین) "میرا عہدہ ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔"

اس طرح یہ واضح ہوگیا کہ آیہء شریفہ دوجہتوں سے اماموں کی عصمت پرحتی عہدہ امامت پر فائز ہونے سے پہلے بھی دلالت کرتی ہے۔اورامامت کے منصب پرفائز ہونے والا شخص اپنی پوری عمرملکہء عصمت سے وابستہ ہوتاہے۔اوراس طرح یہ بھی واضح ہوگیاکہ امامت ایک الٰہی منصب ہے جو خدائے متعال کی طرف سے عطا کیاجاتاہے،یعنی یہ خدائے متعال کی ایک ایسی نعمت ہے کہ جس کو وہ جوشائستہ و سزاوار جانتا ہے اسی کو عطا کرتا ہے۔

تیسری بات

منصب امامت کازبان امامت سے تعارف

آیہء شریفہ کو.بیان کرنے کے بعدمناسب ہے کہ امامت کی حقیقت کے سلسلہ میں ہمارے آٹھویں امام حضرت امام موسی الرضا علیہ السلام کی بیان کی گئی ایک حدیث پیش کیجائے:

أبو محمّدالقاسم بن العلاء-رحمه-رفعه عن عبدالعزيزبن مسلم قال:كنّامع الرضا-عليه السلام-بمرو،فاجتمعنافى الجامع يوم الجمعة فى بدء مقدمنا،فأداروامرالامامته وذكرواكثرةاختلاف الناس فيها فدخلت على سيدى-عليه السلام-فأعلمته خوض الناس فيه،فتبسم-عليه السلام-ثم قال:ياعبدالعزيزجهل القوم وخذعواعن آرائهمإن الله عزّوجلّ لم يقبض نبيّه (ص)حتى أكمل له الدين وانزل عليه القرآن فيه تبيان كلّ شىءٍ، بيّن فيه الحلال والحرام والحدود والاحكام وجميع مايحتاج اليه النّاس كملاً فقال عزّوجلّ (مافرّطنافى الكتاب من شىءٍ) [1] وأنزل فى حجة الوداع،وهى آخرعمره(ص): (أليوم أكملت لكم دين وأتممت عليكم نعمتى ورضيت لكم الاسلام ديناً) [2] وامرالامامةمن تمام الدينولم يمض(ص)حتىّ بيّن لامته معالم دينهم وأوضع لهم سبيلهم، وتركهم على قصد سبيلالحق،و اقام لهم عليّا علماً و

۱۔انعام/۳۸

۲۔مائدہ/۳

إماماً و ماترک لهم شیئاً یحتاج إلیه الامته إلاّبیّنه فمن زعم ان الله عزّوجلّ لم یکمل دینه فقد ردّ کتاب الله و من ردّ کتاب الله فهو کافر به هل یعرفون قدر الإمامة و محلّها من الامّة فیجوز فیها اختیارهم؟ إنّ الامامة أجلّ قدراً و أعظم شأنا و اعلی مکاناً و أمنع جانباً و ابعد غوراً من أن یبلغها النّاس بعقولهم أوینالو بآرائهم أویقیموا إماماً باختیارهم

إنّ الإمامة خص الله عزّوجلّ بها إبراهیم الخلیل - علیه السلام - بعد النبوة و الخلّة مرتبة ثالثة و فضیلة شرّفه بها و أشاد بها ذکره فقال: (إنّی جاعلک للنّاس اماماً) فقال الخلیل- علیه السلام سروراًبها: (ومن ذرّیّتی) قال الله تعالی: (ولاینال عهدی الظالمین) [1] فابطلت هذه الآیة إمامة کلّ ظالم إلی یوم القیامة و صارت فی الصفوه ثمّ أکرم الله تعالی بأن جعلها فی ذرّیّته اهل الصفوة و الطهارة فقال: (و وهبنا له إسحاق و یعقوب نافلة وکلّا جعلنا صالحین وجعلناهم أئمّه یهدون بأمرنا وأوحینا إلیهم فعل الخیرات وإقام الصلوةوإیتائ الزکوة وکانوا لنا عابدین) [2]

فلم تزل فی ذرّیّته یرثها بعض عن بعض قرناً فقرناً حتی ورّثها الله تعالی النبیّی ﷺ فقال جلّ وتعالی: (إنّ أولی الناس بإبراهیم للّذین اتّبعوه وهذا النبیّی والّذین آمنوا والله)

۱ـبقره/۱۲۴

۲ـانبیاء/۷۳ـ۷۲

(وليّ المؤمنين) [1]

فكانت له خاصّةفقلّدها (ص)علياً-عليه السلام-بأمرالله تعالى على رسم مافرض الله فصارت فى ذرّيّته الأصفياء الذين آتاهم الله العلم والإيمان بقوله تعالى: (وقال الّذين أو تو االعلم والإيمان لقد لبثتم فى كتاب الله إلى يوم البعث) [2] فهى فى ولد علىّ - عليه السلام - خاصّة إلى يوم القيامة،إذ لا نبيّى بعد مُحَمَّد ﷺ فمن أين يختار هؤلائ الجّهال

إنّ الإمامة هى منزلة الأنبياء وإرث الأوصياءإنّ الإمامة خلافة الله وخلافة الرسول ﷺ ومقام أميرالمؤمنين -عليه السلام - وميراث الحسن والحسين -عليها السلام - انّ الإمامة زمام الدّين ونظام المسل مين وصلاح الدنيا وعزّالمؤمنين إنّالإمامةأُس الإسلام النامى و فرعه السّامى بالإمام تمام الصلاة و الزكاة والصيام والحج والجهاد وتوفيرالفىء والصدقات وإمضاء الحدود والأحكام ومنع الثغور والأطرافالإمام يحلّ حلا ل الله ويحرّم حرام الله و يقيم حدود الله و يذّب عن دين الله ويدعو إلى سبيل ربّه بالحكمة الموعظة الحسنة و الحجّة البالغة الإمام كالشمس الطالعة المجللّة بنورها للعالم وهى فى الأفق بحيث لاتنالها الأيدى والأبصار

الإمام البدرالمنير والسراج الزاهر والنور الساطع والنجم الهادى فى غياهب الدجى واجواز البلدان والقفار ولجج البحارالإمام الماء العذب على الظماء والدالّ على الهدى والمنجى من الرّدى الإمام النار على اليفاع الحارّ لمن اصطلى به والد ليل فى المهالكمن فارقه فهالک

۱-آل عمران/۶۸

۲-روم/۵۶

الإمــام الســحاب الماطروالغيــث الهاطــل والشــمس المضيئةوالســماء الظليلــة والأرض البســيطة والعــين الغزيرةوالغديروالروضة

الإمام الأنيس الرفيق والوالد الشفيق واالأخ الشقيق والأم البرّة بالولد الصغير ومفزع العباد فی الداهية النآد

الإمام أمين الله فی خلقه وحجّته علی عباده وخليفته فی بلاده والداعی إلی الله والذابّ عن حرام الله

الإمام المطهّرمن الذنوب والمبرّأ عن العيوب المخصوص بالعلم الموسوم بالحلم نظام الدّين و عزّالمسلمين وغيظ المنافقين و بوار الكافرين

الإمام واحد دهره، لا يدانيه أحد ولا يعادله عالم ولايوجد منه بدل ولا له مثل و لا نظير مخصوص بالفضل كلّه من غير طلب منه له و لا اكتساب بل اختصاص من المفضل الوهّاب فمن ذا الذی يبلغ معرفة الإمام أو يمكنه اختياره؟!! هيهات هيهات! ضلّت العقول وتاهت الحلوم وحارت الألباب و خسئت العيون و تصاغرت العظماء و تحيّرت الحكماء و تقاصرت الحلماء و حصرت الخطباء و جهلت الألبّاء و كلّت الشعراء وعجزت الأدباء وعييت البلغاء عن وصف شأن من شأنه أوفضيلة من فضائله وأقرّت بالعجز و التقصير و كيف يوصف بكلّه أو ينعت بكنهه أو يفهم شيئ من أمره أويوجدمن يقوم مقامه يغنی غناه؟!

لا، كيف وأنّی؟ و هو بحيث النجم من يد المتناولين و وصف الواصفين! فأين الاختيار من هذا؟ و أين العقول عن هذا؟ و أين يوجد مثل هذا؟! أتظنّون انّ ذلک يوجد فی غيرآل الرسول مُحَمَّد (ص) كذبتهم - والله - أنفسهم و منّتهم الأباطيل فارتقوا مرتقاً صعباً دحضاً تزلّ عنه إلی الحضيض أقدامهم راموا إقامة الإمام بعقول حائرة ناقصة و آرا مضلّة فلم يزدادوا منه إلاّ بُعداً (قاتلهم الله أنّی يؤفكون) ؟ ولقد راموا صعبا و قالوا إفكاً و ضلّواضلا لاً بعيداً و وقعوا فيالحيرة إذ تركوا الإمام عن بصيره (زيّن لهم الشيطان أعمالهم عن السبيل و كانوا مستبصرين) [1]

رغبوا عن اختيار الله و اختيار رسول الله ﷺ وأهل بيته إلی اختيارهم و القرآن ينادی (همو ربّک يخلق مايشاء و يختار ما كان لهم الخيرة سبحان الله و تعالی عماّ يشركون) [2] وقال عزّوجلّ: (و ما كان لمؤمن و لا مؤمنة إذا قضی الله و رسوله أمراً أن يكون لهم الخيرة من أمرهم) [3] الآية و قال: (مالكم كيف تحكمون)

۱ـ نمل/۲۴

۲ـ قصص/۶۸

۳ـ احزاب/۳۶

(أم لكم كتاب فيه تدرسون إنّ لكم فيه لما تخيّرونا أم لكم أيمان علينا بالغة إلى يوم القيامة إنّ لكم لما تحكمون سلهم أيّهم بذلک زعيم أم لهم شركاء فليأتوا به شركائهم إن كانوا صادقين) [1] وقال عزّوجل: (أفلايتدبّرون القرآن أم على قلوب أقفالها ۵ أم طبع الله على قلوبهم فهم لا يفقهون) [2] أم (قالوا سمعنا و هم لا يسمعون إنّ شرّ الدوابّ عند الله الصمّ البكم الذين لا يعقلون و لو علم الله فيهم خيراً لأسمعهم و لو أسمعهم لتولّوا و هم معرضون) [3] أم (قالوا سمعنا و عصينا) [4] بل هو فضل الله يؤتيه من يشاء و الله ذوالفضل العظيم فكيف لهم باختيار الإمام؟! و الإمام عالم لا يجهل وراع لاينكل معدن القدس والطهارة و النسک و الزهادة و العلم والعبادة مخصوص بدعوة الرسول ﷺ ونسل المطهرةالبتول لامغمز فيه فی نسب و لا يدانيه ذو حسب فی البيت من قريش، و الزروة من هاشم و العترة من الرسول ﷺ و الرضا من الله عزّوجلّ شرف الأشرف و الفرع من عبد مناف نامی العلم كامل الحلم مضطلع بالإمامة عالم بالسياسة مفروض الطاعة قائم بأمر الله عزّوجلّ ناصح لعبادالله حافظ لدين الله

إنّا لأنبياء والأئمة - صلوات الله عليهم - يوفّهم الله و يؤتيهم من مخزون علمه و حكمه ما لايؤتيه غيرهم فيكون علمهم فوق علم

۱ـ قلم/ ۴۱ـ ۳۶

۲ـ محمد/ ۲۴

۳ـ توبه/ ۸۷

۴ـ انفال/ ۲۳ـ ۲۱ ۵ـ بقره/ ۹۳

أهل الزمان فی قوله تعالی (: أفمن یهدی إلی الحقّ أحقّ أن یُتّبع أمّن لایهّدی إلاّ أن یُهدی فمالکم کیف تحکمون) (1) و قوله تبارک و تعالی (ومن یؤت الحکمة فقد أُوتی خیراًکثیراً) (2) و قوله فی طالوت (إنّ الله اصطفاه علیکم و زاده بسطة فی العلم و الجسم و الله یؤتی ملکه من یشاء و الله واسع علیم) (3) و قال لنبیه ﷺ (أنزل علیک الکتاب و الحکمة و علّمک مالم تکن تعلم و کان فضل الله علیک عظیماً) (4) و قال فی الأئمّة من أهل بیت نبیّه و عترته و ذریّته صلوات الله علیهم -: (أم یحسدون الناس علی ما آتاهم الله من فضله فقد آتینا آل ابراهیم الکتاب و الحکمة و اتیناهم ملکاً عظیماً فمنهم من آمن به ومنهم من صدّ عنه و کفی بجهنم سعیراً) (5) و إنّ العبد إذا اختاره الله عزّ و جلّ لأُمور عباده شرح صدره لذلک و أودع قلبه ینابیع الحکمة و ألهمه العلم إلهاماً فلم یعی بعده بجواب و لا یحیر فیه عن صواب فهو معصوم مؤیّد فوفّق مسدّد قد أُمن من الخطایا و الزلل والعثار یخصّه الله بذلک لیکون حجّته علی عباده و شاهد علی خلقه و ذلک فضل الله یؤتیه من یشائ و الله ذوالفضل العظیم

فهل یقدرون علی مثل هذا فیختارونه؟ أو یکون مختارهم بهذه الصفة فیقدّمونه؟ تعدّوا - و بیت الله - الحقّ و نبذوا کتاب الله

۱۔یونس/۳۵

۲۔بقرہ/۲۶۹۳۔بقرہ۲۴۷۴۔سورۂ نسائ سے اقتباس/۱۱۳

۵۔نساء/ ۵۵۔۵۶

وراء ظهورهم كأنهم لا يعلمون و فی كتاب الله الهدی والشفائفنبذوه و اتّبعوا أهواء هم فذمّهم الله و مقّتهم و أتعسهم فقال جلّ و تعالی: (و من أضّل ممّن اتّبع هواه بغير هدی من الله إنّ الله لايهدی القوم الظالمين) [1] وقال: (فتعسا لهم وأضلّ أعمالهم) [2] و قال: (كبُر مقتاً عند الله وعند الّذين آمنوا كذلک يطبع الله علی كلّ قلب متكبّر جبّار) [3] وصلی الله علی النبیّ محمّد وآله وسلّم تسليماً كثيراً"[4]

عبدالعزیزبن مسلم سے روایت ہے کہ:ہم مسجدمرومیں حضرت امام رضاعلیہ السلام کی خدمت میں تھے۔وہاں پہنچنے کے ابتدائی دنوں میں جمعہ کے دن جامع مسجدمیں جمع ہوئے تھے۔حضارنے مسئلہء امامت کے بارے میں گفتگوکی اوراس موضوع کے بارے میں موجودبہت سے اختلافات کو.بیان کیاگیا۔

میں نے اپنے مولا)امام رضا علیہ السلام)کی خدمت میں لوگوں کی اس گفتگو کے بارے میں وضاحت کی۔حضرت علیہ السلام نے ایک مسکراہٹ کے بعدیونفرمایا:اے عبدالعزیز!ان لوگوننے نادانی کا راستہ اختیارکیاہے اور اپنے نظریات کی جانب دھوکہ میں ہیں۔

خدائے عزّوجل نے اپنے پیغمبر(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)کواس دنیا سے اس وقت تک نہیں اٹھایاجب تک ان کے لئے دین کومکمل نہیں کر لیااورقرآن مجیدکہ،جوہرچیزکوواضح کرنے والی کتاب ہے اورجس میں حلال وحرام،حدوداحکام اورانسان کی تمام ضرورتیں مکمل

۱۔قصص/۵۰

۲۔محمد/۸

۳۔غافر/۳۵

۴۔اصول کافی،مترجم،ج۱،ص۲۸۳،اصول کافی غیرمترجم،ج۱،ص۱۹۸،عیون اخبار الرضا۴،ج۱،ص۲۱۶۔

طورپربیان ہوئی ہیںنازل نہیں کرلی اورفرمایا (مافرّطنا فی الکتاب من شیء) "ہم نے کتاب میں کوئی چیزنہیں چھوڑی ہے")پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)کے حجۃ الوداع میں جوآپکی عمرکے آخری ایام میں انجام پایاآیہء (ألیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً) نازل فرمائی۔اس طرح دین کوکامل فرمایااورامامت دین کاتکملہ ہے۔)خدا نے)پیغمبراسلام ﷺ کوتب تک اس دنیا سے نہیں اٹھالیاجب آپنے امت کے لئے دینی امور واضح کردیئے حق کاوہ راستہ دکھلادیاجس پران کوچلناتھااورحضرت علی علیہ السلام کواپنے بعد امت کے لئے رہبرکے طورپر پہنچوادیا،حتی کہ امت کی ضرورت کی کسی چیزکوبیان کئے بغیرنہیں چھوڑا۔پس،ان اوصاف کے پیش نظرجویہ تصورکرے کہ خدائے متعال نے اپنے دین کومکمل نہیں کیاہے،اس نے خداکی کتاب سے انکارکیاہے،اورایساآدمی کافرہے۔کیایہ لوگ امت کے درمیان امامت کی عظمت وبلندی نیزاس کی کلیدی حیثیت کوجاننے کاشعوررکھتے ہیں تاکہ اس سلسلہ میں کوئی رائے قائم کرسکیں؟بیشک امامت اس سے کہیں زیادہ گراں بہا،عظیم الشاں،بلندمرتبہ اور عمیق ترہے کہ لوگ اسے اپنی عقلوں سے درک کریںنیزاپنی رائے اوراپنے اختیارسے امام منتخب کریں۔

امامت ایک ایسا خاص عہدہ ہے جو خدائے متعال کی طرف سے خُلّ نیز نبوت ورسالت کے منصب کے بعد حضرت ابراھیم علیہ السلام کو عطا کیا گیا، اوراس سے مذکورہ دو نوںعہدوں سے بلند اورافضل قرار دیتے ہوئے خدا وند عالم نے فرمایا: (إنیّ جاعلک للنآس إماماً) یعنی:"میں تجھے لوگوں کے لئے امام قرار دیتا ہوں"۔حضرت ابراھیم علیہ السلام نے خوش ہوکر کہا: (ومن ذرّیّتی) "کیا میری ذریت کو بھی یہ عہدہ ملے گا؟"خدائے متعال نے فرمایا: (لاینال عھدالظالمین) "میرا وعدہ)امامت)ظالموں تک نہیں پہنچے گا۔" اس آیہء شریفہ نے ہرظالم کے لئے عہدہ امامت کوقیامت تک کے لئے مسترد کردیا اوراس)امامت)کوممتازاور منتخب افراد میں متعین قراردیا--یہاں تک کہ پیغمبر اسلام (ص) نے اسے وراثت میں حاصل کیا آپنے بھی اسے خدا کے حکم سے علی علیہ السلام اور ان کی معصوم نسلوں میں قراردیا کہ جو اہل علم و ایمان تھے اوریہ مقام ان کے معصوم فرزندوں میں قیامت تک رہے گا۔پس یہ نادان کیسے امام کوانتخاب کرسکتے ہیں۔؟!!امامت انبیاء کی عظمت و منزلت اور اولیائے الٰہی کی وراثت ہے۔امامت،خدائے متعال اورپیغمبر اسلام ﷺ کی جانشین اورامیرالمؤمنین علیہ السلام کی عظمت نیزحسن وحسین علیہما السلام کی وارثت ہے۔امامت،دین کی زمانداری، مسلمانوں کی حکمت عملی ،دنیا کی بہتری اورمؤمنین کی عزت ہے۔صرف امامت کے ذریعہ نماز،روزہ،حج،زکواةاورجہاد کومکمل طورپرانجام دیاجاسکتاہے اورامام کے ذریعہ حدوداوراحکام الٰہی کا نفاذ ممکن ہے اورسرحدوں کی حفاظت کی جاسکتی ہے۔

یہ امام ہی ہے جو خدا کے حلال کوحلال اوراس کے حرام کوحرام بتاتاہے،خداکے حدود کوجاری کرتاہے،دین خداکادفاع کرتاہے اورلوگوں کوخداکے راستہ کی طرف اپنی حکمت عملی،اچھی نصیحت اور محکم و متقن دلائل سے دعوت دیتاہے۔

امام ایک آفتاب کے مانند ہے جو طلوع ہو کر پوری دنیا کو روشنی میں غرق کر دیتا ہے چونکہ وہ ایک بلندی پر مستقر ہوتا ہے لہذا اس تک لوگوں کی نظریں اور آلودہ ہاتھ نہیں پہنچ سکتے ہیں۔

امام، ماہ تابان، شمع فروزان، چمکتا نور اور درخشاں ستارہ ہے جو شدید تاریکیوں شبہ راہوں اور گزرگاہوں، شہروں اور گلی کوچوں، صحراؤں اور سمندروں کے گردابوں میں)جہالت و آزمائش نیز دربدری کے زمانہ میں) لوگوں کی ہدایت کرنے والا ہوتا ہے۔

امام،پیاسوں کے لئے ٹھنڈا پانی اور گمراہوں کی ہدایت کے لئے راہنما و ایک دلیل ہے۔

امام، ایک ابر باران، موسلا دھار بارش، چمکتا ہوا سورج، سایہ دار چھت، وسیع و عریض زمین، ابلتا ہوا چشمہ، نیز جھیل اور گلستان کے مانند ہوتا ہے۔

امام، خدا کے بندوں کے لئے انتہائی سختیوں میں، ہمدم و مونس، مہربان باپ، برابر کا بھائی، غمخوار ماں اور خدا کی پناہ گاہ ہوتا ہے۔

امام، خدا کے بندوں میں خدا کا امانتدار، اس کے بندوں پر حجت الٰہی اور اس کے ملک میں اس کا جانشین ہوتا ہے۔

امام، خدا کی طرف دعوت دینے والا اور حریم الٰہی)حدود، مقدرات اور احکام)کا دفاع کرنے والا ہوتا ہے۔

امام، گناہوں سے پاک، عیوب اور برائیوں سے منزّہ ہوتا ہے۔

امام علم میں یگانہ، حلم و بردباری میں یکتا، نظام، دین نیز مسلمانوں کی عزت، منافقون کے واسطے غضب اور کافروں کے لئے ہلاکت ہے۔

امام،)فضائل اورانسانی اقدار کے حوالے سے) بے مثال ہوتا ہے۔کوئی بھی عظمت و بزرگی کے اعتبار سے اس)امام) کے برابرنہیں ہوسکتا ہے اورکوئی عالم اس کے مساوی نہیں ہوسکتا ہے اور کسی کو اس کا جانشین اور متبادل قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔اورامام وہ ہے کہ،جس کوتلاش و کوشش کے بغیرتمام فضیلتیںخدا کی طرف سے عطا ہوتی ہیں۔

پس،کون ہے جو امام کوپہچان سکتا ہے۔ اور اس کو چننے اور منتخب کرنے کی قدرت رکھتا ہے افسوس!افسوس!)اس سلسلہ میں) عقلیں گم ہیں، نظریںنا تواں ہیں،بڑے چھوٹے ہوگئے ہیں، حکماء اورفلاسفہ حیراں و سرگرداں ہیں، اورخطباء، عقلاء، شعراء، ادباء اور مبلغین، خستہ وعاجزہیں،کہ اس)امامت) کی کوئی شان یااس کی فضیلتوں میں سے کسی فضیلت کی توصیف کریں۔یہ مقام کیسے توصیف کے حدودمیں اسکتا ہے جبکہ امام ستارہ کے مانند ہے اورانسان کی توصیف کے دائرہ امکان سے دورہے۔

کیاتم لوگ تصور کرتے ہوکہ یہ خصوصیتیں پیغمبر اسلام ﷺ کے خاندان کے علاوہ کسی اورمیں موجودہوسکتی ہیں؟!

خداکی قسم! ان کی نفسانی خواہشات نے انھیں جھوٹ بولنے پر مجبورکیا ہے اورباطل تصورات نے انھیں منحرف کیا ہے۔

انہوںنے بلندیوں پرقدم رکھا اورآخرکاران کے قدم ڈگمگائے اوروہ پستیوں میں جاگرے ہیں۔انہوںنے اپنی گمراہ کن اورپریشان عقلوں سے امام منتخب کرناچاہا لیکن دوری، گمراہی اورانحراف کے علاوہ انھیں کچھ حاصل نہیں ہوا۔

انہوںنے خدائے متعال،رسول خدا ﷺ نیزآپ کے اہل بیت)علیہم السلام) کے انتخاب کے علاوہ خودانتخاب کرنا چاہا،جبکہ قرآن مجید،ان کے لئےیوں فرماتا ہے: (وربّک یخلق مایشاء ویختارماکان لھم الخیرۃ) ”تیراپروردگارجسے چاہتا ہے خلق کرتا ہے اورمنتخب کرتا ہے،ان کے لئے انتخاب کا حق نہیں ہے،وہ اس بات سے منزّہ وپاک ہے کہ جس کا لوگ اسے شریک قراردیتے ہیں“)خدائے متعال مزیدفرماتا ہے:) (وما کالمؤمن ولا مؤمنة إذ قضی اللّٰه و رسوله أمراً أن یکون لھم الخیر من أمرھم) ۔۔۔۔ ”اورکسی مؤمن مردیا عورت کواختیار نہیں ہے کہ جب خداورسولخدا کسی امر کے بارے میں فیصلہ کردیں تو وہ بھی اپنے امورکے بارے میں صاحب اختیار ہو جائے“

پس وہ کیسے امام کو انتخاب کرسکتے ہیں؟جبکہ امام ایک ایسادانشور ہے جس کے حدود میں نادانی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔وہ ایک ایسا سرپرست ہے، جس میں خوف اور پلٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔وہ تقدس، پاکیزگی، زہدو اطاعت، علم و عبادت کا مرکز ہے، پیغمبر اسلام ﷺ کی دعائیں حضرت فاطمہؑ بتول کی پاکیزہ اولاد سے مخصوص ہے۔ وہ یہ کہ اس مقدس سلسلہ میں عیب جوئی کی کوئی گنجائش نہیں ہے اورکوئی بھی خاندانی شرف اس کے برابر نہیں ہے۔وہ خاندان قریش وہاشم اور پیغمبر اسلام ﷺ کی عترت سے ہیں جو خدا کے پسندیدہ ہیں۔وہ اشراف الاشراف عبد مناف کی اولاد سے ہیں۔وہ علم وآگہی کے وارث اور مکمل بردباری کے مالک ہیں۔رہبری میں قدرتمنداورسیاست سے آگاہ ہیں۔خدا کے حکم کے مطابق ان کی اطاعت کرنا واجب ہے۔وہ امرخداپر سختی سے قائم، نیزخدائے متعال کے بندوں کے حق میں خیرخواہ اوردین کے محافظ ہیں۔

خدائے متعال نے انبیاء اورائمہ کوتوفیق عطا کی ہے اوراپنے علم وحکمت کے خزانہ سے جوچیزدوسروں کونہیں دی ہے، وہ انھیںعطاکی ہے۔اس لحاظ سے ان کی عقل اپنے زمانہ کے لوگوں کی عقلوں سے افضل ہے کہ خدائے متعال نے فرمایاہے: افمن یھدی إلی الحقّ کیا جو حق کی طرف ہدایت کرتاہے وہ اطاعت کے لئے زیادہ شائستہ و سزاوار ہے یاوہ جوخودراہنمائی کے بغیرراستہ پر گامزن نہیں ہے؟تم لوگوں کوکیا ہواہے؟کیسے حکم کرتے ہو؟خدائے متعال فرماتاہے ومن یؤت الحکمۃ۔۔۔ "جسے حکمت دے دی گئی ہے اس نے بہت سی نیکیاں پالی ہیں۔"طالوت کے بارے میں خدائے عزّوجل کافرمان ہے: إنّ اللہ اصطفاہٗ علیکم۔۔۔ انہیں اللہ نے تمھارے لئے منتخب کیاہے اورعلم وجسم میں وسعت عطافرمائی ہے اوراللہ جسے چاہتا ہے اپناملک عطاکرتا ہے کہ وہ صاحب وسعت بھی ہے اورصاحب علم بھی۔

(خدائے متعال نے)اپنے پیغمبر ﷺ سے فرمایا: (وأنزل الله علیک الکتاب والحکمة) ۔۔۔"اوراللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اورآپ کوان تمام باتوں کاعلم دے دیا ہے کہ جن کاآپ کوعلم نہ تھا،اورآپ پرخداکابہت بڑافضل ہے"۔اوراہل بیت اطہاراورعترت پیغمبر ﷺ کے ائمہ کے بارے میں فرمایا: (أم یحسدون النّاس علی ماآتاھم الله من فضله) ۔۔۔"یاوہ ان لوگوں سے حسد کرتے ہیںجنھیں خدانے اپنے فضل وکرم سے بہت کچھ عطا کیاہے توپھر ہم نے آل ابراھیم(علیہ السلام)کوکتاب وحکمت اورملک عظیم عطا کیاہے۔پھران میں سے بعض ان پر ایمان لے آئے اوربعض نے انکارکردیااوران کے لئے جہنم کی دھکتی ہوئی آگ ہے۔"

حقیقت میں جب خداوند متعال اپنے کسی بندہ کواپنے بندوں کے امورکی اصلاح کے لئے منتخب کرتاہے،تواس کے سینہ میں وسعت عطا کرتاہے،اس کے دل میں حکمت کے چشمے قراردیتاہے اوراسے ایک ایسے علم سے نوازتاہے کہ اس کے بعدکسی سوال کا جواب دینے میں عاجز نہیں ہوتااورراہ حق سے منحرف نہیں ہوتا ہے۔پس اس)امام(معصوم کو خدائے متعال کی طرف سے توفیق اورتائیدحاصل ہوتی ہے۔ہرقسم کی خطا،لغزش اورفروگذاشت سے محفوظ ہوتاہے۔خدائے متعال نے اسے ان صفات کا امتیاز بخشاہے تاکہ وہ اس کے بندوں پر حجت اور اس کی مخلوقات پرگواہ رہے اوریہ بخشش وکرم خداکی طرف سے ہے وہ جسے چاہتاعطا کرتا ہے اورخداوند متعال بڑا کریم ہے۔

کیا لوگوں میں یہ طاقت ہے کہ اس قسم کے کسی شخص کا انتخاب کریں یا ان کا منتخب کردہ نمائندہ اس قسم کا ہو؟بیت اللہ کی قسم! ان لوگوں نے حق سے تجاوز کیا ہے اور نادانی کی صورت میں کتاب خدا سے منہ موڑلیا ہے،جبکہ ہدایت اور شفا کتاب خدا میں ہے۔انہوں نے کتاب الٰہی کو چھوڑ کر اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کی ہے۔ خدائے متعالی نے بھی ان کی مذمت کی اور انھیں دشمن قرار دیتے ہوئے قعر مذلت میں ڈال دیا اور فرمایا: (ومن أضلّ ممن هواه بغير هدى من الله) ۔۔۔ "اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو ہدایت الٰہی کے علاوہ اپنی خواہشات کا اتباع کر لے جبکہ اللہ ظالم قوم کی ہدایت کرنے والا نہیں ہے۔" اور فرمایا: (فتعساً لهم وأضلّ اعمالهم) ۔۔۔ "وہ نابود اور ھلاک ہو جائیں اور ان کے اعمال برباد ہو جائیں۔" اور فرمایا: (كبر مقتاً عندالله) ۔۔۔

"وہ اللہ اور صاحبان ایمان کے نزدیک سخت نفرت کے حقدار ہیں اور اللہ اس طرح ہر مغرور اور سرکش انسان کے دل پر مہر لگاتا ہے۔" خدا کی بے شمار رحمتیں اور درود و سلام حضرت محمد اور ان کے خاندان پر۔

دوسراباب:

امامت آیہء مباہلہ کی روشنی میں

نجران کے عیسائی اوران کاباطل دعویٰ

(فمن حاجّک فیه من بعد ما جاء ک من العلم فقل تعالوا ندعُ أبنائنا و أبناء کم و نسائنا و نسائکم و أنفسنا و أنفسکم ثمّ نبتهل فنجعل لعنة الله علی الکاذبین) (آل عمران/۶۱)

"(پیغمبر!)علم کے آجانے کے بعدجو لوگ تم سے)حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں)کٹ حجتی کریں،ان سے کہ دیجئے کہ چلوہم لوگ اپنے اپنے فرزند،اپنی عورتوں اوراپنے اپنے نفسوں کودعوت دیں اورپھر خداکی بارگاہ میں دعا کریں اورجھوٹوں پرخداکی لعنت کریں"

آیہء شریفہ میں گفتگو نجران کے عیسائیوں کے بارے میں ہے کہ وہ حضرت عیسی علیہ السلام کوخداجانتے تھے اوران کے بغیرباپ کے پیداہونے کی وجہ سے ان کے خدا ہونے کی دلیل تصورکرتے تھے۔اس سے پہلی والی آیت میں ایاہے:

(إنّ مثل عیسی عند الله کمثل آدم خلقه من تراب ثمّ قال له کن فیکون) (آل عمران/۵۹)

"بیشک عیسی کی مثال اللہ کے نزدیک آدم جیسی ہے کہ انھیں مٹی سے پیداکیا اورپھر کہا کہ ہوجاؤ تو وہ خلق ہوگئے۔"

مذکورہ آیت ان کے دعوے کوباطل کرتی ہے۔یعنی اگرتم لوگ حضرت عیسی بن مریم علیہما السلام کے بارے میں بغیرباپ کے پیداہونے کے سبب ان کے خدا ہونے کے قائل ہوتوحضرت آدم علیہ لسلام ماں اورباپ دونوں کے بغیرپیدا ہوئے ہیں،اس لئے وہ زیادہ حقدار وسزاوارہیں کہ تم لوگ ان کی خدائی کے معتقدہوجاؤ۔

اس قطعی برہان کے باوجود انہوں نے حق کو قبول کرنے سے انکار کیا اور اپنے اعتقاد پر ڈٹے رہے۔

بعد والی آیت میں خدائے متعال نے پیغمبر اکرم ﷺ سے مخاطب کر کے حکم دیا کہ انھیں مباہلہ کرنے کی دعوت دیں۔

اگرچہ اس آیت)آیہء مباہلہ(کے بارے میں بہت سی بحث ہیں، لیکن جوبات یہاں پر قابل توجہ ہے، وہ اہل بیت علیہم السلام، خاص کر حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں چند نکات ہیں، جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ مباہلہ کے لئے آئے تھے۔

مذکورہ آیہء شریفہ اوراس سے مربوط احادیث کی روشنی میں ہونے والی بحثیں مندرجہ ذیل پانچ محور پر استوار ہے:

۱۔پیغمبر اکرم ﷺ مامور تھے کہ مباہلہ کے لئے کن لوگوں کو اپنے ساتھ لائیں؟

۲۔ان کے میدان مباہلہ میں حاضر ہونے کا مقصد کیا تھا؟

۳۔آیہء شریفہ کے مطابق عمل کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کن افراد کو اپنے ساتھ لائے؟

۴۔آیہء مباہلہ میں حضرت علی علیہ السلام کا مقام اور یہ کہ آیہء شریفہ میں حضرت علی علیہ السلام کو نفس پیغمبر (ص) کہا گیا ہے نیز اس سے مربوط حدیثیں۔

۵۔ان سوالات کا جواب کہ مذکورہ آیت کے ضمن میں پیش کئے جاتے ہیں۔

پہلا محور

آیہء مباہلہ میں پیغمبر ﷺ کے ہمراہ

پہلی بحث یہ کہ پیغمبر اسلام ﷺ کو مباہلہ کے سلسلہ میں اپنے ساتھ لے جانے کے لئے کن افراد کو دعوت دینی چاہئے تھی، اس سلسلہ میں ایہء شریفہ میں غور و خوض کے پیش نظر درج ذیل چند مسائل ضروری دکھائی دیتے ہیں:

الف: "ابنائنا" اور "نسائنا" سے مراد کون لوگ ہیں؟

ب: "انفسنا" کا مقصود کون ہے؟

۔۔۔ (تعالوا ندع أبنائناو أبنا ئكم) ۔۔۔

ابناء ابن کا جمع ہے یعنی بیٹے، اورچونکہ "ابناء کی "ضمیر متکلم مع الغیر یعنی "نا" کی طرف نسبت دی گئی ہے [1] اوراس سے مرادخود آنحضرت ﷺ ہیں، اس لئے آنحضرت ﷺ کوکم ازکم تین افراد، جوان کے بیٹے شمار ہوں، کو مباہلہ کے لئے اپنے ہمراہ لاناچاہئے۔

۔۔۔ (ونسائنا ونسائكم) ۔۔۔

"نساء" اسم جمع ہے عورتوں کے معنی میں اور ضمیر متکلم مع الغیر یعنی "نا" کی طرف اضافت دی گئی ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے گھرانے میں موجود تمام عورتوں (چنانچہ جمع مضاف کی دلالت عموم پر ہوتی ہے) یا کم ازکم تین عورتوں کو) جوکم سے

۱۔ اس آیہء شریفہ میں استعمال کئے گئے متکلم مع الغیر والی ضمیریں، معنی کے لحاظ سے یکساں نہیں ہیں۔ "ندع" میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور طرف مباہلہ وآنحضرت علیہ السلام یعنی نصاریٰ مقصود ہے، اور "ابناء"، "نساء" و "انفس" اس سے خارج ہیں۔ اور "ابنائنا، "نسائنا" اور "انفسنا" میں خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقصود ہیں اور طرف مباہلہ اور ابناء، نسائ اور انفس بھی اس سے خارج ہیں۔ "نبتھل" میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور طرف مباہلہ اور ابناء، نساء اور انفس سب داخل ہیں۔

کم جمع کی مقدار اور خاصیت ہے)مباہلہ کے لئے اپنے ساتھ لانا چاہئے۔

اس بحث میں قابل ذکر ہے، وہ "ابنائنا ونسائنا وانفسنا" کی دلالت کا اقتضا ہے اور بعد والے جوابات محوریں جو مباہلہ کے ھدف اور مقصد پر بحث ہوگی وہ بھی اس بحث کا تکملہ ہے۔

لیکن "ابناء" اور "نساء" کے مصادیق کے عنوان سے کتنے اور کون لوگ مباہلہ میں حاضر ہوئے، ایک علیحدہ گفتگو ہے جس پر تیسرے محورمیں بحث ہوگی۔

(وانفسنا وانفسکم) ---

انفس، نفس کی جمع ہے اور چونکہ یہلفظ ضمیر متکلم مع الغیر "نا" (جس سے مقصود خود آنحضرت ﷺ کی ذات ہے) کی طرف مضاف ہے، اس لئے اس پر دلالت کرتا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کو) جمع کے اقتضا کے مطابق) کم از کم تین ایسے افراد کو مباہلہ کے لئے اپنے ساتھ لانا چاہیئے جو آپ کے نفس کے زمرے میں آتے ہوں۔ کیا "انفسنا" خود پیغمبر اکرم) ص) پر قابل انطباق ہے؟

اگر چہ "انفسنا" میں لفظ نفس کا اطلاق اپنے حقیقی معنی میں صرف رسول اللہ ﷺ کے نفس مبارک پر ہے، لیکن آیہء شریفہ میں موجود قرائن کے پیش نظر "انفسنا" میں لفظ نفس کو خود آنحضرت ﷺ پر اطلاق نہیں کیا جا سکتا ہے اور وہ قرائن حسب ذیل ہیں:

۱۔"انفسنا"جمع ہے اورہر فرد کے لئے نفس ایک سے زیادہ نہیں ہوتا ہے۔

۲۔جملہء (فقل تعالواندع) آنحضرت ﷺ کو اس کے حقیقی معنی میں دعوت دینے کا ذمہ دار قرار دیتا ہے اور حقیقی دعوت کبھی خودانسان سے متعلق نہیں ہوتی ہے،یعنی انسان خودکودعوت دے،یہ معقول نہیں ہے۔

اس بنائ پر،بعض لوگوں نے تصور کیاہے کہ"فطوّعت لہ نفسہ"یا"دعوت نفسی"جیسے استعمال میں "دعوت")دعوت دینا)جیسے افعال نفس سے تعلق پیدا کرتے ہیں۔یہ اس نکتہ کے بارے میں غفلت کانتیجہ ہے کہ یہاں پریا تو یہ"نفس"خودانسان اوراس کی ذات کے معنی میں استعمال نہیں ہواہے،یا"دعوت سے مراد"(دعوت دینا)حقیقی نہیں ہے۔بلکہ"فطوّعت لہ نفسہ قتل اخیہ"کی مثال میں نفس کامقصودانسان کی نفسانی خواہشات ہے اوراس جملہ کا معنی یوں ہے "اس کی نفسانی خواہشات نے اس کے لئے اپنے بھائی کوقتل کرناآسان کردیا"اور"دعوت نفسی"کی مثال میں مقصوداپنے آپ کوکام انجام دینے کے لئے مجبوراورآمادہ کرنا ہے اوریہاں پردعوت دینا اپنے حقیقی معنی میں نہیں ہے کہ جونفس سے متعلق ہو۔

۳۔"ندع"اس جہت سے کہ خودپیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مشتمل ہے اس لئے نفس پردلالت کرتا ہے اوریہ ضروری نہیں ہے،کہ دوسروں کودعوت دینے والا خودمباہلہ کا محورہو،اوروہ خودکوبھی دعوت دے دے۔

دوسرا محور:

مباہلہ میں اہل بیت رسول (ص) کے حاضر ہونے کا مقصد

پیغمبر اسلام ﷺ کو کیوں حکم ہوا کہ مباہلہ کرنے کے واسطے اپنے خاندان کو بھی اپنے ساتھ لائیں، جبکہ یہ معلوم تھا کہ مباہلہ دو فریقوں کے درمیان دعویٰ ہے اور اس داستان میں ایک طرف خود پیغمبر ﷺ اور دوسری طرف نجران کے عیسائیوں کے نمائندے تھے؟

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ کے نزدیک ترین رشتہ داروں کے میدان مباہلہ میں حاضر ہونے کا مقصد صرف آنحضرت ﷺ کی بات سچی ہونے اور ان کی دعوت صحیح ہونے کے سلسلہ میں لوگوں کو اطمینان ویقین دکھلانا تھا، کیونکہ انسان کے لئے اپنے عزیز ترین اشخاص کو اپنے ساتھ لانا صرف اسی صورت میں معقول ہے کہ انسان اپنی بات اور دعویٰ کے صحیح ہونے پر مکمل یقین رکھتا ہو۔ اور اس طرح کا اطمینان نہ رکھنے کی صورت میں گویا اپنے ہاتھوں سے اپنے عزیزوں کو خطرے میں ڈالنا ہے اور کوئی بھی عقلمند انسان ایسا اقدام نہیں کر سکتا۔

پیغمبر اکرم ﷺ کے تمام رشتہ داروں میں سے صرف چند اشخاص کے میدان مباہلہ میں حاضر ہونے کے حوالے سے یہ توجیہ صحیح نہیں ہو سکتی ہے، کیونکہ اس صورت میں اس خاندان کا میدان مباہلہ میں حاضر ہونا اور اس میں شرکت کرنا ان کے لئے کسی قسم کی فضیلت اور قدر ومنزلت کا باعث نہیں ہو سکتا ہے، جبکہ آیہء شریفہ اور اس کے ضمن میں بیان ہونے والی احادیث میں غور وخوض کرنے سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس ماجرا میں پیغمبر اسلام ﷺ کے ہمراہ جانے والوں کے لئے ایک بڑی فضیلت ہے۔

اہل سنت کے ایک بڑے عالم علامہ زمخشری کہتے ہیں:

"وفیه دلیل لاشیئ اقویٰ منه علی فضله اصحاب الکساء"[1]

"آیہء کریمہ میں اصحاب کساء) علیہم السلام) کی فضیلت پر قوی ترین دلیل موجود ہے"

آلوسی کا روح المعانی میں کہنا ہے:

"و دلالتها علی فضل آل الله و رسوله ﷺ ممّا لایمتری فیهامؤمن والنصب جازم الایمان"[2]

"آیہ کریمہ میں ال پیغمبر (ص) کہ جو آل اللہ ہیں ان کی فضیلت ہے اور رسول اللہ ﷺ کی فضیلت، ایسے امور میں سے ہے کہ جن پر کوئی مؤمن شک و شبہ نہیں کر سکتا ہے اور خاندان پیغمبر (ص) سے دشمنی اور عداوت ایمان کو نابود کردیتی ہے"

اگرچہ آلوسی نے اس طرح کی بات کہی ہے لیکن اس کے بعد میں آنے والی سطروں میں اس نے ایک عظیم فضیلت کو خاندان پیغمبر ﷺ سے موڑنے کی کوشش کی ہے۔[3]

اب ہم دیکھتے ہیں کہ خداوند متعال نے کیوں حکم دیا کہ اہل بیت علہیم السلام پیغمبر اکرم ﷺ کے ساتھ مباہلہ کرنے کے لئے حاضر ہوں؟ اس سوال کے جواب کے لئے ہم پھر سے آیہء شریفہ کی طرف پلٹتے ہیں ۔۔۔ (فقل تعالوا ندع أبناء ناو أبناء کم و نساء نا و نسائکم وأنفسنا وأنفسکم ثمّ نبتهل فنجعل لعنة الله علی الکاذبین)

آیہء شریفہ میں پہلے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے 'ابناء"، "نساء" اور "انفس" کو دعوت دینا اور پھر دعا کرنا اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت قرار دینا بیان ہوا ہے۔

۱۔ تفسیر الکشاف، ج۱، ص۳۷۰، دار الکتاب العربی، بیروت۔

۲۔ روح المعانی، ج۳، ص۱۸۹، داریٔ احیایٔ التراث العربی، بیروت۔

۳۔ اس کے نظریہ پر اعتراضات کے حصہ میں تنقید کریں گے۔

آیہء مباہلہ میں اہل بیت رسول)ص)کی فضیلت و عظمت کی بلندی

مفسرین نے کلمہ "ابتھال "کودعامیں تضرع یانفرین اور لعنت بھیجنے کے معنی میں لیاہے اوریہ دونوں معنی ایک دوسرے سے منا فات نہیں رکھتے ہیں اور "ابتھال "کے یہ دونوں معانی ہوسکتے ہیں۔

آیہء شریفہ میں دوچیزیں بیان کی گئی ہیں،ایک ابتھال جو "نبتھل "کی لفظ سے استفادہ ہوتاہے اوردوسرے "ان لوگوں پرخدا کی لعنت قراردیناجواس سلسلہ میں جھوٹے ہیں" (فنجعل لعنةالله علی الکاذبین) کاجملہ اس پردلالت کرتاہے اوران دونوں کلموں میں سے ہرایک کے لئے خارج میں ایک خاص مفہوم اورمصداق ہے دوسرا فقرہ جوجھوٹوں پرخداکی لعنت قراردیناہے پہلے فقرے ابتہال پر "فاء "کے ذریعہ کہ جو تفریع اور سببیت کے معنی میں ہے عطف ہے۔

لہذا،اس بیان کے پیش نظرپیغمبراکرم ﷺ اورآپ کے اہل بیت علیہم السلام کا تضرع)رجوع الی اللہ) ہے اورجھوٹوں پرخداکی لعنت اورعقوبت کامرتب ہونا اس کامعلول ہے،اوریہ ایک بلند مقام ہے کہ خداکی طرف سے کافروں کوہلاک کرنااورانھیں سزادیناپیغمبراسلام ﷺ اورآپ کے اہل بیت علیہم السلام کے ذریعہ انجام پائے۔یہ مطلب آنحضرت ﷺ کے اہل بیت)علیہم السلام)کی ولایت تکوینی کی طرف اشارہ ہے،جوخداوندمتعال کی ولایت کے برابر ہے۔

اگرکہاجائے کہ: (فنجعل لعنةالله) میں "فاء "اگرچہ ترتیب کے لئے ہے لیکن ایسے مواقع پر "فاء "کے بعدوالاجملہ اس کے پہلے والے جملہ کے لئے مفسرقرارپاتاہے اور وہ ترتیب کہ جس پر کلمہ "فاء "دلالت کرتا ہے وہ ترتیب ذکری ہے جیسے:

(ونادیٰ نوح ربّه فقال ربّ إنّ ابنی من أهلی))ہود/۴۵)

"اورنوح نے اپنے پروردگارکو آوازدی کہ پروردگارامیرافرزندمیری اہل سے ہے۔"

یہاں پرجملہ ء"فقال۔۔۔"جملہ "فنادیٰ"کو بیان)تفسیر) کرنے والا ہے۔جواب یہ ہے:

اولاً:جس پر کلمہ "فاء" دلالت کرتا ہے وہ ترتیب وتفریع ہے اور ان دونوں کی حقیقت یہ ہے کہ"جن دو جملوں کے درمیان "فاء" نے رابطہ پیدا کیا ہے، ان دونوں جملوں کا مضمون ہے کہ دوسرے جملہ کا مضمون پہلے جملہ پر مترتب ہے"

اور یہ "فاء" کا حقیقی معنی اور تفریع کا لازمہ ہے۔یعنی ترتیب ذکری پر "فاء" کی دلالت اس کے خارج میں دو مضمون کی ترتیب کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ لفظ اور کلام میں ترتیب ہے لہذا اگر اس پر کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو کلام کو اس پر حمل نہیں کر سکتے۔اس صورت میں ایہ ء شریفہ آنحضرت ﷺ کے خاندان کے لئے ایک عظیم مرتبہ پر دلالت رہی ہے کیونکہ ان کی دعا پیغمبر اسلام ﷺ کی دعا کے برابر ہے اور مجموعی طور پر یہ دعا اس واقعہ میں جھوٹ بولنے والوں پر ہلاکت اور عذاب الٰہی نازل ہونے کا باعث ہے۔

دوسرے یہ کہ: جملہ ء "فنجعل لعنۃ اللہ" میں مابعد "فاء" جملہ ء سابق یعنی "نبتھل" کے لئے بیّن اور مفسّر ہونے کی صلاحیت نہیںرکھتا ہے، کیونکہ دعا کرنے والے کا مقصد خدا سے طلب کرنا ہے نہ جھوٹوں پر لعنت کرنا۔اس صفت کے پیش نظر اس کو لعنت قرار دینا)جو ایک تکوینی امر ہے) پہلے پیغمبر اسلام (ص) اور آپکے اہل بیت علیہم السلام سے مستند ہے اور دوسرے "فاء" تفریع کے ذریعہ ان کی دعا پر متوقف ہے۔گویا اس حقیقت کا ادراک خود نجران کے عیسائیوں نے بھی کیا ہے۔اس سلسلہ میں ہم فخر رازی کی تفسیر میں ذکر کئے گئے حدیث کے ایک جملہ پر توجہ کرتے ہیں:

"۔۔۔فقال أسقف نجران: یامعشرالنصاریٰ! إنّی لأری وجوھاً لوسألو اللہ أن یزیل جبلاً من مکانہ لأزالہ بھا فلا تباھلوا فتھلکوا ولایبقی علی وجہ الأرض نصرانّی إلیٰ یوم القیامۃ۔"[1]

"نجران کے) عسائی)پادریان نورانی چہروں کودیکھ کرانتہائی متاثرہوئے اوربولے اے نصرانیو!میں ایسے چہروں کودیکھ رہاہوں کہ اگروہ خدا سے پہاڑ کے اپنی جگہ سے ٹلنے کاّ مطالبہ کریں تووہ ضرور اپنی جگہ سے کھسک جائیں گے۔اس لئے تم ان سے مباہلہ نہ کرنا،ورنہ ھلاک ہوجاؤگے اورزمین پرقیامت تک کوئی عیسائی باقی نہیں بچے گا۔"

غورکرنے سے معلوم ہوتاہے کہ آیہء شریفہ کے مضمون میں درج ذیل امورواضح طورپربیان ہوئے ہیں:

۱۔پیغمبراکرم (ص)،اپنے اہل بیت علیہم السلام کواپنے ساتھ لے آئے تاکہ وہ آپ کے ساتھ اس فیصلہ کن دعامیں شریک ہوں اورمباہلہ آنحضرت (ص)اورآپ کے اہل بیت علیہم السلام کی طرف سے مشترک طورپر انجام پائے تاکہ جھوٹوں پر لعنت اورعذاب نازل ہونے میں مؤثرواقع ہو۔

۲۔آنحضرت (ص)اورآپکے اہل بیت (ع)کاایمان ویقین نیزآپ کی رسالت اوردعوت کامقصد تمام لوگوں کے لئے واضح ہوگیا۔

۳۔اس واقعہ سے آنحضرت ﷺ کے اہل بیت علیہم السلام کابلندمرتبہ نیزاہل بیت کی آنحضرت ﷺ سے قربت دنیاوالوں پرواضح ہوگئی۔

اب ہم یہ دکھیں گے کہ پیغمبراسلام)ص)"ابنائنا")اپنے بیٹوں)"نسائنا")اپنی عورتوں)اور"انفسنا")اپنے نفسوں)میں سے کن کواپنے ساتھ لاتے ہیں؟

۱۔التفسیرالکبیر،فخررازی،ج۸،ص۸۰،داراحیائ التراث العربی۔

تیسرا محور

مباہلہ میں پیغمبر (ص) اپنے ساتھ کس کو لے گئے

شیعہ اور اہل سنّت کا اس پر اتفاق ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ مباہلہ کے لئے علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام کے علاوہ کسی اور کو اپنے ساتھ نہیں لائے۔ اس سلسلہ میں چند مسائل قابل غور ہیں:

الف: وہ احادیث جن میں پیغمبر ﷺ کے اہل بیت علیہم السلام کا میدان مباہلہ میں حاضر ہونا بیان کیا گیا ہے۔

ب: ان احادیث کا معتبر اور صحیح ہونا۔

ج۔ اہل سنّت کی بعض کتابوں میں ذکر ہوئی قابل توجہ روایتیں۔

مباہلہ میں اہل بیت رسول (ص) کے حاضر ہونے کے بارے میں حدیثیں ۱۔ اہل سنّت کی حدیثیں:

چونکہ اس کتاب میں زیادہ تر روئے سخن اہل سنّت کی طرف ہے لہذا اکثر انھیں کے منابع سے احادیث نقل کی جائیں گی۔ نمونہ کے طور پر اس حوالے سے چند احادیث نقل کی جا رہی ہیں:

پہلی حدیث:

صحیح مسلم [1] سنن ترمذی [2] اور مسند احمد [3] میں یہ حدیث نقل ہوئی ہے جس کی متفق اور مسلم لفظیں یہ ہیں:

۱۔ صحیح مسلم، ج۵، ص۲۳ کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل علی بن ابیطالب، ح۳۲، موسسۃ عزالدین للطباعۃ والنشر

۲۔ سنن ترمذی، ج۵، ص۵۶۵ دار الفکر ۳۔ مسند احمد، ج۱، ص۱۸۵، دار صادر، بیروت

‘‘حدثنا قتيبة بن سعيد و مُحَّد بن عباد قالا: حدثنا حاتم)و هو ابن اسماعيل) عن بكير بن مسمار، عن عامر بن سعد بن ا بی وقاص، عن ا بیه، قال: ا مر معاويه بن ا بی سفيان سعداً فقال: ما منعک ا ن تسب ا با التراب؟ فقال: ا ماّ ما ذكرتُ ثلاثاً قالهنّ له رسوالله ﷺ فلن ا سبّه لا ن تكون لی واحدة منهنّ ا حبّ إلیّ من حمرالنعم

سمعت رسول للہ ﷺ يقول له لماّ خلّفه فی بعض مغازيه فقال له علیّ: يا رسول الله، خلّفتنی مع النساء والصبيان؟ فقال له رسول الله (ص):ا ما ترضی ا ن تكون منّی بمنزلة هارون من موسی إلاّ انه لانبوة بعدی؟

و سمعته يقول يوم خيبر: لأُعطيّن الراية رجلاً يحبّ الله و رسوله و يحبّه الله و رسوله قال: فتطاولنا لها فقال: اُدعو الی علياً فأُتی به ا رمد، فبصق فی عينه ودفع الراية إليه،ففتح الله عليه

ولماّنزلت هذه الاية (فقل تعا لواندع ابنائناوابنائكم) دعا رسول الله-صلی الله عليه وسلم — علياًوفاطمةوحسناًوحسيناً فقال:اللّهمّ هؤلائ ا هلی’’

‘‘قتیبہ بن سعید اور محمد بن عبادنے ہمارے لئے حدیث نقل کی،-- عامر بن سعد بن ابی وقاص سے اس نے اپنے باپ)سعد بن ابی وقاص)سے کہ معاویہ نے سعد کو حکم دیا اور کہا: تمھیں ابوتراب)علی بن ابیطالب علیہ السلام)کو دشنام دینے اور برا بھلا کہنے سے کونسی چیز مانع ہوئی)سعد نے)کہا:مجھے تین چیزیں)تین فضیلتیں)یادہیں کہ جسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا ہے،لہذامیں انھیں کبھی بھی برا بھلا نہیں کہوں گا۔اگر مجھ میں ان تین فضیلتوں میں سے صرف ایک پائی جاتی تووہ میرے لئے سرخ اونٹوں سے محبوب ترہوتی:

۱۔میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سنا ہے ایک جنگ کے دوران انھیں)حضرت علی علیہ السلام)مدینہ میں اپنی جگہ پر رکھا تھا اور علی(علیہ السلام) نے کہا:یارسول اللہ!کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ مدینہ میں چھوڑرہے ہیں؟)آنحضرت (ص) نے) فرمایا:کیا تم اس پرراضی نہیں ہوکہ میرے ساتھ تمہاری نسبت وہی ہوجو ہارون کی)حضرت)موسی)علیہ السلام) کے ساتھ تھی،صرف یہ کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہو گا؟

۲۔میں نے)رسول خدا (ص))سے سنا ہے کہ آپ نے روز خیبر علی کے بارے میں فرمایا:بیشک میں پرچم اس شخص کے ہاتھ میں دوں گا جو خدا ورسول (ص)کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسول (ص)اس کو دوست رکھتے ہیں۔)سعد نے کہا):ہم)اس بلند مرتبہ کے لئے)سر اٹھا کر دیکھ رہے تھے)کہ آنحضرت ﷺ اس امر کے لئے ہمیں مقرر فرماتے ہیںیانہیں؟)اس وقت آنحضرت (ص) نے فرمایا: علی (علیہ السلام) کو میرے پاس بلاؤ۔ علی (علیہ السلام) کو ایسی حالات میں آپکے پاس لایا گیا، جبکہ ان کی آنکھوں میں درد تھا،آنحضرت (ص) نے اپنا آب دہن ان کی آنکھوں میں لگایا اور پرچم ان کے ہاتھ میں تھمادیا اور خدائے متعال نے ان کے ذریعہ سے مسلمانوں کو فتح عطا کی۔

۳۔جب یہ آیہء شریفہ نازل ہوئی (: قل تعالو اندع أبناء نا و أبنائكم و نسائنا و نسائكم و أنفسنا و أنفسكم) ۔۔۔تو پیغمبر اکرم (ص)نے علی،فاطمہ،حسن اور حسین) علیہم السلام)کو بلا کر فرمایا:خدایا!یہ میرے اہل بیت ہیں۔"

اس حدیث سے قابل استفادہ نکات:

۱۔حدیث میں جو آخری جملہ آیا ہے:"اللھم ھؤلاء اھلی"خدایا!یہ میرے اہل ہیں،اس بات پردلالت کرتا ہے "ابناء""نساء"اور"انفس"جو آیہء شریفہ میں ائے ہیں،وہ اس لحاظ سے ہے کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل ہیں۔

۲۔"ابناء""نساء"و"انفس"میں سے ہرایک جمع مضاف ہیں)جیساکہ پہلے بیان کیاگیا)اس کا اقتضایہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کواپنے خاندان کے تمام بیٹوں، عورتوں اور وہ ذات جو آپ کا نفس کہلاتی تھی، سب کومیدان مباہلہ میں لائیں،جبکہ آپ نے"ابناء"میں سے صرف حسن و حسینؑعلیہما السلام کواور"نساء"سے صرف حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہاکواور"انفس"سے صرف حضرت علی علیہ السلام کواپنے ساتھ لایا۔اس مطلب کے پیش نظرجوآپ نے یہ فرمایا:"خدایا،یہ میرے اہل ہیں"اس سے معلوم ہوتاہے کہ آنحضرت ﷺ کے اہل صرف یہی حضرات ہیں اورآنحضرت ﷺ کی بیویاں اس معنی میں اپکے اہل کے دائرے سے خارج ہیں۔

۳۔"اہل"اور"اہل بیت"کے ایک خاص اصطلاحی معنی ہیں جوپنجتن پاک کہ جن کوآل عبااوراصحاب کساء کہاجاتاہے،ان کے علاوہ دوسروں پر اس معنی کا اطلاق نہیں ہوتاہے۔یہ مطلب،پیغمبراسلام ﷺ کی بہت سی احادیث سے کہ جو آیہء تطہیر کے ذیل میں ذکرہوئی ہیں اور اس کے علاوہ دوسری مناسبتوں سے بیان کی ہیں گئی بخوبی استفادہ کیا جاسکتاہے۔

دوسری حدیث:

فخررازی نے تفسیرکبیرمیں ایہء مباہلہ کے ذیل میں لکھاہے:

"روی أنّه - علیه السلام - لماّ أورد الدلائل علی نصاری نجران،ثمّ إنّهم أصروا علی جهلهم، فقال - علیه السلام - إنّ الله أمرنی إن لم تقبلوا الحجّة أن أباهلکم فقالوا: یا أبا القاسم، بل نرجع فننظر فی أمرنا ثمّ نأتیک

فلمّا رجعوا قالوا للعاقب - وکان ذارأیهم - :یا عبدالمسیح، ماتری؟ فقال: و الله لقد عرفتم یا معشر النصاری أنّ مُحَمّداً نبیّ مرسل و لقد جاءکم بالکلام الحق فی أمر صاحبکم و الله ما باهل قوم نبیاً قط فعاش کبیرهم و لا نبت صغیرهم! و لئن فعلتم لکان الا ستئصال ، فإن أبیتم إلاّ الإصرار علی دینکم و الإقامة علی ما أنتم علیه فوادعوا الرجل و انصرفوا إلی بلادکم

و كان رسول الله (ص) خرج وعليه مرط من شعرأسود، وكان قد احتضن الحسين وأخذ بيد الحسن، و فاطمه تمشي خلفه وعلی - عليه السلام - خلفها، و هو يقول:إذا دعوت فأمّنوا فقال أسقف نجران: يا معشر النصارى! إنّي لأرى وجوهاً لو سألوا الله أن يزيل جبلاً من مكانه لأزاله بها! فلا تباهلوا فتهلكوا، و لا يبقى على وجه الأض نصرانيّ إلى يوم القيامة ثمّ قالوا: يا أبا القاسم! رأينا أن لا نباهلک و أن نقرّک على دينک فقال:- صلوات الله عليه - فإذا أبيتم المباهلة فاسلموا يکن لکم ما للمسلمين، و عليکم ما على المسلمين، فأبوا، فقال: فإنيّ أُناجزکم القتال، فقالوا مالنا بحرب العرب طاقة، ولكن نصالک على أن لا تغزونا و لاتردّنا عن ديننا على أن نؤدّى إليک فی کل عام ألفی حلّة:ألفاً فی صفر و ألفافي رجب، و ثلاثين درعاً عادية من حديد، فصالحهم على ذلكوقال: والّذی نفسی بيده إنّ الهلاک قد تدلّی على أهل نجران، ولولاعنوالمسخوا قردة و خنازير و لاضطرم عليهم الوادی ناراً ولاستأ صل الله نجران وأهله حتی الطير على رؤس الشجر و لما حالا لحوال على النصارى کلّهم حتی يهلکوا و روی أنّه - عليه السلام -لمّ خرج فی المرط الأسود فجاء الحسن -عليه السلام - فأدخله، ثمّ جائ الحسين -عليه السلام - فأدخله ،ثمّ فاطمة - عليها السلام - ثمّ علی - عليه السلام - ثمّ قال: (إنّما يريد الله ليذهب عنکم الرجس اهل البيت و يطهّرکم تطهيراً) واعلم أنّ هذه الرواية کالمتّفق على صحّتها بين أهل التّفسير والحديث"[1]

"جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں پر دلائل واضح کردئے اور انہوں نے اپنی نادانی اور جہل پر اصرار کیا، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: خدائے متعال نے مجھے حکم دیا ہے اگر تم لوگوں نے دلائل کو قبول نہیں کیا تو تمہارے ساتھ مباہلہ کروں گا۔") انہوں نے) کہا: اے ابا القاسم! ہم واپس جاتے ہیں تاکہ اپنے کام کے بارے میں غور وفکر کرلیں، پھر آپکے پاس آئیں گے۔

۱۔ تفسیر کبیر فخر رازی، ج۸، ص،۸، داراحیائ التراث العربی۔

جب وہ) اپنی قوم کے پاس) واپس چلے گئے، انھوں نے اپنی قوم کے ایک صاحب نظر کہ جس کا نام "عاقب" تھا اس سے کہا: اے عبدالمسیح! اس سلسلہ میں آپ کا نظریہ کیا ہے؟ اس نے کہا: اے گروہ نصاریٰ! تم لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پہنچانتے ہو اور جانتے ہو وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اور آپ کے صاحب) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے بارے میں حق بات کہتے ہیں۔ خدا کی قسم کسی بھی قوم نے اپنے پیغمبر سے مباہلہ نہیں کیا، مگر یہ کہ اس قوم کے چھوٹے بڑے سب ہلاک ہو گئے ۔چنانچہ اگر تم نے ان سے مباہلہ کیا تو سب کے سب ہلاک ہوجاؤ گے۔ اس لئے اگر اپنے دین پر باقی رہنے کے لئے تمھیں اصرار ہے تو انہیں چھوڑ کر اپنے شہر واپس چلے جاؤ۔ پیغمبر اسلام (ص)) مباہلہ کے لئے) اس حالت میں باہر تشریف لائے کہ حسین (علیہ السلام) آپکی آغوش میں تھے، حسن (علیہ السلام) کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، فاطمہ (سلام اللہ علیہا) آپکے پیچھے اور علی (علیہ السلام) فاطمہ کے پیچھے چل رہے تھے۔ آنحضرت (ص) فرماتے تھے: "جب میں دعا مانگوں تو تم لوگ آمین کہنا" نجران کے پادری نے کہا: اے گروہ نصاریٰ! میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر خدا سے دعا کریں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو وہ اپنی جگہ چھوڑ دے گا ۔ لہٰذا ان کے ساتھ مباہلہ نہ کرنا، ورنہ تم لوگ ہلاک ہوجاؤ گے اور روی زمین پر قیامت تک کوئی عیسائی باقی نہیں بچے گا۔ اس کے بعد انہوں نے کہا: اے اباالقاسم! ہمارا ارادہ یہ ہے کہ آپ سے مباہلہ نہیں کریں گے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اب جبکہ مباہلہ نہیں کر رہے ہو تو مسلمان ہوجاؤ تاکہ مسلمانوں کے نفع ونقصان میں شریک رہو۔ انہوں نے اس تجویز کو بھی قبول نہیں کیا۔

آنحضرت (ص) نے فرمایا: اس صورت میں تمھارے ساتھ ہماری جنگ قطعی ہے۔ انہوں نے کہا: عربوں کے ساتھ جنگ کرنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے۔ لیکن ہم آپ کے ساتھ صلح کریں گے تاکہ آپ ہمارے ساتھ جنگ نہ کریں اورہمیں اپنا دین چھوڑنے پر مجبور نہ کریں گے، اس کے بدلہ میں ہم ہر سال آپ کو دوہزار لباس دیں گے، ایک ہزار لباس صفر کے مہینہ میں اور ایک ہزار لباس رجب کے مہینہ میں اور تیس ہزار آہنی زرہ ادا کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس تجویز کو قبول کر لیا اس طرح ان کے ساتھ صلح کرلی۔ اس کے بعد فرمایا: قسم اس خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اہل نجران نابودی کے دہانے پرپہونچ چکے تھے، اگر مباہلہ کرتے تو بندروں اور سوروں کی شکل میں مسخ ہوجاتے اور جس صحرا میں سکونت اختیار کرتے اس میں آگ لگ جاتی اور خدا وندمتعال نجران اوراس کے باشندوں کو نیست و نابود کر دیتا، یہاں تک کہ درختوں پر موجود پرندے بھی ہلاک ہوجاتے اور ایک سال کے اندراندر تمام عیسائی صفحہء ہستی سے مٹ جاتے۔ روایت میں ہے کہ جب پیغمبر اکرم (ص)، اپنی پشمی کالی رنگ کی عبا پہن کر باہر تشریف لائے) اپنے بیٹے) حسن (علیہ السلام) کو بھی اس میں داخل کر لیا، اس کے بعد حسین (علیہ السلام) آگئے انہیں بھی عبا کے نیچے داخل کیا اس کے بعد علی و فاطمہ) علیہما السلام) تشریف لائے اس کے بعد فرمایا: (إنّمایریداللہ) ۔۔۔۔ "پس اللہ کا ارادہ ہے اے اہل بیت کہ تم سے ہر طرح کی کثافت وپلیدی سے دور رکھے اوراس طرح پاک وپاکیزہ رکھے جو پاک وپاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔" علامہ فخر رازی نے اس حدیث کی صحت و صداقت کے بارے میں کہا ہے کہ تمام علماء تفسیر و احادیث کے نزدیک یہ حدیث متفق علیہ ہے۔"

حدیث میں قابل استفادہ نکات:

اس حدیث میں درج ذیل نکات قابل توجہ ہیں:

۱۔اس حدیث میں رسول ﷺ کے اہل بیت کا حضور اس صورت میں بیان ہوا ہے کہ خود آنحضرت ﷺ آگے آگے) حسین علیہ السلام) کو گود میں لئے ہوئے ، حسن (علیہ السلام) کا ہاتھ پکڑے ہوئے جو حسین (علیہ السلام) سے قدرے بڑے ہیں اور آپکی بیٹی فاطمہ سلام اللہ علیہا آپکے پیچھے اور ان کے پیچھے (علیہ السلام) ہیں۔یہ کیفیت انتہائی دلچسپ اور نمایاں تھی۔کیونکہ یہ شکل ترتیب آیہء مباہلہ میں ذکر ہوئی ترتیب و صورت سے ہم آہنگ ہے۔اس ہماہنگی کا درج ذیل ابعاد میں تجزیہ کیا جا سکتا ہے:

الف: ان کے آنے کی ترتیب وہی ہے جو آیہء شریفہ میں بیان ہوئی ہے۔یعنی پہلے "ابناء نا" اس کے بعد "نسائنا" اور پھر آخر پر "انفسنا" ہے۔

ب: یہ کہ رسول خدا ﷺ اپنے چھوٹے فرزند حسین بن علی علیہما السلام کو آغوش میں لئے ہوئے اور اپنے دوسرے فرزند خورد سال حسن بن علی علیہما السلام کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں، یہ آیہء شریفہ میں بیان ہوئے "بناء نا" کی عینی تعبیر ہے۔

ج۔بیچ میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا قرار پانا اس گروہ میں "نساء نا" کے منحصر بہ فرد مصداق کے لئے آگے اور پیچھے سے محافظ قرار دیا جانا، آیہء شریفہ میں "نساء نا" کی مجسم تصویر کشی ہے۔

۲۔اس حدیث میں پیغمبر اکرم (ص) نے اپنے اہل بیت علیہم السلام سے فرمایا: اذادعوت فأ منوا" یعنی: جب میں دعا کروں تو تم لوگ آمین [1] کہنا اور یہ وہی

۱۔دعا کے بعد آمین کہنا، خدا متعال سے دعا قبول ہونے کی درخواست ہے۔

چیزہے جوآیہء مباہلہ میں ائی ہے: (نبتهل فنجعل لعنةالله على الكاذبين)

یہاں پر"ابتھال")دعا)کوصرف پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت دی گئی ہے،بلکہ"ابتھال"پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے دعاکی صورت میں اورآپ کے ہمراہ آئے ہوئے اعزّہ واقرباکی طرف سے آمین کہنے کی صورت میں محقق ہونا چاہئے تاکہ)اس واقعہ میں)جھوٹوں پرہلاکت اورعقوبت الٰہی واقع ہونے کاسبب قرارپائے،جیساکہ گزر چکا ہے۔

۳۔گروہ نصارٰی کی طرف سے اہل بیت علیہم السلام کی عظمت وفضیلت کا اعتراف یہاں تک کہ ان کے نورانی ومقدس چہروں کو دیکھنے کے بعد مباہلہ کرنے سے انکار کر دیا۔

تیسری حدیث:

ایک اورحدیث جس میں "ابنائنا"، "نسائنا"اور"انفسنا"کی لفظیں صرف علی،فاطمہ،حسن اورحسین علیہم السلام پر صادق آتی ہیں،وہ حدیث"مناشدیوم الشوری" ہے۔اس حدیث میں امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام،اصحاب شوریٰ)عثمان بن عفان،عبدالرحمن بن عوف،طلحہ،زبیراورسعدبن ابی وقاص) سے کہ جس دن یہ شورٰی تشکیل ہوئی اورعثمان کی خلافت پرمنتج وتمام ہوئی،اپنے فضائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔اس طرح سے کہ ان تمام فضیلتوں کو یاد دلاتے ہوئے انہیں خداکی قسم دیتے ہیں اور ان تمام فضیلتوں کو اپنی ذات سے مختص ہونے کاان سے اعتراف لیتے ہیں۔حدیث یوں ہے:

"أخبر نا أبو عبد الله مُحَّد بن إبرهم، أنا ابوالفضل أحمد بن عبدالمنعم بن أحمد ابن بندار، أنا أبوالحسن العتيقى، أنا أبوالحسن الدارقطنى، أنا أحمد بن مُحَّد بن سعيد، أنا يحى بن ذكريا بن شيبان، أنا يعقوب بن سعيد، حدثنى مثنى أبو عبدالله،عن سفيان الشورى، عن أبن إسحاق السبيعى، عن عاصم بن ضمرةوهبيرة و عن العلاء بن صالح، عن المنهال بن عمرو، عن عبادبن عبدالله الأسدى و عن عمروبن و اثلة قالوا: قال علىّ بن أبى طالب يوم الشورى: والله لأحتجنّ عليهم بمالايستطيع قُرَشيّهم و لا عربيّهم و لا عجميّهم ردّه و لا يقول خلافه ثمّ قال لعثمان بن عفان ولعبدالرحمن بن عوف و الزبير و لطلحة وسعد - و هن أصحاب الشورى و كلّهم من قريش، و قد كان قدم طلحة - أُنشدكم بالله الذى لا إله إلّاهو، أفيكم أحد وحّد الله قبلى؟ قالوا:اللّهمَّ لا قال: أنشدكم بالله، أفيكم أحد أخو رسول الله - صلى الله عليه وسلم - غيرى، إذ آخى بين المؤمنين فأخى بينى و بين نفسه و جعلنى منه بمنزلة هارون من موسى إلّا أنى لست بنبيٍّ؟قالوا:لاقال:أنشدكم بالله،أفيكم مطهَّرغيرى،إذسدّ رسول الله ﷺ أبوابكم و فتح بابى و كنت معه فى مساكنه ومسجده؟ فقام إليه عمّه فقال: يا رسول الله، غلّقت أبوابنا و فتحت باب علىّ؟ قال: نعم، الله أمر بفتح با به وسدّ أبوابكم !!! قالوا:اللّهمّ لا قال: نشدتكم بالله، أفيكم أحد أحب إلى لله و إلى رسوله منّى إذ دفع الراية إلىّ يوم خير فقال : لأعطينّ الراية إلى من يحبّ الله و رسوله و يحبّه الله و رسوله، و يوم الطائر إذ يقول: " اللّهمّ ائتنى بأحب خلقك إليک يأكل معى"، فجئت فقال: " اللّهمّ و إلى رسولک ، اللّهمّ و إلى رسولک"

غیری؟ [1] قالوا:اللّهمّ لا قال:نشدتکم باللہ، أفیکم أحد قدم بین یدی نجواه صدقة غیری حتی رفع اللہ ذلک الحکم؟ قالوا: اللّهمّ لاقال:نشدتکم باللہ، أفیکم من قتل مشرکی قریش و العرب فی اللہ و فی رسوله غیری؟ قالوا:اللّهمّ لاقال: نشدتکم باللہ، أفیکم أحد دعا رسول اللہ ﷺ فیالعلم و أن یکون أُذنه الو اعیة مثل ما دعالی؟ قالوا: اللّهمّ لا قال: نشدتکم باللہ، هل فیکم أحد أقرب إلی رسول اللہ ﷺ فی الرحم و من جعله و رسول اللہ ﷺ نفسه و إبناء أنبائه وغیری؟ قالوا:اللّٰهم لا''[2]

اس حدیث کومعاصم بن ضمرةوہبیرةاور عمروبن وائلہ نے حضرت)علی علیہ السلام) سے روایت کی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے شوریٰ کے دن یوں فرمایا:

"خداکی قسم بیشک میں تمہارے سامنے ایسے استدلال پیش کروں گاکہ اھل عرب و عجم نیز قریش میں سے کوئی شخص بھی اس کومسترد نہیں کرسکتااور نہ ھی اس کے خلاف کچھ کہہ سکتا ہے۔میں تمھیں اس خداکی قسم دلاتاہوں جس کے سوا کوئی خدانہیں ہے،کیاتم لوگوں میں کوئی ایسا ہے جس نے مجھ سے پہلے خدائے واحدکی پرستش کی ہو۔؟ انہوں نے کہا: خدا شاہد ہے! نہیں۔ آپ(ع) نے فرمایا: تمھیں خداکی قسم ہے،کیاتم لوگوں میں میرے علاوہ کوئی ہے،جورسول ﷺ کا بھائی ہو،جب)آنحضرت (ص)نے)مؤمنین کے درمیان اخوت اوربرادری برقرارکی،اورمجھے اپنا بھائی بنایااور میرے بارے

۱۔شائد مقصودیہ ہوکہ "خداوندا!تیرے پیغمبر(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)کے نزدیک بھی محبوب ترین مخلوق علی)علیہ السلام ہیں۔"

۲۔تاریخ مدینہ دمشق،ج۴۲،ص۴۳۱،دارالفکر

میں یہ ارشاد فرمایا کہ: "تمہاری نسبت مجھ سے ویسی ہی جیسے ہارون کی موسی سے تھی سوائے اس کے کہ میں نبی نہیں ہوں "۔
انہوں نے کہا: نہیں۔ فرمایا: تمھیں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ کیا میرے علاوہ تم لوگوں میں کوئی ایسا ہے جسے پاک وپاکیزہ قرار دیا گیا ہو، جب کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمھارے گھروں کے دروازے مسجد کی طرف بند کردئیے تھے اور میرے گھر کا دروازہ کھلا رکھا تھا اور میں مسکن و مسجد کے سلسلہ میں انحضرت (ص) کے ساتھ) اور آپ کے حکم میں)تھا چچا) حضرت) عباس اپنی جگہ اٹھے اور کہا: اے اللہ کے رسول ! ہمارے گھروں کے دروازے بند کر دئیے اور علی) علیہ السلام)کے گھر کا دروازہ کھلا رکھا؟

پیغمبر ﷺ نے فرمایا: یہ خدائے متعال کی طرف سے ہے کہ جس نے ان کے دروازہ کو کھلا رکھنے اور آپ لوگوں کے دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا؟

انہوں نے کہا: خدا شاہد ہے، نہیں۔ فرمایا: تمھیں خدا کی قسم دلاتا ہوں، کیا تمہارے درمیان کوئی ہے جسے خدا اور رسول مجھ سے زیادہ دوست رکھتے ہوں، جبکہ پیغمبر (ص) نے خیبر کے دن علم اٹھا کر فرمایا "بیشک میں علم اس کے ہاتھ میں دونگا جو خدا اور رسول ﷺ کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسول اس کو دوست رکھتے ہیں" اور جس دن بھنے ہوئے پرندہ کے بارے میں فرمایا: "خدایا! میرے پاس اس شخص کو بھیج جسے تو سب سے زیادہ چاھتا ہے تاکہ وہ میرے ساتھ کھانا کھائے۔" اور اس دعا کے نتیجہ میں، میں آگیا۔ میرے علاوہ کون ہے جس کے لئے یہ اتفاق پیش آیا ہو؟

انہوں نے کہا: خدا شاہد ہے، نہیں۔

فرمایا: تمھیں خدا کی قسم دلاتا ہوں، کیا تم لوگوں میں میرے علاوہ کوئی ہے، جس نے پیغمبر سے سرگوشی سے پہلے صدقہ دیا ہو، یہاں تک کہ خدائے وند متعال نے اس حکم کو منسوخ کر دیا؟

انہوں نے کہا۔ خدا شاہد ہے نہیں۔

فرمایا: تمھیں خدا کی قسم ہے، کیا تم لوگوں میں میرے علاوہ کوئی ہے، جس نے قریش اور عرب کے مشرکین کو خدا اور اس کے رسول (ص) کی راہ میں قتل کیا ہو؟

انہوں نے کہا: خدا گواہ ہے، نہیں۔

فرمایا: تمھیں خدا کی قسم ہے، کیا تم لوگوں میں میرے علاوہ کوئی ہے، جس کے حق میں پیغمبر اکرم (ص)) افزائش) علم کے سلسلہ میں دعا کی ہو اور اذن واعیہ) گوش شنوا) کا خدا سے مطالبہ کیا ہو، جس طرح میرے حق میں دعا کی؟ انہوں نے کہا: خدا گواہ ہے، نہیں۔ فرمایا: تمھیں خدا کی قسم ہے، کیا تم لوگوں میں کوئی ہے جو پیغمبر اکرم (ص) سے رشتہ داری میں مجھ سے زیادہ نزدیک ہو اور جس کو پیغمبر خدا (ص) نے اپنا نفس، اس کے بیٹوں کو اپنے بیٹے کہا ہو؟ انہوں نے کہا: خدا گواہ ہے، نہیں۔"

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اس حدیث میں مباہلہ میں شریک ہونے والے افراد، کہ جنھیں پیغمبر اکرم (ص) اپنے ساتھ لائے تھے وہ، علی، فاطمہ، حسن، وحسین) علیہم السلام) کی ذات تک محدود ہیں۔

حدیث کا معتبر راور صحیح ہونا:

اہل سنت کی احادیث کے بارے میں ہم صرف مذکورہ احادیث ہی پر اکتفا کرتے ہیں، اور ان احادیث کے مضمون کی صحت کے بارے میں یعنی مباہلہ میں صرف پنجتن آل عبا) پیغمبر کے علاوہ علی، فاطمہ حسن وحسین علیہم السلام) ہی شامل تھے اس حوالے سے صرف حاکم نیشابوری کے درج ذیل مطالب کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

وہ اپنی کتاب "معرفۃعلوم الحدیث "[1] میں پہلے آیہء مباہلہ کے نزول کو ابن عباس سے نقل کرتا ہے اور وہ انفسنا سے حضرت علی علیہ السلام، "نسائنا" سے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اور "ابناء نا" سے حسن وحسین علیہما السلام مراد لیتا ہے۔ اس کے بعد ابن عباس اور دوسروں سے اس سلسلہ میں نقل کی گئی روایتوں کو متواتر جانتے ہوئے کہ اہل بیت(ع) کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس فرمائش: "هؤلاءِ أبنائناوأنفسنا ونسائنا" کے سلسلہ میں یاددہانی کراتا ہے۔

چنانچہ اس باب میں اصحاب کے ایک گروہ جیسے جابربن عبداللہ، ابن عباس اور امیرالمؤمنین کے حوالے سے مختلف طرق سے احادیث نقل ہوئی ہیں، اس مختصرکتاب میں بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے، اس لئے ہم حاشیہ میں بعض ان منابع کی طرف اشارہ کرنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں[2]

۱۔ معرفۃعلوم الحدیث، ص۵۰، دارالکتب العلمیۃ، بیروت

۲۔ احکام القرآن / جصاص /ج ۲/ ص۱۴دارالکتاب العربی بیروت، اختصاص مفید/ ص۵۶/ من منشورات جماعۃ المدرسین فی الحوزۃ العلمیۃ، اسباب النزول / ص۶۸/ دارالکتب العلمیۃ بیروت، اسد الغابۃ/ ج۴/ ص۲۵/ داراحیائ التراث العربی بیروت الا صابہ /ج۲/ جزء ۴/ ص۲۷۱، البحر المحیط/ ج۳/ ص۴۷۹/ داراحیائ التراث العربی بیروت، البدایۃ والنھایۃ/ ج۵/ ص۴۹ دارالکتب العلمیۃ بیروت، البرھان/ ج۱/ ص۲۸۹/ مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان، التاج الجامع للاصول/ ج۳/ ص۳۳۳/ داراحیاء التراث العربی بیروت، تاریخ مدینہ دمشق/ ج۴۲/ ص۱۳۴/ دارالفکر، تذکرہ خواص الامۃ/ ص۱۷/ چاپ نجف، تفسیر ابن کثیر/ ج۱/ ص۳۷۸/ دارالنعرفۃ بیروت، تفسیر بیضاوی/ ج۱/ ص۱۶۳/ دارالکتب العلمیۃ بیروت، تفسیرخازن) الباب التاویل) /ج۱/ ص۲۳۶/ دارالفکر، تفسیر المرازی/ ج۸/ ص۸۰/ داراحیاء التراث العربی بیروت، تفسیر السمرقندی) بحرالعلوم)/ ج ا ص/ ۲۷۴دارالکتب العلمیۃ بیروت، تفسیر طبری/ ج۳/ ص۳۰۱۔ ۲۹۹/ دالفکر، تفسیر طنطاوی/ ج۲/ ص۱۳۰/ دارالمعارف القاہرۃ، تفسیر علی بن ابراہیم قمی/ ج۱/ ص۱۰۴، تفسیر الماوردی/ ج۱/ ص۳۸۹و۳۹۹/ مؤسسۃ ظالکتب الثقافیۃ/ دارالکتب العلمیۃ بیروت، التفسیر المنیر/ ج۳/ ص۲۴۵، ۲۴۸، ۲۴۹/ دارالفکر، تفسیرالنسفی) در حاشیہئ خازن)/ ج۱/ ص۲۳۶/ دارالفکر، تفسیر النیشابوری/ ج۳/ ص۲۱۳/ دارالمعرفۃ بیروت، تلخیص المستدرک/ ج۳/ ص۱۵۰/ دارالمعرفۃ بیروت، جامع احکام القرآن/ قرطبی/ ج۴/ ص۱۰۴/ دارالفکر، جامع الاصول/ ج۹/ ص۴۶۹داراحیاء التراث العربی، الجامع الصحیح للترمذی/ ج۵/ ص۵۹۶/ دارالفکر، الدرالمنثور/ ج۲/ ص۲۳۳۔ ۲۳۰/ دارالفکر، دلائل النبوۃ ابونعیم اصفہانی/ ص۲۹۷، ذخائر العقبی/ ص۲۵/ مؤسسۃالوفائ بیروت، روح المعانی/ ج۳/ ص۱۸۹/ داراحیائ التراث العربی، الریاض النضرۃ/ ج۳/ ص۱۳۴/ دارالندوۃ الجدید بیروت، زادالمسیر فی علم التفسیر/ ج۱/ ص۳۳۹/ دارالفکر، شواہد التنزیل/ حاکم حسکانی/ ج۱/ ص۱۶۷۔ ۱۵۵/ مجمع احیائ الثقافۃ الاسلامیۃ، صحیح مسلم/ ج۵/ ص۲۳/ کتاب فضائل الصحابۃ/ باب فضائل علی بن ابی طالب/ ح۳۲/ مؤسسۃ عزّالدین، الصواعق المحرقۃ/ ص۱۴۵/ مکتبۃ القاہرۃ، فتح القدیر/ ج۱/ ص۳۱۶/ ط مصر) بہ نقل احقاق)، فرائد السمطین/ ج۲/ ص۲۴، ۲۳/ مؤسسۃالمحمودیبیروت، الفصول المہمۃ/ ص۲۵۔ ۱۲۶، ۲۳۔ ۱۲۷/ منشورات الاعلمی، کتاب التسہیل لعلوم التنزیل/ ج۱/ ص۱۰۹/ دارالفکر، الکشاف/ ج۱/ دارالمعرفۃ بیروت، مدارج النبوۃ/ ص۵۰۰ بمبئی) بہ نقل احقاق)، المستدرک علی الصحیحن/ ج۳/ ص۱۵۰/ دارالعرفۃبیروت، مسند احمد/ ج۱/ ص۱۸۵/ دار صادر بیروت، مشکوۃالمصابیح/ ج۳/ ص۱۷۳۱/ المکتب الاسلامی، مصابیح السنۃ/ ج۴/ ص۱۸۳/ دارالمعرفۃ بیروت، مطالب السئول/ ص۷/ چاپ تہران، معالم التنزیل/ ج۱/ ص۴۸۰/ دارالفکر، معرفۃ اصول الحدیث/ ص۵۰/ دارالکتب العلمیۃ بیروت، مناقب ابن مغازلی/ ص۲۶۳/ المکتبۃ الاسلامیۃ تہران

۲۔شیعہ امامیہ کی احادیث

شیعہ روایتوں میں بھی اس واقعہ کے بارے میں بہت سی فراوان احادیث موجودہیں،یہاں پرہم ان میں سے چنداحادیث کونمونہ کے طورپرذکرکرتے ہیں:

پہلی حدیث

امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ،جب نجران کے عیسائی پیغمبراسلام ﷺ کے پاس آئے،ان کی نمازکا وقت ہو گیاوہیں پرگھنٹی بجائی اور)اپنے طریقہ سے)نمازپڑھنا شروع کے ا۔اصحاب نے کہا:اللہ کے رسول یہ لوگ آپکی مسجد میں یوںعمل کررہے ہیں!آپ نے فرمایا: انھیں عمل کرنے دو۔

جب نمازسے فارغ ہوئے،پیغمبراکرم (ص)کے قریب آئے اورکہا:ہمیں آپ کس چیزکی دعوت دیتے ہو؟

آپنے فرمایا:اس کی دعوت دیتاہوں کہ،خدائے واحدکی پرستش کرو، میں خداکارسول ہوں اورعیسیٰ خدا کے بندے اور اس کے مخلوق ہیںوہ کھاتے اورپیتے ہیں نیزقضائے حاجت کرتے ہیں۔

انہوں نے کہا:اگروہ خدا کے بندے ہیں تواس کاباپ کون ہے؟

پیغمبرخدا ﷺ پروحی نازل ہوئی کہ اے رسول ان سے کہدیجئے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں کیاکہتے ہیں؟وہ خداکے بندے اوراس کی مخلوق ہیں اورکھاتے اورپیتے ہیںاورنکاح کرتے ہیں۔

آپنے فرمایا:اگرخداکے ہربندے اورمخلوق کے لئے کوئی باپ ہوناچاہیئے توآدم علیہ السلام کا باپ کون ہے؟وہ جواب دینے سے قاصررہے۔خدائے متعال نے درج ذیل دوآیتیں نازل فرمائیں:

(إنّ مثل عیسی عند اللہ کمثل آدم خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون فمن حاجّک فیه من بعد ماجاء ک من العلم قل تعالوا ندع أ بناء نا وأ بنائکم ونسائنا ونسائکم وأ نفسنا وأ نفسکم) (آل عمران/۶۱)

"عیسی کی مثال اللہ کے نزدیک آدم جیسی ہے کہ انھیں مٹی سے پیدا کیا اورپھرکہاہوجاتو وہ پیداہوگئےاے پیغمبر!علم کے آجانے کے بعدجولوگ تم سے کٹ حجتی کریں ان سے کہدیجئے کہ ٹھیک ہے تم اپنے فرزند، اپنی عورتوں اوراپنے نفسوں کو بلاؤاور ہم بھی اپنے فرزند، اپنی اپنی عورتوں اور اپنے نفسوں کو بلاتے ہیں پھرخداکی بارگاہ میں دونوں ملکردعاکریں اورجھوٹوں پرخداکی لعنت کریں"

پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: "میرے ساتھ مباہلہ کرو، اگر میں نے سچ کہا ہوگا تو تم لوگوں پر عذاب نازل ہوگا اور اگر میں نے جھوٹ کہا ہوگا تو مجھ پر عذاب نازل ہوگا"

انھوں نے کہا: آپ نے منصفانہ نظریہ پیش کیا ہے اور مباہلہ کو قبول کیا۔ جب وہ لوگ اپنے گھروں کو لوٹے، ان کے سرداروں نے ان سے کہا: اگر محمد (ص) اپنی قوم کے ہمراہ مباہلہ کے لئے تشریف لائیں، تو وہ پیغمبر نہیں ہیں، اس صورت میں ہم ان کے ساتھ مباہلہ کریں گے، لیکن اگر وہ اپنے اہل بیت) علیہم السلام) اور اعزہ کے ہمراہ تشریف لائیں تو ہم ان کے ساتھ مباہلہ نہیں کریں گے۔

صبح کے وقت جب وہ میدان مباہلہ میں آگئے تو دیکھا کہ پیغمبر ﷺ کے ساتھ علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام ہیں۔ اس وقت انھوں نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ ان سے کہا گیا: وہ مرد ان کا چچا زاد بھائی اور داماد علی بن ابیطالب ہیں اور وہ عورت ان کی بیٹی فاطمہ ہے اور وہ دو بچے حسن اور حسین) علیہما السلام) ہیں۔

انھوں نے مباہلہ کرنے سے انکار کیا اور آنحضرت (ص) سے کہا: "ہم آپ کی رضایت کے طالب ہیں۔ ہمیں مباہلہ سے معاف فرمائیں۔" آنحضرت ﷺ نے ان کے ساتھ صلح کی اور طے پایا کہ وہ جزیہ ادا کریں۔[1]

دوسری حدیث

سید بحرانی، تفسیر "البرہان" میں ابن بابویہ سے اور حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت نقل کرتے ہیں:

"حضرت) امام رضا علیہ السلام) نے مامون اور علماء کے ساتھ) عترت و امت میں فرق اور عترت کی امت پر فضیلت کے بارے میں) اپنی گفتگو میں فرمایا: جہاں پر خدائے متعال

۱۔ تفسیر علی بن ابراھیم، مطبعۃ النجف، ج ۱، ص ۱۰۴، البرہان ج ۱، ص ۲۸۵

ان افراد کے بارے میں بیان فرماتاہے جو خدا کی طرف سے خاص طہارت و پاکیزگی کے مالک ہیں، اور خدا اپنے پیغمبر(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)کو حکم دیتاہے کہ مباہلہ کے لئے اپنے اہل بیت کو اپنے ساتھ لائیں اورفرماتاہے: ۔۔۔ (فقل:تعالوا ندع أبنائنا وأبنائکم ونسائنا ونسائکم وأنفسنا وأنفسکم) ۔۔۔

علماء نے حضرت سے کہا: آیہ میں 'انفسنا" سے مرادخود پیغمبر ﷺ ہیں!امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:آپ لوگوں نے غلط سمجھا ہے۔بلکہ "انفسنا" سے مرادعلی بن ابیطالب(علیہ السلام)ہیں۔اس کی دلیل یہ ہے کہ پیغمبراکرم ﷺ نے بنی ولیعہ سے فرمایا: "أولأ بعثنّ إليهم رجلاً كنفسي"یعنی:"بنی ولیعہ کو اپنے امور سے دست بردار ہو جانا چاہئے، ورنہ میں اپنے مانند ایک مردکوان کی طرف روانہ کروں گا۔"

"ابناءنا" کے مصداق حسن وحسین)علیہما السلام)ہیں اور"نساءنا" سے مراد فاطمہ (سلام اللہ علیہا) ہیں اوریہ ایسی فضیلت ہے،جس تک کوئی نہیں پہونچ سکااوریہ ایسی بلندی ہے جس تک انسان کاپہنچنااس کے بس کی بات نہیں ہے اوریہ ایسی شرافت ہے جسے کوئی حاصل نہیں کرسکتاہے۔یعنی علی(علیہ السلام)کے نفس کواپنے نفس کے برابر قراردیا۔[1]

تیسری حدیث

اس حدیث میں ،ہارون رشید، موسی بن جعفر علیہ السلام سے کہتاہے:آپ کس طرح اپنے آپ کوپیغمبر ﷺ کی اولادجانتے ہیں جبکہ انسانی نسل بیٹے سے پھیلتی ہے اورآپ پیغمبر ﷺ کی بیٹی کے بیٹے ہیں؟

امام)علیہ السلام) نے اس سوال کا جواب دینے سے معذرت چاہی ۔ہارون نے کہا:اس مسئلہ میں اپ کواپنی دلیل ضروربیان کرنا ہوگی آپ فرزندان، علی علیہ السلام کا یہ دعوی

۱۔تفسیر البرہان،ج۱،ص۲۸۹،مؤسسہئ مطبوعاتی اسماعیلیان

ہے آپ لوگ قرآن مجید کامکمل علم رکھتے ہیں نیز آپ کا کہنا ہے کہ قرآن مجید کا ایک حرف بھی آپ کے علم سے خارج نہیں ہے اوراس سلسلہ میں خداوندمتعال کے قول: ۔۔۔ (ما فرّطنا فی الکتاب من شیء) ۔۔۔[1]

سے استدلال کرتے ہیں اوراس طرح علماء کی رائے اوران کے قیاس سے اپنے آپ کوبے نیاز جانتے ہو!

حضرت)امام موسی کاظم علیہ السلام) نے ہارون کے جواب میں اس آیہء شریفہ کی تلاوت فرمائی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوحضرت ابراھیم علیہ السلام کی ذریت تایا گیا ہے:

(و من ذرّیّته داود و سلیمان و أیوب و یوسف و موسی و ھارون و کٰذلک نجزی المحسنین زکریا و یحی و عیسی وإلیاس) ۔۔۔[1]

"اورپھرابراھیم کی اولاد میں داوٴد، سلیمان، ایوب،یوسف، موسیٰ اورہارون قراردیا اورہم اسی طرح نیک عمل کرنے والوں کوجزادیتے ہیں۔ اورزکریا،یحیٰ، عیسیٰ اورالیاس کو بھی رکھاجوسب کے سب نیک عمل انجام دینے والے ہیں۔"

اس کے بعد امام (علیہ السلام) نے ہارون سے سوال کیا:حضرت عیسیٰ(علیہ السلام)کاباپ کون تھا؟اس نے جواب میں کہا:عیسیٰ(علیہ السلام)بغیرباپ کے پیداہوئے ہیں۔ امام (ع) نے فرمایا:جس طرح خدائے متعال نے جناب عیسی کوحضرت مریم(سلام اللہ علیہا)کے ذریعہ ذریت انبیاء) علیہم السلام)سے ملحق کیاہے اسی طرح ہمیں بھی اپنی والدہ حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہاکے ذریعہ پیغمبراکرم (ص)سے ملحق فرمایاہے۔

اس کے بعد حضرت(ع)نے ہارون کے لئے ایک اور دلیل پیش کی اور اس کے لئے

۱۔انعام/۳۸

۲۔انعام/۸۴۔۵

آیہء مباہلہ کی تلاوت کی اورفرمایا: کسی نے یہ دعوی نہیں کیاہے کہ مباہلہ کے دوران، پیغمبر اکرم (ص) نے علی،فاطمہ، حسن اورحسین علیہم السلام کے علاوہ کسی اورکو زیر کساء داخل کیاہو۔ اس بناء پر آیہء شریفہ میں "ابنائنا" سے مرادحسن و حسین) علیہما السلام) "نسائنا" سے مرادفاطمہ (سلام اللہ علیہا) اور "انفسنا" سے مرادعلی علیہ السلام ہیں۔[1]

چوتھی حدیث

اس حدیث میں کہ جسے شیخ مفیدنے "الاختصاص" میں ذکرکیاہے۔ موسی بن جعفرعلیہ السلام نے فرمایا: پوری امت نے اس بات پر اتفاق کیاہے کہ جب پیغمبر اکرم ﷺ نے اہل نجران کومباہلہ کے لئے بلایاتو زیر کساء) وہ چادر جس کے نیچے اہل بیت رسول تشریف فرما تھے (علی، فاطمہ، حسن اورحسین علیہم السلام کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔ اس بنائ پرخدائے متعال کے قول: (فقل تعالوا ندع أبنائنا و أبناءكم و نساء نا و نسائكم و أنفسنا و أنفسكم) میں "ابنائنا" سے حسن وحسین)علیہما السلام) "نسائنا" سے فاطمہ سلام اللہ علیہا اور "انفسنا" سے علی بن ابیطالب علیہ السلام مرادہیں۔[2]

شیخ محمدعبدہ اوررشیدرضاسے ایک گفتگو

صاحب تفسیر "المنار" پہلے تو فرماتے ہیں کہ "روایت ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) نے مباہلہ کے لئے علی(ع)وفاطمہ(س)اوران کے دونوں بیٹوں کہ خدا کا ان پر درودو سلام ہوکاانتخاب کیااورانھیں میدان میں لائے اور ان سے فرمایا: "اگرمیں دعاکروں تو تم لوگ آمین کہنا" روایت کوجاری رکھتے ہوئے اختصار کے ساتھ مسلم اورترمذی کو بھی نقل کرتے ہیں اس کے بعدکہتے ہیں:

۱۔ البرہان ،ج ۱،ص ۲۸۹،مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان

۲۔ الاختصاص،ص ۵۶،من منشورات جماعۃالمدرسین فی الحوزۃ العلمیۃ

استاد امام) شیخ محمد عبدہ) نے کہا ہے:اس سلسلہ میں روایتیں متفق علیہ ہیں کہ پیغمبر ﷺ نے مباہلہ کے لئے علی(ع) فاطمہ(س) اوران کے بیٹوں کو منتخب کیا ہے اورآیہء شریفہ میں لفظ "نسائنا" فاطمہؑ کے لئے اور لفظ "انفسنا" کا استعمال علی کے لئے ہوا ہے۔ لیکن ان روایتوں کا سرچشمہ شیعہ منابع ہیں) اورانہوں نے یہ احادیث گھڑلی ہیں) اور اس سے ان کا مقصد بھی معلوم ہے۔ وہ حتی الامکان ان احادیث کو شائع و مشہور کرنا چاہتے ہیں اوران کی یہ روش بہت سے سنّیوں میں بھی عام ہو گئی ہے! لیکن جنہوں نے ان روایتوں کو گھڑا ہے، وہ ٹھیک طریقہ سے ان روایتوں کو آیتوں پر منطبق نہیں کرسکے ہیں، کیونکہ لفظ "نساء" کا استعمال کسی بھی عربی لغت میں کسی کی بیٹی کے لئے نہیں ہوا ہے، بالخصوص اس وقت جب کہ خود اس کی بیویاں موجود ہوں، اور یہ عربی لغت کے خلاف ہے اوراس سے بھی زیادہ بعید یہ ہے کہ "انفسنا" سے مراد علی (ع) کو لیا جائے" ۱

استاد محمد عبدہ کی یہ بات کہ جن کا شمار بزرگ علماء اور مصلحین میں ہوتا ہے انتہائی حیرت انگیز ہے۔ باوجود اس کے کہ انھوں نے ان روایتوں کی کثرت اوران کے متفق علیہ ہونے کو تسلیم کیا ہے، پھر بھی انھیں جعلی اور من گھڑت کہا ہے۔

کیا ایک عام مسلمان، چہ جائیکہ ایک بہت بڑا عالم اس بات کی جرائت کرسکتا ہے کہ ایک ایسی حقیقت کو آسانی کے ساتھ جھٹلادے کہ جو رسول اللہ ﷺ کی صحیح و معتبر سنّت میں مستحکم اور پائدار بنیاد رکھتی ہو؟! اگر معتبر صحاح اور مسانید میں صحیح سند کے ساتھ روایت نقل ہوئی ہے وہ بھی صحیح مسلم جیسی کتاب میں کہ جو اہل سنّت کے نزدیک قرآن مجید کے بعد دو معتبر ترین کتابوں میں سے ایک شمار ہوتی ہے، اس طرح بے اعتبار کی جائے، تو مذاہب اسلامی میں ایک مطلب کو ثابت کرنے یا مسترد کرنے کے سلسلہ میں کس منبع و ماخذ پر اعتماد کیا جا سکتا ہے ؟! اگر ائمہ

۱۔ المنار، ج ۳، ص ۳۲۲، دار المعرفۃ بیروت

مذاہب کی زبانی متواتراحادیث معتبر نہیں ہوں گی توپھر کونسی حدیث معتبرہوگی؟!

کیاحدیث کوقبول اورمستردکرنے کے لئے کوئی قاعدہ و ضابط ہے یاہرکوئی اپنے ذوق وسلیقہ نیزمرضی کے مطابق ہرحدیث کوقبول یامستردکرسکتاہے؟کیایہ عمل سنّت رسول (ص)کے ساتھ زیادتی اوراس کامذاق اڑانے کے مترادف نہیں ہے؟

شیخ محمدعبدہ نے آیہء شریفہ کے معنی پردقت سے توجہ نہیں کی ہے اورخیال کیاہے کہ لفظ "نسائنا"حضرت فاطمہ زہراء)سلام اللہ علیہا)کے بارے میں استعمال ہواہے۔جبکہ "نسائنا"خوداپنے ہی معنی میں استعمال ہواہے،رہاسوال رسول خدا ﷺ کی بیویوں کاکہ جن کی تعداداس وقت نوتھی ان میں سے کسی ایک میں بھی وہ بلندمرتبہ صلاحیت موجودنہیں تھی اورخاندان پیغمبر ﷺ میں تنہاعورت،جوآپ کے اہل بیت میں شمارہوتی تھیں اورمذکورہ صلاحیت کی مالک تھیں،حضرت فاطمہ زہراء (سلام اللہ علیہا) تھیں،جنھیں انحضرت ﷺ اپنے ساتھ مباہلہ کے لئے لے گئے۔[1]

"انفسنا" کے بارے میں اس کتاب کی ابتداء میں بحث ہوچکی ہے انشا اللہ بعد والے محور میں بھی اس پرتفصیل سے روشنی ڈالی جائیگی۔

ایک جعلی حدیث اوراہل سنّت کااس سے انکار

مذکورہ روایتوں سے ایک دوسرامسئلہ جوواضح ہوگیاوہ یہ تھاکہ خامس آل عبا)پنجتن پاک علیہم السلام) کے علاوہ کوئی شخص میدان مباہلہ میں نہیں لایاگیا تھا۔

مذکورہ باتوں کے پیش نظربعض کتابوں میں ابن عساکر کے حوالے سے نقل کی گئی روایت کسی صورت میں قابل اعتبارنہیں ہے،جس میں کہاگیاہے کہ پیغمبراکرم ﷺ ابوبکراوران کے فرزندوں،عمراوران کے فرزندوں،عثمان اوران کے فرزندوں اورعلی علیہ السلام اوران کے

۱۔اس سلسلہ میں بحث،آیہء تطہیرکی طرف رجوع کیا جائے۔

فرزندوں کو اپنے ساتھ لائے تھے۔

ایک تو یہ کہ علماء و محققین، جیسے آلوسی کی روح المعانی[1] میں یاددہانی کے مطابق، یہ حدیث جمہور علماء کی روایت کے خلاف ہے، اس لئے قابل اعتماد نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ اس کی سند میں چند ایسے افراد ہیں جن پر جھوٹے ہونے کا الزام ہے، جیسے: سعید بن عنبسہ رازی، کہ ذہبی نے اپنی کتاب میزان الاعتدال[2] میں یحییٰ بن معین کے حوالے سے کہا ہے کہ: "وہ انتہائی جھوٹ بولنے والا ہے" اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ: "وہ سچ نہیں بولتا ہے۔" اس کے علاوہ اس کی سند میں ھیثم بن عدی ہے کہ جس کے بارے میں ذہبی کا سیر اعلام النبلاء[3] میں کہنا ہے: ابن معین اور ابن داؤد نے کہا ہے: "وہ انتہائی جھوٹ بولنے والا ہے" اس کے علاوہ نسائی اور دوسروں نے اسے متروک الحدیث جانا ہے۔

افسوس ہے کہ مذکورہ جعلی حدیث کا جھوٹا مضمون حضرت امام صادق اور حضرت امام باقر) علیہما السلام) سے منسوب کر کے نقل کیا گیا ہے!

۱۔ روح المعانی، ج۳، ص۱۹۰، داراحیائ التراث العربی

۲۔ میزان الاعتدال، ج۲، ص۱۵۴، دارالفکر

۳۔ سیر اعلام النبلاء، ج۱۰، ص۱۰۴، مؤسسہ الرسالہ

چھوتھا محور

علی(ع) نفس پیغمبر (ص) ہیں

گزشتہ بحثوں میں یہ واضح ہوچکا ہے کہ "انفسنا" سے مرادکا خود پیغمبر اکرم ﷺ نہیں ہوسکتے ہیں اورچونکہ مذکورہ احادیث کی بناء پر مباہلہ میں شامل ہونے والے افرادمیں صرف علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام تھے، لہذاآیہ ء شریفہ میں "انفسنا"کا مصداق علی علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتا ہے۔ یہ امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی واضح بلکہ برترین فضیلتوں میں سے ہے۔

قرآن مجید کی اس تعبیر میں، علی علیہ السلام، نفس پیغمبر (ص) کے عنوان سے پہچنوا ئے گئے ہیں۔چونکہ ہر شخص کا صرف ایک نفس ہوتا ہے، اس لئے حضرت علی علیہ السلام کا حقیقت میں نفس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونا بے معنی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اطلاق، اطلاق حقیقی نہیں ہے بلکہ اس سے مرادمانند اور مماثلت ہے۔چونکہ یہاں پر یہ مماثلت مطلق ہے اس لئے اس اطلاق کا تقاضا ہے کہ جو بھی خصوصیت اور منصبی کمال پیغمبر اکرم (ص) کی ذات میں موجود ہے وہ حضرت علی علیہ السلام میں بھی پا ے اجانا چاہئے، مگر یہ کہ دلیل کی بناء پر کوئی فضیلت ہو، جیسے آپ پیغمبر نہیں ہیں۔ رسالت و پیغمبری کے علاوہ دوسری خصوصیات اورکمالات میں آپ رسول کے ساتھ شریک ہیں، من جملہ پیغمبر ﷺ کی امت کے لئے قیادت وزعامت اورآنحضرت ﷺ کی سارے جہاں، یہاں تک گزشتہ انبیاء پر افضلیت۔ اس بناء پر آیہ ء شریفہ حضرت علی علیہ السلام کی امامت پر دلالت کرنے کے علاوہ بعد از پیغمبر ان کی امت کے علاوہ تمام دوسرے انبیاء سے بھی افضل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

آیت کے استدلال میں فخر رازی کا بیان

فخر رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے:

"شہر ری میں ایک شیعہ اثنا عشری شخص[1] معلم تھا اس کا خیال تھا کہ حضرت علی(علیہ السلام) حضرت محمد مصطفی (ص) کے علاوہ تمام انبیاء) علیہم السلام) سے افضل و برتر ہیں، اور یوں کہتا تھا: جو چیز اس مطلب پر دلالت کرتی ہے، وہ آیہء مباہلہ میں خدا وند متعال کا یہ قول (وأنفسنا وأنفسکم) ہے کیونکہ "انفسنا" سے مراد پیغمبر اکرم ﷺ نہیں ہیں، کیونکہ انسان خود کو نہیں پکارتا ہے۔ اس بناء پر نفس سے مراد آنحضرت ﷺ کے علاوہ ہے اور اس بات پر اجماع ہے کہ نفس سے مراد علی بن ابیطالب (علیہ السلام) ہیں لہذا آیہ شریفہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نفس علی (علیہ السلام) سے مراد در حقیقت نفس پیغمبر (ص) ہے، اس لئے ناچار آپ کا مقصد یہ ہے کہ نفس علی نفس رسول کے مانند ہے اور اس کا لازمہ یہ ہے کہ

۱۔ یہ بزرگ مرد، کہ جس کے بارے میں فخر رازی نے یوں بیان کیا ہے، جیسے کہ اس کی زندگی کے حالات کی تشریح کتابوں میں کی گئی ہے، شیعوں کے ایک بڑے مجتہد اور عظیم عقیدہ شناس اور فخر رازی کے استاد تھے۔ مرحوم محدث قمی اس کے بارے میں لکھتے ہیں: شیخ سدید الدین محمود بن علی بن الحسن حمصی رازی، علّامہ فاضل، متکلم اور علم کلام میں کتاب "التعلیق العراقی" کے مصنف تھے۔ شیخ بہائی سے ایک تحریر کے بارے میں روایت کرتا ہے کہ وہ شیعہ علماء و مجتہدین میں سے تھے اور ری کے حمص نامی ایک گاؤں کے رہنے والے تھے، کہ اس وقت وہ گاؤں ویران ہو چکا ہے۔)سفینۃ البحار، ج ۱، ص ۳۴۰، انتشارات کتاب خانہ محمودی)

مرحوم سید محسن امین جبل عاملی کتاب "التعلیق العراقی، یا کتاب المنقذ من التقلید" کے ایک قلمی نسخہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس پر لکھا گیا تھا: "انھامن إملائ مولانا ا لشیخ الکبیر العالم سدید الدّین حجّۃالاسلام والمسلمین لسان الطائفۃوالمتکلمین اسد المناظرین محمودبن علی بن الحسن الحمصی ادام اللہ فی العزّبقائ ھوکبت فی الذّل حسدتہ واعداہ۔۔۔"یعنی: یہ نسخہ استاد بزرگ اور دانشور سدید الدین حجۃالاسلام والمسلمین، مذہب ش یعیت کے ترجمان اور متکلمین، فن مناظرہ کے ماہر محمود بن علی بن الحسن الحمصی کا املا ہے کہ خدائے متعال اس کی عزت کو پائدار بنادے اور اس کے حاسدوں اور دشمنوں کو نابود کردے۔)اعیا الشیعہ، ج ۱۰، ص ۱۰۵، دار التعارف للمطبوعات، بیروت)

فیروزآبادی کتاب "القاموس المحیط" میں کہتا ہے: "محمود بن الحمصی متکلم اخذ عنہ الامام فخر الدین ")القاموس المحیط، ج ۲، ص ۲۹۹، دار المعرفۃ، بیروت)

فیروزآبادی کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عظیم عقیدہ شناس فخر رازی کا استاد تھا لیکن فخر رازی نے اس بات کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے۔

یہ نفس تمام جہت سے اس نفس کے برابر ہے۔ اوراس کلیت سے صرف دوچیزیں خارج ہیں: ایک نبوت اوردوسرے افضلیت، کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ علی(علیہ السلام) پیغمبر نہیں ہیں اور نہ ہی وہ پیغمبر ﷺ سے افضل ہیں۔ ان دومطالب کے علاوہ، دوسرے تمام امور ومسائل میں یہ اطلاق اپنی جگہ باقی ہے اوراس پراجماع ہے کہ پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیائے الٰہی سے افضل ہیں، لہذا علی(علیہ السلام) بھی ان سب سے افضل ہوں گے۔"

مزید اس نے کہا ہے:

"اس استدلال کی ایک ایسی حدیث سے تائید ہوتی ہے، جس کو موافق ومخالف سب قبول کرتے ہیں اوروہ حدیث وہ قول پیغمبراکرم ﷺ ہے کہ جس میں اپ نے فرمایا: جوآدم(علیہ السلام) کو ان کے علم میں، نوح(علیہ السلام) کوان کی اطاعت میں اورابراھیم(علیہ السلام) کو ان کی خُلّت میں، موسیٰ(علیہ السلام) کوان کی ہیبت میں اورعیسیٰ (علیہ السلام) کو ان کی صفوت میں دیکھنا چاہے تو اسے علی بن ابیطالب(علیہ السلام) پرنظرڈالنا چاہئے۔"

فخررازی نے اپنی بات کوجاری رکھتے ہوئے مزید لکھا ہے:

"شیعہ علماء مذکورہ آیہء شریفہ سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ علی(علیہ السلام) تمام اصحاب سے افضل ہیں۔ کیونکہ جب آیت دلالت کرتی ہے کہ نفس علی (علیہ السلام) نفس رسول (ص) کے مانند ہے، سواء اس کے جو چیز دلیل سے خارج ہے اور نفس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام اصحاب سے افضل ہے، لہذا نفس علی(علیہ السلام) بھی تمام اصحاب سے افضل قرار پائیگا"

فخررازی نے اس استدلال کے ایک جملہ پراعتراض کیا ہے کہ ہم اس آیہء شریفہ سے مربوط سوالات کے ضمن میں آیندہ اس کا جواب دیں گے۔

علی(ع)کونفس رسولجاننے والی احادیث

حضرت علی علیہ السلام کونفس رسول (ص)کے طورپرمعرفی کرنے والی احادیث کوتین گروہوں میں تقسیم کیاجاسکتاہے:

پہلاگروہ:وہ حدیثیں جوآیہء مباہلہ کے ذیل میں بیان ہوئی ہیں:

ان احادیث کا ایک پہلو خامس آل عبا علیہم السلام کے مباہلہ میں شرکت سے مربوط تھا کہ جس کو پہلے بیان کیاگیاہے اوریہاں خلاصہ کے طورپرہم پیش کرتے ہیں:

الف:ابن عباس آیہء شریفہ کے بارے میں اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:"وعلی نفسہ""علی(ع)نفس پیغمبر(ص)ہیں۔"یہ ذکرآیہء مباہلہ میں ایاہے۔[1]

ب:شعبی،اہل بیت،علہیم السلام کے بارے میں جابربن عبداللہ کاقول نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:"ابناء نا" سے حسن وحسین)علیہم السلام)"نساء نا"سے جناب فاطمہ(سلام اللہ علیہا)اور"انفسنا"سے علی بن ابیطالب)علیہ السلام)مرادہیں۔[2]

ج:حاکم نیشابوری،عبداللہ بن عباس اوردیگر اصحاب سے،پیغمبراکرم (ص)کے ذریعہ مباہلہ میں علی،فاطمہ،حسن اورحسین علیہم السلام کو اپنے ساتھ لانے والی روایت کومتواترجانتے ہیں اورنقل کرتے ہیں کہ"ابناء نا" سے حسن وحسین علیہم السلام،"نساء نا"سے فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہااور"انفسنا"سے علی بن ابیطالب علیہ السلام مرادہیں۔[3]

د۔حضرت علی علیہ السلام کی وہ حدیث،جس میں اپ(ع)اصحاب شوریٰ کوقسم دے کراپنے فضائل کا ان سے اقرار لیا ہے آپ فرماتے ہیں:

۱۔معرفةعلوم الحدیث،ص۵۰،دارالکتب العلمیہ،بیروت

۲۔اسباب النزول،ص۴۷،دارالکتب العلمیہ،بیروت

۳۔معرفةعلوم الحدیث،ص۵۰،دارالکتب العلمیہ،بیروت

"نشدتكم الله هل فيكم أحد أقرب إلير سول الله ﷺ فى الرحم ومن جعله رسول الله نفسه وإبناء ه غيرى؟" (1)

"یعنی: میں تمھیں خدا کی قسم دیتاہوں! کیا تم لوگوں میں قرابت اور رشتہ داری کے لحاظ سے کوئی ہے جو مجھ سے زیادہ رسول اللہ (ص) کے قریب ہو؟ کوئی ہے جسے آنحضرت (ص) نے اپنا نفس اورا سکے بیٹوں کو اپنا بیٹا قرار دیا ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا: خدا شاہد ہے کہ ہم میں کوئی ایسا، نہیں ہے۔"

دوسرا گروہ: وہ حدیثیں جو قبیلہء بنی ولیعہ سے مربوط ہیں: یہ احادیث اصحاب کے ایک گروہ جیسے ابوذر، جابر بن عبداللہ اور عبداللہ بن حنطب سے نقل ہوئی ہیں۔ ان حدیثوں کا مضمون یہ ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) نے) ابوذر کے بقول) فرمایا:

"ولينتهينّ بنووليعه أولأبعثَنّ إليهم رجلاًكنفسى يمضى فيهم أمرى فيقتل المقا تله وليسبى الذرية۔۔۔(2)

قبیلہء بنی ولیعہ کو اپنے امور سے باز آجانا چاہیئے، اگر انھوں نے ایسا نہیں کیا تو میں ان کی طرف اپنے مانند ایک شخص کو بھیجوں گا جو میرے حکم کو ان میں جاری کرے گا۔ جنگ کرنے والوں کو وہ قتل کرے گا اوران کی ذرّیت کو اسیر بنائے گا۔

عمر، جو میرے پیچھے کھڑے ہو ئے تھے انہوں، نے کہا: آنحضرت ﷺ کا اس سے مراد کون ہے؟ میں نے جواب دیا تم اور تمہارا دوست) ابوبکر) اس سے مراد نہیں ہے تو اس نے

۱۔ تاریخ مدینتہ دمشق، ج۴۲، ص۴۱۳۱، دارالفکر

۲۔ السنن الکبیر للنسائی، ج۵، ص۱۲۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔

اس کے محقق نے اس ضمن میں کہاہے:اس حدیث کی سند میں موثق راوی موجود ہیں۔

المنصف لابن ابی شیبتہ، ج ۶، ص۳۷۴، دار التاج، المعجم الاوسط للطبرانی، ج ۴، ص۴۷۷، مکتبۃ المعارف، الریاضی۔ یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ "المعجم الاوسط "میں عمداً یا غلطی سے "کنفسی" کے بجائے "لنفسی "آیا ہے، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد میں طبرانی سے "کنفسی "روایت کی ہے۔ مجمع الزوائد۔ مجمع الزوائد ھیثمی، ج۷، ص۱۱۰، دار الکتاب العربی و ص۲۴۰، دار الفکر۔

کہاکون مرادہے؟میں نے کہا:اس سے مرادوہ ہے جو اس وقت اپنی جوتیوں کو پیوند لگانے میں مصروف ہے۔ کہا تو پھر علی(علیہ السلام)ہیں جو اپنی جویتوں کوٹانکے میں مصروف ہیں۔ تیسرا گروہ:وہ حدیثیں جو پیغمبر(ص) کے نزدیک محبوب ترین افراد کے بارے میں ہیں۔

بعض ایسی حدیثیں ہیں کہ جس میں پیغمبر اکرم صل ﷺ سے سوال ہوتاہے کہ آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟جواب کے بعد آنحضرت ﷺ سے علی(علیہ السلام)کی محبوبیت یا افضلیت کے بارے میں سوال کیاجاتاہے۔ پیغمبر اکرم (ص) اپنے اصحاب سے مخاطب ہوکرفرماتے ہیں:"إنّ ھذایسأ لنی من النفسی "یعنی:یہ سوال مجھ سے خود میرے بارے میں ہے!یعنی علی(علیہ السلام)میرا نفس ہے۔[1] ان میں سے بعض احادیث میں، حضرت فاطمہ زہرا(سلام اللہ علیہا)پیغمبر اسلام (ص) سے سوال کرتی ہیں، کیا آپنے علی(علیہ السلام) کے بارے میں کچھ نہیں فرمایاہے؟آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"علیّ نفسی فمن رأیته أن یقول فی نفسه شیئاً[2]"

یعنی:علی(علیہ السلام)میرا نفس ہے تم نے کس کودیکھاہے، جو اپنے نفس کے بارے میں کچھ کہے؟یہ احادیث عمروعاص، عائشہ اورجد عمروبن شعیب جیسے بعض اصحاب سے نقل ہوئی ہیں۔

اس طرح کی حدیثیں مختلف زبانوں سے روایت ہوئی ہیں اوران کی تعدادزیادہ ہے۔جس سے یہ استفادہ ہوتاہے کہ علی علیہ السلام، نفس پیغمبر(ص)ہیں اورآیہ شریفہ کی دلالت پرتاکید کرتی ہے، سواء اس کے کہ کوئی قطعی ضرورت اورخارجی دلالت کی وجہ سے اس اطلاق سے خارج ہوا جائے)جیسے نبوت جواس سے خارج ہے)لہذاآنحضرت (ص) کے

۱۔جامع الاحادیث، سیوطی، ج ۱۶، ص۲۵۷۔۲۵۶، دار الفکر، کنز العمال، ج۱۳، ص۱۴۳۔۱۴۲، مؤسسہ الرسالہ

۲۔مناقب خوارزمی، ص۱۴۸، مؤسسہ النشر الاسلامی، مقتل الحسین علیہ السلام، ص۴۳، مکتبہ المفید۔

دوسرے تمام عہدے من جملہ تمام امت اسلامیہ پر آپ (ص)کی فضیلت نیز قیادت وزعامت اس اطلاق میں داخل ہے۔

پانچواں محور

آیت کے بارے میں چند سوالات اور ان کے جوابات

آلوسی سے ایک گفتگو:

آلوسی، اپنی تفسیر "روح المعانی[1] "میں اس آیہء شریفہ کی تفسیر کے سلسلہ میں کہتا ہے:

"اہل بیت پیغمبر (ص) کے آل اللہ ہونے کی فضیلت کے بارے میں اس آیہء شریفہ کی دلالت کسی بھی مومن کے لئے ناقابل انکار ہے اوراگرکوئی اس فضیلت کوان سے جداکرنے کی کوشش کرتا ہے تویہ ایک قسم کی ناصبیت وعناد ہے اورعناد و ناصبیت ایمان کے نابود کرنے کا سبب ہے۔"

شیعوں کا استدلال

اس کے بعد)آلوسی)آیہء مذکورہ سے رسول خدا (ص) کے بعدعلی علیہ السلام کے بلافصل خلیفہ ہونے کے سلسلہ میں شیعوں کے استدلال کو بیان کرتاہے اوراس روایت سے استناد کرتاہے کہ آیہء کریمہ کے نازل ہونے کے بعد پیغمبراسلام ﷺ مباہلہکے لئے علی، فاطمہ، اورحسنین علیہم السلام کو اپنے ساتھ لائے، اس کے بعد کہتاہے:

"اس طرح سے "ابناء نا"کا مراد سے حسن وحسین) علیہما السلام)، "نساء نا" سے مرادفاطمہ (سلام اللہ علیہا) اور"انفسنا" سے مرادعلی(علیہ السلام)ہیں۔جب علی(علیہ السلام)نفس رسول قرارپائیں گے تو اس کا اپنے حقیقی معنی میں استعمال محال ہوگا)کیونکہ

۱۔روح المعانی،ج۳،ص۱۸۹،داراحیائ التراث العربی

حقیقت میں علی علیہ السلام خودرسول اللہ (ص)نہیں ہوسکتے ہیں) لہذا قھراً اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے مساوی اورمماثل ہیں۔چونکہ پیغمبر اسلام (ص)امور مسلمین میں تصرف کرنے کے سلسلہ میں افضل اوراولٰی ہیں، لہذا جو بھی ان کے مماثل ہوگا وہ بھی ایسا ہی ہوگا۔اس طرح سے پوری امت کے حوالے سے حضرت علی(علیہ السلام)کی افضیلت اورامت پر ان کی سرپرستی اس آیہء شریفہ سے ثابت ہوتی ہے۔"

شیعوں کے استدلال کے سلسلہ میں الوسی کاپہلااعتراض

اس کے بعدآلوسی شیعوں کے استدلال کاجواب دیتے ہوئے کہتاہے:شیعوں کے اس قسم کے استدلال کاجواب یوں دیاجاسکتاہے:

ہم تسلیم نہیں کرتے ہیں کہ "انفسنا" سے مراد حضرت امیرالمؤمنین (علیہ السلام)ہوں گے،بلکہ نفس سے مرادخودپیغمبر (ص)ہی ہیں اورحضرت امیر(علیہ السلام) "ابنائنا"میں داخل ہیں کیونکہ داماد کوعرفاًبیٹاکہتے ہیں۔

اس کے بعدشیعوں کے ایک عظیم مفسر شیخ طبرسی کابیان نقل کرتاہے کہ انہوں نے کہاہے کہ "انفسنا" سے مرادخودپیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہوسکتے ہیں،کیونکہ انسان کبھی بھی اپنے آپ کو نہیں بلاتاہے،اس نے) شیخ کی)اس بات کوہذیان سے نسبت دی ہے؟!

اس اعتراض کا جواب

آلوسی اپنی بات کی ابتداء میں اس چیز کو تسلیم کرتا ہے کہ آیہ ء کریمہ پیغمبر (ص) وکے خاندان کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے اور اس فضیلت سے انکار کو ایک طرح کے بغض و عناد سے تعبیر کرتا ہے۔اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس عظیم فضیلت کوآنحضرت ﷺ کے خاندان سے منحرف کرنے کے لئے کس طرح وہ خودکوشش کرتا ہے اوراپنے اس عمل سے اس سلسلہ میں بیان کی گئی تمام احادیث کی مخالفت کرتا ہے اورجس چیز کوابن تیمیہ نے بھی انجام نہیں دیا ہے)یعنی "انفسنا" کے علی علیہ السلام پرانطباق سے انکارکرنا)اسے انجام دیتا ہے۔

اگرچہ ہم نے بحث کی ابتداء میں "انفسنا" کے بارے میں اوریہ کہ اس سے مراد خودپیغمبراسلام ﷺ نہیں ہوسکتے ہیں،بیان کیاہے، لیکن یہاں پر بھی اشارہ کرتے ہیں کہ اگر "انفسنا" سے مرادخودپیغمبراسلام (ص)ہوں اورعلی علیہ السلام کو "ابناءنا" کے زمرے میں داخل کر لیا جائے تو یہ غلط ہے اور دوسرے یہ کہ خلاف دلیل ہے۔

اس کاغلط ہونااس لحاظ سے ہے کہ آیہ ء شریفہ میں "بلانا اپنے "حقیقی معنی میں ہے۔اور جوآلوسی نے بعض استعمالات جیسے "دعتہ نفسہ "کورائج ومرسوم جاناہے،اس نے اس نکتہ سے غفلت کی ہے کہ اس قسم کے استعمالات مجازی ہیں اوران کے لئے قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے اورآیہ ء مذکورہ میں کوئی ایسا قرینہ موجودنہیں ہے،بلکہ یہاں پر "دعتہ نفسہ" کے معنی اپنے آپ کو مجبوراور مصمم کرناہے نہ اپنے آپ کو بلانااورطلب کرنا۔

اس کے علاوہ "ابنائنا" کے زمرے میں امیرالمؤمنین(علیہ السلام)کو شامل کرنا صرف اس لئے کہ وہ آنحضرت (ص) کے داماد تھے گویا لفظ کو اس کے غیر معنی موضوع لہ میں ہے اور لفظ کو اس کے معانی مجازی میں بغیر قرینہ کے حمل کرتا ہے۔

اس لئے "ابناء نا"کا حمل حسنین علیہما السلام کے علاوہ کسی اورذات پر درست نہیں ہے اور "انفسنا"کا لفظ حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کسی اورپر منطبق نہیں ہوتا ہے۔

اگرکہا جائے کہ:کونسامرجح ہے کہ لفظ "ندع"کا استعمال اس کے حقیقی معنی میں ہو اور"انفسنا"کا استعمال حضرت علی علیہ السلام پر مجازی ہو؟بلکہ ممکن ہے کہا جائے "انفسنا"خودانسان اوراس کی ذات پر اطلاق ہو جو حقیقی معنی ہے اور"ندع"کے معنی میں تصرف کرکے "نحضر"کے معنی لئے جائیںیعنی اپنے آپ کو حاضرکریں۔

جواب یہ ہے کہ:اگر"ندع"کا استعمال اپنے حقیقی معنی ہےں ہوتوایک سے زیادہ مجاز درکارنہیں ہے اوروہ ہے "انفسنا"کا حضرت علی علیہ السلام کی ذات پر اطلاق ہونا لیکن اگر"ندع"کو اس کے مجازی معنی پر حمل کریں تو اس سے دوسرے کا مجاز ہونا بھی لازم آتا ہے یعنی علی علیہ السلام کا "ابناء نا"پر اطلاق ہونا،جوآنحضرت صلی (ص) کے داماد ہیں اوراس قسم کے مجاز کے لئے کوئی قرینہ موجودنہیں ہے۔

لفظ "انفسنا" کے علی علیہ السلام کی ذات پر اطلاق ہونے کا قرینہ "ندع" و "انفسنا" کے درمیان پائی جانے والی مغایرت ہے کہ جو عقلاًوعرفاً ظہور رکھتی ہے۔اس فرض میں "ندع" بھی اپنے معنی میں استعمال ہوا ہے اور "ابناء نا" بھی اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

لیکن یہ کہ آلوسی کی بات دلیل کے خلاف ہے،کیونکہ اتنی ساری احادیث جو نقل کی گئی ہیںوہ سب اس بات پردلالت کرتی تھیں کہ "انفسنا" سے مراد علی علیہ السلام ہیں اور یہ دعویٰ تواتر کے ذریعہ بھی ثابت ہے [1] لہذاوہ سب احادیث اس قول کے خلاف ہیں۔

شیعوں کے استدلال پرآلوسی کادوسرااعتراض

شیعوں کے استدلال پرآلوسی کادوسراجواب یہ ہے:اگرفرض کریں کہ "انفسنا"کا مقصداق علی(علیہ السلام)ہوں،پھربھی آیہء شریفہ حضرت علی(ع)کی بلافصل خلافت پر دلالت نہیں کرتی ہے۔کیونکہ "انفسنا"کا اطلاق حضرت علی(ع)پراس لحاظ سے ہے کہ نفس کے معنی قربت اورنزدیک ہونے کے ہیں اوردین وآئین میں شریک ہونے کے معنی میں ہے اوراس لفظ کا اطلاق حضرت علی(ع)کے لئے شاید اس وجہ سے ہو ان کا پیغمبر ﷺ کے ساتھ دامادی کارشتہ تھا اوردین میں دونوں کا اتحاد تھا۔اس کے علاوہ اگرمقصودوہ شخص ہوجوپیغمبراکرم

۱۔معرفۃعلوم الحدیث،ص۵۰،دارالکتب العلمیہ،بیروت

(ص) کے مساوی ہے تو کیا مساوی ہونے کا معنی تمام صفات میں ہے یا بعض صفات میں؟ اگر تمام صفات میں مساوی ہونا مقصود ہے تو اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ علی (علیہ السلام) پیغمبر (ص) کی نبوت اور خاتمیت اور تمام امت پر آپکی بعثت میں شریک ہیں اور اس قسم کا مساوی ہونا متفقہ طور پر باطل ہے۔ اور اگر مساوی ہونے کا مقصد بعض صفات میں ہے یہ شیعوں کی افضلیت وبلا فصل امامت کے مسئلہ پر دلالت نہیں کرتا ہے۔

اس اعتراض کا جواب

آلوسی کے اس اعتراض واستدلال کا جواب دیناچند جہتوں سے ممکن ہے:

سب سے پہلے تو یہ کہ: ''نفس کے معنی قربت و نزدیکی'' اوردین وآئین میں شریک ہونا کسی قسم کی فضیلت نہیں ہے، جبکہ احادیث سے یہ معلوم ہوتاہے کہ یہ اطلاق حضرت علی علیہ السلام کے لئے ایک بہت بڑی فضیلت ہے اور جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا ہے ایک حدیث کے مطابق سعدبن ابی وقاص نے معاویہ کے سامنے اسی معنی کو بیان کیا اور اسے حضرت علی علیہ السلام کے خلاف سبّ وشتم سے انکار کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔

دوسرے یہ کہ: نفس کے معنی کا اطلاق دین و آئین میں شریک ہونا یا رشتہ داری وقرابتداری کے معنی مجازی ہے اور اس کے لئے قرینہ کی ضرورت ہے اور یہاں پر ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔

تیسرے یہ کہ: جب نفس کے معنی کا اطلاق اس کے حقیقی معنی میں ممکن نہ ہو تو اس سے مراد وہ شخص ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین ہو اور یہ جانشینی اور مساوی ہونا مطلقاً ہے اور اس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اوصاف اور عہدے شامل ہیں، صرف نبوت قطعی دلیل کی بناء پر اس دائرہ سے خارج ہے۔

چوتھے یہ کہ:اس صورت میں آلوسی کی بعد والی گفتگو کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی ہے کہ مساوات تمام صفات میں ہے یا بعض صفات میں، کیونکہ مساوات تمام صفات میں اس کے اطلاق کی وجہ سے ہے، صرف وہ چیزیں اس میں شامل نہیں ہیں جن کو قطعی دلیلوں کے ذریعہ خارج و مستثنی کیا گیا ہے جیسے نبوت و رسالت ۔ لہذا پیغمبر اکرم ﷺ کی افضیلت اور امت کی سرپرستی نیز اسی طرح کے اور تمام صفات میں حضرت علی علیہ السلام پیغمبر کے شریک نیز ان کے برابر کے جانشین ہیں ۔

شیعوں کے استدلال پر آلوسی کا تیسرا اعتراض

آلوسی کا کہنا ہے:اگر یہ آیت حضرت علی(علیہ السلام) کی خلافت پر کسی اعتبار سے دلالت کرتی بھی ہے تو اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ:حضرت علی(ع)پیغمبر ﷺ کے زمانہ میں امام ہوں اور یہ متفقہ طور پر باطل ہے۔یہی
اگر یہ خلافت کسی خاص وقت کے لئے ہے تو سب سے پہلی بات یہ کہ اس قید کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ اہل سنت بھی اسے قبول کرتے ہیں یعنی حضرت علی(ع)ایک خاص وقت، میں کہ جو ان کی خلافت کازمانہ تھا،اس میں وہ اس منصب پر فائز تھے۔

اس اعتراض کاجواب

سب سے پہلی بات یہ کہ :حضرت علی علیہ السلام کی جانشینی آنحضرت صل (ص) کے زمانہ میں ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جو بہت سی احادیث سے ثابت ہے اور اس کے لئے واضح ترین حدیث، حدیث منزلت ہے جس میں حضرت علی علیہ السلام کو پیغمبر ﷺ

کی نسبت کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ ان کی مثال ایسی ہی تھی جیسے ہارون کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے، واضح رہے کہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ان کے جانشین تھے کیوں کہ قرآن مجید حضرت ہارون علیہ السلام کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول ذکر کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا "اخلفنی فی قومی "[1] "تم میری قوم میں میرے جانشین ہو۔"

اس بناء پر جب کبھی پیغمبر اکرم ﷺ حاضر نہیں ہوتے تھے حضرت علی علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین ہوتے تھے)چنانچہ جنگ تبوک میں ایسا ہی تھا)اس مسئلہ کی حدیث منزلت میں مکمل وضاحت کی گئی ہے۔[2]

دوسرے یہ کہ: حضرت علی علیہ السلام کا نفس پیغمبر ﷺ قرار دیا جانا جیسا کہ آیہء شریفہ مباہلہ سے یہ مطلب واضح ہے، اوراگر کوئی اجماع واقع ہو جائے کہ آنحضرت کی زندگی میں حضرت علی علیہ السلام آپ کے جانشین نہیں تھے،تویہ اجماع اس اطلاق کوآنحضرت ﷺ کی زندگی میں مقید و محدود کرتا ہے۔ نتیجہ کے طور پریہ اطلاق آنحضرت ﷺ کی رحلت کے وقت اپنی پوری قوت کے ساتھ باقی ہے۔

لہٰذا یہ واضح ہوگیا کہ آلوسی کے تمام اعتراضات بے بنیادہیں اورآیہء شریفہ کی دلالت حضرت علی علیہ السلام کی امامت اور بلافصل خلافت پر بلا مناقشہ ہے۔

فخررازی کا اعتراض:

فخررازی نے اس آیہء شریفہ کے ذیل میں محمودبن حسن حمصی[3] کے استدلال کو ،کہ جو انھوں نے اسے حضرت علی علیہ السلام کی گزشتہ انبیاء علیہم السلام پر افضلیت کے سلسلہ میں پیش کیا ہے،ٰ نقل کرنے کے بعد)ان کے استدلال کو تفصیل سے ذکر کیا ہے)اپنے اعتراض کویوں ذکر کیا ہے:

ایک تو یہ کہ اس بات پر اجماع قائم ہے کہ پیغمبر (ص) غیر پیغمبر سے افضل ہوتا ہے۔

دوسرے: اس بات پر بھی اجماع ہے کہ) علی علیہ السلام)پیغمبر نہیں تھے۔ مذکورہ ان

۱۔اعراف /۱۴۲

۲۔اس سلسلہ میں مصنف کا پمفلٹ "حدیث غدیر، ثقلین ومنزلت کی روشنی میں امامت "ملاحظ فرمائیں۔

۳۔ شیعوں کا ایک بڑا عقیدہ شناس عالم جس کا پہلے ذکرآیا ہے۔

دو مقدموں کے ذریعہ ثابت ہو جاتا ہے کہ آیہ ء شریفہ حضرت علی(علیہ السلام)کی گزشتہ انبیاء) علیہم السلام)پر افضلیت کو ثابت نہیں کرتی ہے۔

فخر رازی کے اعتراض کا جواب

ہم فخر رازی کے جواب میں کہتے ہیں:

پہلی بات یہ کہ اس پر اجماع ہے کہ ہر "نبی غیر نبی سے افضل ہے"اس میں عمومیت نہیں ہے کہ جس سے یہ ثابت کریں کہ ،ہر نبی دوسرے تمام افرادپر حتی اپنی امت کے علاوہ دیگر افراد پر بھی فوقیت وبرتری رکھتا ہے بلکہ جو چیز قابل یقین ہے وہ یہ کہ ہر نبی اپنی امت سے افضل ہوتا ہے۔اور اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے یہ کہاجائے:"مرد عورت سے افضل ہے" اور یہ اس میں معنی ہے کہ مردوں کی صنف عورتوں کی صنف سے افضل ہے نہ یہ کہ مردوں میں سے ہر شخص تمام عورتوں پر فضیلت وبرتری رکھتا ہے۔اس بناء پراس میں کوئی منافات نہیں ہے کہ بعض عورتیں ایسی ہیں جو مردوں پر فضیلت رکھتی ہیں۔

دوسرے یہ کہ:مذکورہ مطلب پر اجماع کا واقع ہونا ثابت نہیں ہے،کیونکہ شیعہ علماء نے ہمیشہ اس کی مخالفت کی ہے اوروہ اپنے ائمہ معصومین) علیہم السلام) کو قطعی دلیل کی بناء پر گزشتہ انبیاء سے برتر جانتے ہیں۔

ابوحیان اندلسی نے تفسیر"البحر المحیط ۱"میں شیعوں کے استدلال پرآیت میں نفس سے مراد تمام صفات میں ہم مثل اور مساوی ہوناہے)فخر رازی ۲ کا ایک اور اعتراض نقل

کیا ہے جس میں یہ کہا ہے:

"نفس کے اطلاق میں یہ ضروری نہیں ہے تمام اوصاف میں یکسانیت ویکجہتی

۱۔البحر المحیط،ج۲،ص۴۸۱،مؤسسہ التاریخ العربی،داراحیائ التراث العربی

۲۔اگرابوحیان کارازی سے مقصودوہی فخر رازی ہے تو ان اعتراضات کواس کی دوسری کتابوں سے پیدا کرنا چاہئے،کیونکہ تفسیر کبیرمیں صرف وہی اعتراضات .بیان کئے گئے ہیں جوذکرہوئے۔

ہو،چنانچہ متکلمین نے کہا ہے:" صفات نفس میں یک جہتی اوریک سوئی یہ متکلمین کی ایک اصطلاح ہے، اورعربی لغت میں یکسانیت کابعض صفات پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔عرب کہتے ہیں:"ہذامن انفسنا"یعنی:یہ "اپنوں میں سے ہے،یعنی ہمارے قبیلہ میں سے ہے۔"

اس کاجواب یہ ہے کہ تمام صفات یابعض صفات میں یکسانیت ویکجہتی یہ نہ تو لغوی بحث ہے اور نہ ہی کلامی ،بلکہ یہ بحث اصول فقہ سے مربوط ہے،کیونکہ جب نفس کا اس کے حقیقی معنی میں استعمال نا ممکن ہو تو اسے اس کے مجازی معنی پر عمل کرنا چاہے اور اس کے حقیقی معنی سے نزدیک ترین معنی کہ جس کو اقرب المجازات سے تعبیرکیا جاتا ہے)کواخذ کرنا چاہیئے اور"نفس"کے حقیقی معنی میں اقرب المجازات مانندو مثل ہوناہے۔

یہ مانندو مثل ہونامطلق ہے اوراس کی کوئی محدودیت نہیں ہے اوراس اطلاق کاتقاضاہے کہ علی علیہ السلام تمام صفات میں پیغمبراکرم ﷺ کے مانندو مثل ہیں،صرف نبوت ورسالت جیسے مسائل قطعی دلائل کی بناپراس مانندو مثل کے دائرے سے خارج ہیں۔اس وضاحت کے پیش نظرتمام اوصاف اورعہدے اس اطلاق میں داخل ہیں لہذامن جملہ تمام انبیاء پرفضیلت اورتمام امت پرسرپرستی کے حوالے سے آپ (علیہ السلام)علی الاطلاق رسول ﷺ کے مانندہیں۔

ابن تیمیّہ کا اعتراض

ابن تیمیّہ حضرت علی علیہ السلام کی امامت پرعلامہ حلی کے استدلال کوآیہء مباہلہ سے بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

"یہ کہ پیغمبراکرم (ص)مباہلہ کے لئے علی،فاطمہ اورحسن وحسین) علیہم السلام)کو اپنے ساتھ لے گئے یہ صحیح حدیث میں ایاہے [1] ،لیکن یہ علی(علیہ السلام)کی امامت اور ان کی افضلیت پردلالت نہیں کرتاہے،کیونکہ یہ دلالت اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب آیہء شریفہ علی(علیہ السلام) کے پیغمبر(ص) کے مساوی ہونے پردلالت کرے حالانکہ آیت میں ایسی کوئی دلالت نہیں ہے کیونکہ کوئی بھی شخص پیغمبر(ص) کے مساوی نہیں ہے،نہ علی(علیہ السلام)اورنہ ان کے علاوہ کوئی اور۔

دوسرے یہ کہ"انفسنا"کالفظ عربی لغت میں مساوات کا معنی میں نہیں ایاہے [2] اورصرف ہم جنس اور مشابہت پردلالت کرتاہے۔اس سلسلہ میں بعض امور مشابہت،جیسے ایمان یادین میں اشتراک کافی ہے اوراگرنسب میں بھی اشتراک ہوتواور اچھا ہے۔اس بناپرآیہ شریفہ ۔۔۔ (أنفسنا وأنفسكم) ۔۔۔میں "انفسنا" سے مرادوہ لوگ ہیں جودین اورنسب میں دوسروں سے زیادہ نزدیک ہوں۔اس لحاظ سے آنحضرت (ص)۔بیٹوں میں سے حسن وحسین)علیہما السلام)اور عورتوں میں سے فاطمہ زہرا(سلام اللہ علیہا)اورمردوں میں سے علی)علیہ ا لسلام)کواپنے ساتھ لے گئے اورآنحضرت(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)کے لئے ان سے زیادہ نزدیک ترکوئی نہیں تھا۔دوسرے یہ کہ مباہلہ اقرباء سے انجام پاتاہے نہ ان افراد سے جوانسان سے دورہوں،اگرچہ یہ دوروالے افرادخداکے نزدیک افضل وبرترہوں۔

۱۔ابن تیمیہ نے قبول کیا ہے کہ آیہء شریفہ میں "انفسنا"مذکورہ حدیث کے پیش نظرعلی علیہ السلام پرانطباق کرتاہے

۲۔ابن تیمیہ نے اپنی بات کے ثبوت میں قرآن مجیدکی پانچ آیتوں کوبیان کیاہے،من جملہ ان میں یہ آیتیں ہیں:

الف۔ (و لولا إذسمعتموہ ظن المؤمنون والمؤمنات بأنفسهم خيراً) نور/۱۲ "آخرایساکیوں نہ ہواکہ جب تم لوگوں نے اس تہمت کوسناتومومن ومومنات اپنے بارے میں خیرکاگمان کرتے"مقصودیہ ہے کہ کیوں ان میں سے بعض لوگ بعض دوسروں پراچھاگمان نہیں رکھتے ہیں۔

ب۔ (ولا تلمزوا أنفسكم) حجرات/۱۱ "آپس میں ایک دوسرے کوطعنے بھی نہیں دینا"

ابن تیمیہ کہ جس نے رشتہ کے لحاظ سے نزدیک ہونے کا ذکرکیا ہے اوردوسری طرف پیغمبر (ص) کےچچاحضرت عباس کہ جورشتہ داری کے لحاظ سے حضرت علی علیہ السلام کی بہ نسبت زیادہ قریب تھے اورزندہ تھے۔ کے بارے میں کہتاہے:

"عباس اگرچہ زندہ تھے، لیکن سابقین اولین)دعوت اسلام کو پہلے قبول کرنے والے) میں ان کا شمار نہیں تھااور پیغمبراکرم ﷺ کےچچیرے بھائیوں میں بھی کوئی شخص علی(علیہ السلام) سے زیادہ آپ سے نزدیک نہیں تھا۔اس بنا پرمباہلہ کے لئے علی(علیہ السلام)کی جگہ پُرکرنے والاپیغمبر(ص)کے خاندان میں کوئی ایسا نہیں تھا کہ جس کو آپ انتخاب کرتے یہ مطلب کسی بھی جہت سے علی(علیہ السلام)کے آنحضرت (ص)سے مساوی ہونے پردلالت نہیں کرتا ہے۔"

ابن تیمیہ کے اعتراض کا جواب

ابن تیمیہ کاجواب چندنکتوں میں دیاجاسکتاہے:

۱۔ اس کا کہناہے:"پیغمبر (ص)کے مساوی ومانند کوئی نہیں ہوسکتا ہے"۔اگرمساوی ہونے کا مفہوم و مقصدتمام صفات،من جملہ نبوت و رسالت میں ہے تویہ صحیح ہے۔لیکن جیسا کہ بیان ہوا مساوی ہونے کا اطلاق پیغمبر(ص)کی ختم نبوت پر قطعی دلیلوں کی وجہ سے مقید ہے اوراس کے علاوہ دوسرے تمام امورمیں پیغمبرکے مانند و مساوی ہونا مکمل طورپراپنی جگہ باقی ہے اوراس کے اطلاق کوثابت کرتا ہے دوسری طرف سے اس کی یہ بات کہ"انفسنا"کا لفظ عربی لغت میں مساوات کے معنی کا اقتضاء نہیں کرتا ہے"صحیح نہیں ہے اگرچہ اس نے قرآن مجید کی چند ایسی آیتوں کو بھی شاہد کے طورپر ذکرکیا ہے جن میں "أنفسهم یاأنفسکم"کا لفظ استعمال ہوا ہے، حتی کہ ان آیتوں میں بھی مساوی مراد ہے۔مثلاًلفظ"ولاتلمزوا أنفسکم"یعنی"اپنی عیب جوئی نہ کرو"جب لفظ"انفس"کا اطلاق دوسرے افرادپرہوتاہے،تومعنی نہیںرکھتاہے وہ حقیقت میں خودعین انسان ہوں۔ناچاران کے مساوی اورمشابہ ہونے کامقصد مختلف جہتوں میں سے کسی ایک جہت میں ہے اور معلوم ہے کہ وہ جہت اس طرح کے استعمالات میں کسی ایمانی مجموعہ یاقبیلہ کے مجموعہ کا ایک جزو ہے۔

اس بناء پر ان اطلاقات میں بھی مساوی ہونے کا لحاظ ہوا ہے ، لیکن اس میں قرینہ موجود ہے کہ یہ مساوی ایک خاص امر میں ہے اور یہ اس سے منافات نہیں رکھتا ہے اور اگر کسی جگہ پر قرینہ نہیں ہے تو مساوی ہونے کا قصد مطلق ہے، بغیر اس کے کہ کوئی دلیل اسے خارج کرے۔

۲۔ابن تیمیہ نے قرابت یا رشتہ داری کو نسب سے مرتبط جانا ہے، یہ بات دو دلیلوں سے صحیح نہیں ہے:

سب سے پہلے بات تو یہ، مطلب آیہء شریفہ ''نسائنا ونسائکم'' سے سازگار نہیں ہے، کیونکہ ''نسائنا''کا عنوان نسبی رشتہ سے کوئی ربط نہیں رکھتا ہے۔البتہ یہ منافی نہیں ہے کہ حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا آنحضرت ﷺ کی دختر گرامی تھیں اور آپ سے نسبی قرابت رکھتی تھیں، کیونکہ واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ سے ''بناتنا'' ''ہماری'' بٹیاں)جو نسبی قرابت کی دلیل ہے) کے ذریعہ تعبیر نہیں کیا گیا ہے، بلکہ ''نساء نا''کی تعبیر آئی ہے، اس لحاظ سے چونکہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اس خاندان کی عورتوں میں سے ہیں اس لئے اس مجموعہ میں شامل ہیں۔اس کے علاوہ کوئی اور عورت کہ جو اس لائق ہو کہ مباہلہ میں شریک ہو سکے وجود نہیں رکھتی تھی ۔[1]

دوسرے یہ کہ اگر معیار قرابت نسبی اور رشتہ داری ہے تو آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس(ع) اس جہت سے آنحضرت ﷺ سے زیادہ نزدیک تھے لیکن اس زمرے میں انھیں شریک نہیں کیا گیا ہے!

۱۔جیساکہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔

اس لحاظ سے قرابت، یعنی نزدیک ہونے سے مراد پیغمبر اکرم (ص) سے معنوی قرابت ہے۔ جس کا ابن تیمیہ نے مجبور ہو کر اعتراف کیا ہے اور کہتا ہے:

"علی (علیہ السلام) سابقین اور اولین میں سے تھے، اس لحاظ سے دوسروں کی نسبت آنحضرت (ص) سے زیادہ نزدیک تھے۔"

احادیث کی رو سے مباہلہ میں شامل ہونے والے افراد پیغمبر اسلام ﷺ کے خاص رشتہ دار تھے کہ حدیث میں انھیں اہل بیت رسول علیہم السلام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ان میں سے ہر ایک اہل بیت پیغمبر) علیہم السلام) ہونے کے علاوہ ایک خاص عنوان کا مالک ہے، یعنی ان میں سے بعض "ابنائنا" کے عنوان میں شامل ہیں اور بعض "نسائنا" کے عنوان میں شامل ہیں اور بعض دوسرے "انفسنا" کے عنوان میں شامل ہیں۔

مذکورہ وضاحت کے پیش نظریہ واضح ہوگیا کہ "انفسنا" کے اطلاق سے نسبی رشتہ داری کا تبادر وانصراف نہیں ہوتا ہے اور علی علیہ السلام کا پیغمبر خدا ﷺ کے مانند و مساوی ہونا تمام صفات، خصوصیات اور عہدوں سے متعلق ہے، مگر یہ کہ کوئی چیز دلیل کی بنیاد پر اس سے خارج ہوئی ہو۔

اہل بیت علیہم السلام کے مباہلہ میں حاضر ہونے کا مقصد واضح ہوگیا کہ مباہلہ میں شریک ہونے والے افراد کی دعا رسول خدا ﷺ کی دعا کے برابر تھی اور ان افراد کی دعاؤں کا بھی وہی اثر تھا جو آنحضرت ﷺ کی دعا کا تھا اور یہ اس مقدس خاندان کے لئے ایک بلند و برتر مرتبہ و مقام ہے۔

تیسرا باب:

امامت، آیہ اولی الامر کی روشنی میں

(يا أيّها الّذين آمنوا أطيعوا اللّه و أطيعوا الرسول واولى الأمر منكم فإن تنازعتم فى شىءٍ فردوه إلى الله و الرّسول إن كنتم تؤمنون با الله و اليوم الأخر، ذلک خير و أحسن تأويلاً) (نساء/۵۹)

"اے صاحبان ایمان! اللہ کی اطاعت کرورسول اوراولوالامر کی اطاعت کرو جو تمھیں میں سے ہیں پھر اگرآپس میں کسی بات میں اختلاف ہوجائے تو اسے خدااوررسول کی طرف پلٹادواگر تم اللہ اورروزآخرت پرایمان رکھنے والے ہو۔یہی تمھارے حق میں خیراورانجام کے اعتبار سے بہترین بات ہے۔"

خداوندمتعال نے اس آیہ شریفہ میں مومنین سے خطاب کیاہے اورانھیں اپنی اطاعت، پیغمبراسلام (ص)کی اطاعت اوراولی الامر کی اطاعت کرنے کاحکم فرمایاہے۔

یہ بات واضح ہے کہ پہلے مرحلہ میں خداوندمتعال کی اطاعت، ان احکام کے بارے میں ہے کہ جوخداوندمتعال نے انھیں قرآن مجیدمیں نازل فرمایاہے اورپیغمبر ﷺ نے ان احکام کولوگوں تک پہنچایاہے، جیسے کہ یہ حکم: (أقيمواالصلوٰة وآتواالزكوٰة)

پیغمبر(ص)کے فرامین کی اطاعت دو حیثیت سے ممکن ہے:

۱۔وہ فرمان جوسنّت کے عنوان سے آنحضرت)ص)کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں:

یہ اوامراگرچہ احکام الٰہی ہیں جوآنحضرت ﷺ پربصورت وحی نازل ہوئے ہیں اورآنحضرت ﷺ نے انھیں لوگوں کے لئے بیان فرمایاہے، لیکن جن مواقع پریہ اوامر"امركم بكذااوانهاكم من هذا")میں تم کو اس امرکا حکم دیتا ہونیااس چیزسے منع کرتاہوں)کی تعبیرکے ساتھ ہوں)کہ فقہ کے باب میں اس طرح کی تعبیریں بہت ہیں)ان اوامراورنواہی کوخودآنحضرت (ص) کے اوامرونواحی سے تعبیرکیا جا سکتا ہے نتیجہ کے طورپر ان کی اطاعت آنحضرت کی اطاعت ہوگی،چونکہ مذکورہ احکام خداکی طرف سے ہیں، اس لئے ان احکام پر عمل کرنا بھی خداکی اطاعت ہوگی۔

۲۔وہ فرمان،جوآنحضرت)ص)نے مسلمانوں کے لئے ولی اورحاکم کی حیثیت سے جاری کئے ہیں۔

یہ وہ احکام ہیں جوتبلیغ الٰہی کا عنوان نہیںرکھتے ہیں بلکہ انھیں انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لحاظ سے جاری فرمایاہے کہ آپ مسلمانوں کے ولی،سرپرست اورحاکم تھے، جیسے جنگ وصلح نیزحکومت اسلامی کواداره کرنے اورامت کی سیاست کے سلسلہ میں جاری کئے جانے والے فرامین۔

آیہء شریفہ میں (وأطیعواالرّسول) کاجملہ مذکورہ دونوں قسم کے فرمانوں پر مشتمل ہے۔

تمام اوامرونواہی میں پیغمبر(ص)کی عصمت

پیغمبر اکرم ﷺ کی عصمت کوثابت کرنے کے بارے میں علم کلام میں بیان شدہ قطعی دلائل کے پیش نظر،آنحضرت (ص)ہر شی کا حکم دینے یا کسی چیز سے منع کرنے کے سلسلہ میں بھی معصوم ہیں۔آپ(ع)نہ صرف معصیت وگناہ کا حکم نہیں دیتے ہیں،بلکہ آنحضرت (ص)،امرونہی میں بھی خطا کرنے سے محفوظ ہیں۔

ہم اس آیہء شریفہ میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی اطاعت مطلق اورکسی قیدوشرط کے بغیربیان ہوئی ہے۔ اگرآنحضرت (ص)کے امرونہی کرنے کے سلسلہ میں کوئی خطاممکن ہوتی یااس قسم کااحتمال ہوتاتو آیہء شریفہ میں انحضرت ﷺ کی اطاعت کا حکم قید و شرط کے ساتھ ہوتا اورخاص مواقع سے مربوط ہوتا۔

ماں باپ کی اطاعت جیسے مسائل میں،کہ جس کی اہمیت پیغمبر ﷺ کی اطاعت سے بہت کم ہے،لیکن جب خدائے متعال والدین سے نیکی کرنے کاحکم بیان کرتا ہے،تو فرماتا ہے:

(و وصّینا الأنسان بوالدیہ حسناً و إن جاھدک لتشرک بی مالیسلک بہ علم فلا تطعھما) (عنکبوت/۸)

"اورہم نے انسان کوماں باپ کے ساتھ نیکی کا برتاؤکرنے کی وصیت کی ہے اور بتایا ہے کہ اگروہ تم کومیرا شریک قرار دینے پر مجبورکریں کہ جس کہ کاتمھیں علم نہیں ہے توخبرداران کی اطاعت نہ کرنا۔"

جب احتمال ہوکہ والدین شرک کی طرف ہدایت کریں توشرک میں ان کی اطاعت کرنے سے منع فرماتاہے،لیکن آیہء کریمہ (أُولیّ الأمر) میں پیغمبر ﷺ کی اطاعت کوکسی قیدوشرط سے محدودنہیں کیاہے۔

پیغمبراکرم ﷺ کی اطاعت کوکسی قیدوشرط کے بغیرتائیدوتاکیدکرنے کے سلسلہ میں ایک اورنکتہ یہ ہے کہ قرآن مجیدکی متعددآیات میں انحضرت ﷺ کی اطاعت خداوندمتعال کی اطاعت کے ساتھ اورلفظ"اطیعوا"کی تکرارکے بغیرذکرہوئی ہے۔آیہء شریفہ (وأطیعوااللہ والرّسول لعلّکم ترحمون) یعنی"خدااوررسول کی اطاعت کروتاکہ موردرحمت قرارپاؤ"مذکورہ میں صرف ایک لفظ"اطیعوا"کاخدااورپیغمبردونوں کے لئے استعمال ہونا اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اطاعت کا واجب ہوناخداکی اطاعت کے واجب ہونے کے مانندہے۔اس بناء پرپیغمبر ﷺ کے امرپراطاعت کرناقطعی طورپراطلاق رکھتا ہے اورناقابل شک وشبہ ہے۔

أولوالامرکی اطاعت

ائمہ علیہم السلام کی امامت و عصمت کے سلسلہ میں آیۂمذکورہ سے استفادہ کرنے کے لئے مندرجہ چندابعادپرتوجہ کرناضروری ہے:

۱۔اولوالامرکامفہوم

۲۔اولوالامرکامصداق

۳۔اولوالامراورحدیث "منزلت"حدیث"اطاعت"اورحدیث"ثقلین"

۴۔شیعہ اورسنی منابع میں اولوالامرکے بارے میں چنداحادیث

اولوالامرکامفہوم

اولو الامر کا عنوان ایک مرکب مفہوم پر مشتمل ہے۔اس جہت سے پہلے لفظ"اولوا" اور پھر لفظ "الامر"پرتوجہ کرنی چاہئے:

اصطلاح"اولوا"صاحب اور مالک کے معنی میں ہے اورلفظ"امر"دومعنی میں ایاہے: ایک "فرمان" کے معنی میں دوسرا"شان اورکام"کے معنی میں ۔"شان وکام"کامعنی زیادہ واضح اور روشن ہے،کیونکہ اسی سورۂ نساء کی ایک دوسری آیت میں لفظ"اولی الامر"بیان ہواہے:

(و إذجاء هم أمر من الأمن أو الخوف أذاعوا به و لوردّوه إلى الرّسول و إلى أولى الأمر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم) ۔۔(نساء/۸۳)

"اورجب ان کے پاس امن یاخوف کی خبرآتی ہے توفوراًنشرکردیتے ہیں حالانکہ اگررسولاورصاحبان امرکی طرف پلٹادیتے توان میں ایسے افرادتھے کہ جوحقیقت حال کاعلم پیداکرلیتے۔"

اس آیہء شریفہ میں دوسرامعنی مقصودہے،یعنی جولوگ زندگی کے اموراوراس کے مختلف حالتوں میں صاحب اختیارہیں،اس آیت کے قرینہ کی وجہ سے"اولی الامر"کالفظ موردبحث آیت میں بھی واضح ہوجاتاہے۔

مورد نظر آیت میں اولوالامر کے مفہوم کے پیش نظر ہم اس نکتہ تک پہنچ جاتے ہیں کہ "اولوالامر" کا لفظ صرف ان لوگوں کو شامل ہے جو در حقیقت فطری طور پر امور کی سرپرستی اور صاحب اختیار ہونے کے لائق ہیں اور چونکہ خداوند متعال ذاتی طور پر صاحب اختیار ہے اور تمام امور میں سرپرستی کا اختیار رکھتا ہے، اس لئے اس نے یہ سرپرستی انھیں عطا کی ہے۔ خواہ اگر بظاہر انھیں اس عہدے سے محروم کر دیا گیا ہو، نہ ان لوگوں کو جو زور و زبردستی اور ناحق طریقہ سے مسلط ہو کر لوگوں کے حکمران بن گئے ہیں۔ اس لئے کہ صاحب خانہ وہ ہے جو حقیقت میں اس کا مالک ہو چا ہے وہ غصب کر لیا گیا ہو، نہ کہ وہ شخص جس نے زور و زبردستی یا مکر و فریب سے اس گھر پر قبضہ کر لیا ہے۔

اولوالامر کا مصداق

اولوالامر کے مصادیق کے بارے میں مفسرین نے بہت سے اقوال پیش کئے ہیں۔ اس سلسلہ میں جو نظریات ہمیں دستیاب ہوئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ امراء

۲۔ اصحاب پیغمبر ﷺ

۳۔ مہاجرین و انصار

۴۔ اصحاب اور تابعین

۵۔ چاروخلفاء

۶۔ ابوبکر و عمر

۷۔ علماء

۸۔جنگ کے کمانڈر

۹۔ائمہ ء معصومین) علیہم السلام)

۱۰۔علی(علیہ السلام)

۱۱۔وہ لوگ جوشرعی لحاظ سے ایک قسم کی ولایت اورسرپرستی رکھتے ہیں۔

۱۲۔اہل حل وعقد

۱۳۔امرائے حق [1]

ان اقوال پر تحقیق اورتنقید کرنے سے پہلے ہم خودآیہء کریمہ میں موجودنکات اورقرائن پرغورکرتے ہیں:

آیت میں اولواالامرکامرتبہ

بحث کے اس مرحلہ میں ایہء شریفہ میں اولواالامرکی اطاعت کرنے کی کیفیت قابل توجہ ہے:

پہلانکتہ: اولواالامرکی اطاعت میں اطلاق آیہء شریفہ میں اولواالامرکی اطاعت مطلق طورپرذکرہوئی ہے اوراس کے لئے کسی قسم کی قیدوشرط .بیان نہیں ہوئی ہے،جیساکہ رسول اکرم صل ﷺ کی اطاعت میں اس بات کی تشریح کی گئی۔

یہ اطلاق اثبات کرتاہے کہ اولواالامرمطلق اطاعت کے حامل و سزاوارہیں اوران کی اطاعت خاص دستور، مخصوص حکم یا کسی خاص شرائط کے تحت محدودنہیں ہے،بلکہ ان کے تمام اوامرونواہی واجب الاطاعت ہیں۔

۱۔تفسیرالبحرالمحیط،ج۳،ص۲۷۸،التفسیرالکبیر

دوسرا نکتہ: اولوالامر کی اطاعت، خدا اور رسولکی اطاعت کے سیاق میں یعنی ان تین مقامات کی اطاعت میں کوئی قیدوشرط نہیں ہے اور یہ سیاق مذکورہ اطلاق کی تاکید کرتا ہے۔

تیسرا نکتہ: اولوالامر میں "اطیعوا" کا تکرار نہ ہونا۔ گزشتہ نکات سے اہم تر اس نکتہ کا مقصد یہ ہے کہ خدا و رسولکی اطاعت کے لئے آیہء شریفہ میں ہرایک کے لئے الگ سے ایک "اطیعوا" لایا گیا ہے اور فرمایا ہے: ۔۔۔۔ (أطيعوالله وأطيعواالرّسول) لیکناولوالامر کی اطاعت کے لئے "اطیعوا" کے لفظ کی تکرار نہیں ہوئی ہے بلکہاولی الامر "الرسول" پر عطف ہے، اس بناپروہی "اطیعوا" جو رسول کے لئے آیا ہے وہ اولی الامر سے بھی متعلق ہے۔

اس عطف سے معلوم ہوتا ہے کہ "اولوالامر" اور "رسول" کے لئے اطاعت کے حوالے سے دو الگ الگ واجب نہیں ہیں بلکہ وجوب اطاعت اولوالامر وہی ہے جو وجوب اطاعت رسولہے یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اولوالامر کی اطاعت تمام امرونہی میں رسول اکرم (ص) کی اطاعت کے مانند ہے اور اس کا نتیجہ گناہ وخطا سے اولوالامر کی عصمت، تمام اوامرونواہی میں رسول کے مانند ہے۔

اس برہان کی مزید وضاحت کے لئے کہا جاسکتا ہے: آیہء شریفہ میں رسول اکرم صل ﷺ اوراولوالامر کی اطاعت کے لئے ایک "اطیعوا" سے زیادہ استعمال نہیں ہوا ہے اور یہ "اطیعوا" ایک ہی وقت میں مطلق بھی ہو اور مقیّد بھی یہ نہیں ہوسکتا ہے یعنی یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ "اطیعوا" رسول خدا ﷺ کے بارے میں مطلق ہے اوراولوالامر کے بارے میں مقیّد ہے، کیونکہ اطلاق اور قید قابل جمع نہیں ہیں۔ اگر "اطیعوا" پیغمبر ﷺ کے بارے میں مطلق ہے اور کسی قسم کی قید نہیں رکھتا ہے،) مثلاً اس سے مقیّد نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کا امرونہی گناہ یا اشتباہ کی وجہ سے نہ ہو) تواولوالامر کی اطاعت بھی مطلق اور بلا قید ہونی چاہئے ورنہ نقیضین کا جمع ہونا لازم ہوگا۔

ان نکات کے پیش نظریہ واضح ہوگیاکہ آیہء کریمہ اس امرپر دلالت کرتی ہے کہ اس آیت میں "اولوالامر"پیغمبراکرم ﷺ کے مانند معصوم ہیں۔

یہ مطلب کہ"اولوالامرکی اطاعت"آیہء کریمہ میں مذکورہ خصوصیات کے پیش نظر،اولوالامرکی عصمت پر دلالت ہے،بعض اہل سنّت [1] مفسرین،من جملہ فخررازی کی توجہ کا سبب بنا ہے۔اس لحاظ سےیہاں پران کے بیان کاخلاصہ جواس مطلب پر قطعی استدلال ہےکی طرف اشارہ کرنا مناسب ہے:

آیہء اولوالامرکے بارے میں فخررازی کا قول

فخررازی نے بھی"اولوالامر"کی عصمت کوآیہء شریفہ سے استفادہ کیا ہے ان کے بیان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"خداوند متعال نےآیہء کریمہ میں "اولوالامر"کی اطاعت کو قطعی طورپرضروری جانا ہے،اورجس کسی کے لئے اس قسم کی اطاعت واجب ہواس کاخطاواشتباہ سے معصوم ہوناناگزیر ہے،کیونکہ اگر وہ خطاواشتباہ سے معصوم نہ ہو اور بالفرض وہ خطا کا مرتکب ہو جائے تو ،اس آیت کے مطابق اس کی اطاعت کرنی ہوگی!اوریہ ایک امرخطا واشتباہ کی اطاعت ہوگی،جبکہ خطااوراشتباہ کی نہی کی جاتی ہے لہذا انہیں چاہے کراس کے امرکی پیروی کیجائے،کیونکہ اس قسم کے فرض کانتیجہ فعل واحدمیں امرونہی کا جمع ہونا ہے)جو محال ہے) [2]۔

فخررازی اولوالامرکی عصمت کوآیہء سے استدلال کرنے کے بعد،یہ مشخص کرنے کے لئےکہ اولوالامرسے مرادکون لوگ ہیں کہ جن کامعصوم ہوناضروری ہے کہتا ہے:

۱۔غرائب القرآن،نیشابوری،ج۲،ص۴۳۴،دارالکتب العلمیۃ بیروت،تفسیرالمنار،شیخ محمدعبدہ ورشیدرضا،ج۵،ص۱۸۱دارالمعرفۃبیروت

۲۔التفسیرالکبیر،آیت کے ذیل میں

" اولوالامر سے مرادشیعہ امامیہ کے ائمہ معصومین علیہم السلام(ع)نہیں ہو سکتے ہیں،بلکہ اس سے مراداہل حل وعقد)جن کے ذمہ معاشرہ کے اہم مسائل کے حل کرنے کی ذمہ داری ہے)کہ جواپنے حکم اور فیصلے میں معصوم ہوتے ہیں اوران کے فیصلے سوفیصد صحیح اورمطابق واقع ہوتے ہیں"۔

فخررازی کاجواب

یہ بات کہ اولوالامر سے مراد اہل حل وعقدہیں اور وہ اپنے حکم اور فیصلہ میں معصوم ہیں،مندرجہ ذیل دلائل کے پیش نظر صحیح نہیں ہے:

۱۔آیہء کریمہ میں "اولوالامر"کا لفظ جمع اورعام ہے کہ جو عمومیت و استغراق پر دلالت کرتا ہے۔اگر اس سے مراد اہل حل وعقدہوں گے تو اس کی دلالت ایک مجموعی واحد پر ہوگی اور یہ خلاف ظاہر ہے۔

وضاحت یہ ہے کہ آیہء کریمہ کاظاہر یہ بتاتاہے کہ ایسے صاحبان امرکی اطاعت لازم ہے جن میں سے ہر کوئی، واجب الاطاعت ہو ،نہ یہ کہ وہ تمام افراد) ایک مشترک فیصلہ کی بنیادپر)ایک حکم رکھتے ہوں اور اس حکم کی اطاعت کرنا واجب ہو۔

۲۔عصمت،ایک تحفظ الٰہی ہے،ایک ملکہ نفسانی اور حقیقی صفت ہے اوراس کے لئے ایک حقیقی موصوف کاہوناضروری ہے اوریہ لازمی طورپرایک امرواقعی پر قائم ہونا چاہئے جبکہ اہل حل وعقدایک مجموعی واحدہے اور مجموعی واحد ایک امراعتباری ہوتا ہے اورامر واقعی کا امراعتباری پر قائم ہونا محال ہے۔

۳۔مسلمانوں کے درمیان اس بات پر اتفاق نظر ہے کہ شیعوں کے ائمہ اورانبیاء کے علاوہ کوئی معصوم نہیں ہے۔

ائمہ ء معصومین)ع (کی امامت پر فخررازی کے اعتراضات

اس کے بعد فخررازی نے شیعہ امامیہ کے عقیدہ، یعنی "اولوالامر" سے مرادبارہ ائمہ معصومین ہیں،کے بارے میں چنداعتراضات کئے ہیں:

پہلا اعتراض:ائمہ ء معصومین) علیہم السلام) کی اطاعت کا واجب ہونا یا مطلقاً ہے یعنی اس میں ان کی معرفت وشناخت نیزان تک رسائی کی شرط نہیں ہے،تو اس صورت میں تکلیف مالایطاق کا ہونا لازم آتا ہے،کیونکہ اس فرض کی بنیادپر اگر ہم انھیں نہ پہچان سکیں اوران تک ہماری رسائی نہ ہو سکے،تو ہم کیسے ان کی اطاعت کریں گے؟یا ان کی شناخت اور معرفت کی شرط ہے،اگر ایسا ہے تویہ بھی صحیح نہیں ہے ،کیونکہ اس بات کا لازمہ ان کی اطاعت کا واجب ہونامشروط ہوگا،جبکہ آیہ ء شریفہ میں ان کی اطاعت کا واجب ہونا مطلقاً ہے اوراس کے لئے کسی قسم کی قیدوشرط نہیں ہے ۔

جواب:ائمہ ء معصومین کی اطاعت کے واجب ہونے میں ان کی معرفت شرط نہیں ہے تاکہ اگرکوئی انھیں نہ پہچانے تواس پران کی اطاعت واجب نہ ہو،بلکہ ان کی اطاعت بذات خودمشروط ہے۔نتیجہ کے طورپر انھیں پہچاننا ضروری ہے تاکہ ان کی اطاعت کی جاسکے اوران دونوں کے درمیان کافی فرق ہے۔

مزیدوضاحت:بعض اوقات شرط، شرط وجوب ہے اور بعض اوقات شرط،شرط واجب ہے۔مثلاً وجوب حج کے لئے استطاعت کی شرط ہے اورخوداستطاعت وجوب حج کی شرط ہے۔اس بناء پر اگر استطاعت نہ ہو توحج واجب نہیں ہو گا۔لیکن نمازمیں طہارت شرط واجب ہے،یعنی نماز جو واجب ہے اس کے لئے طہارت شرط ہے۔اس بناء پر اگرکسی نے طہارت نہیں کی ہے تووہ نماز نہیں پڑھ سکتا ہے،وہ گناہ کا مرتکب ہوگا،کیونکہ اس پر واجب تھاکہ طہارت کرے تاکہ نماز پڑھے۔لیکن حج کے مسئلہ میں ،اگراستطاعت نہیںرکھتا ہے تواس پرحج واجب نہیں ہے اور وہ کسی گناہ کا مرتکب نہیں ہوا ہے۔

اس سلسلہ میں بھی پیغمبر ﷺ اورامام(ع)دونوں کی اطاعت کے لئے ان کی معرفت کی شرط ہے۔اس لحاظ سے ان کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ ان کی اطاعت کی جاسکے۔پس ان کی اطاعت کاوجوب مطلقاًہے،لیکن خوداطاعت مشروط ہے۔

خدائے متعال نے بھی قطعی دلالت سے اس معرفت کے مقدمات فراہم کئے ہیں۔جس طرح پیغمبر اکرم ﷺ قطعی دلائل کی بناپر پہچانے جاتے ہیں، اسی طرح ائمہ معصومین علیہم السلام کو بھی جو آپکے جانشین ہیں قطعی اور واضح دلائل کی بناپر جیسا کہ شیعوں کے کلام اور حدیث کی کتابوں میں مفصل طور پر آیا ہے اور ان کے بارے میں معرفت اور آگاہی حاصل کرنا ضروری ہے۔

دوسرا اعتراض: شیعہ امامیہ کے عقیدہ کے مطابق ہر زمانہ میں ایک امام سے زیادہ نہیں ہوتا ہے، جبکہ "اولوالامر" جمع ہے اور متعدد اماموں کی اطاعت کو واجب قرار دیتا ہے۔

جواب: اگرچہ ہر زمانے میں ایک امام سے زیادہ نہیں ہوتا ہے، لیکن ائمہ کی اطاعت مختلف و متعدد زمانوں کے لحاظ سے ہے، اور یہ ہر زمانہ میں ایک امام کی اطاعت کے واجب ہونے کے منافی نہیں ہے۔نتیجہ کے طور پر مختلف زمانوں میں مومنین پر واجب ہے کہ جس آئمہ معصوم کی طرف سے حکم ان تک پہنچے، اس کی اطاعت کریں۔

تیسرا اعتراض: اگر آیہء شریفہ میں "اولوالامر" سے مراد آئمہ معصومین ہیں تو آیہ شریفہ کے ذیل میں جو حکم دیا گیا ہے کہ اختلافی مسائل کے سلسلہ میں خدائے متعال اور رسول (ص) کی طرف رجوع کریں، اس میں ائمہ معصومین (ع) کی طرف لوٹنے کا بھی ذکر ہونا چاہئے تھا جبکہ آیت میں یوں کہا گیا ہے: (فإن تنازعتم في شيءٍ فردّوه إلى الله والرّسول) "پھر اگر آپس میں کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اسے خدا اور رسول کی طرف ارجاع دو۔" جبکہ یہاں پر "اولوالامر" ذکر نہیں ہوا ہے۔

جواب: چونکہ ائمہ معصومین علیہم السلام اختلافات کو حل کرنے اور اختلافی مسائل کے بارے میں حکم دینے میں قرآن مجید اور سنّت (ص) کے مطابق عمل کرتے ہیں اور کتاب و سنّت کے بارے میں مکمل علم و آگاہی رکھتے ہیں، اس لئے اختلافی مسائل میں کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنا خدا اور رسول کی طرف رجوع کرنا ہے۔اسی لئے "اولوالامر" کا ذکر اور اس کی تکرار کرنا یہاں پر ضروری نہیں تھا۔

جملہء شرطیہ میں "فائے تفریع"

ایک اورنکتہ جو "اولوالامر" کے معنی کو ثابت کرنے کے لئے بہت مؤثر ہے وہ جملہئ شرطیہ میں اطیعو اللہ واطیعوا الرّسول واولی الامر کے بعد "فائے تفریع" کا پایا جانا ہے۔

یہ جملہء شرطیہ یوں ایا ہے: (فإن تنازعتم فی شيءٍ فردّوه إلی الله و رسول) اختلافی مسائل کو خدائے متعال اوررسول (ص)کی طرف پلٹانے کاوجوب، خدا، رسولاوراولی الامرکی اطاعت کے وجوب پر متفرع ہوا ہے، اوراس بیان سے بخوبی سمجھ میں آتاہے کہ اختلافی مسائل کو خدااوررسول (ص)ی طرف پلٹانے میں اولوالامرکی اطاعت دخالت رکھتی ہے۔یہ تفریع دوبنیادی مطلب کی حامل ہے:

۱۔اولوالامرکی عصمت :اس لحاظ سے کہ اگراولوالامرخطااورگناہ کامرتکب ہوگااور اختلافی مسائل میں غلط فیصلہ دے گا تواس کے اس فیصلہ کاکتاب وسنت سے کوئی ربط نہیں ہوگاجبکہ تفریع دلالت کرتی ہے کہ چونکہ اولی الامرکی اطاعت ضروری ہے لہذا چاہیئے کہ، اختلافی مسائل کو خدااوررسول ﷺ کی طرف پلٹایا جائے۔

۲۔کتاب وسنت کے بارے میں کامل ووسیع معلومات:اس لحاظ سے اگراولی الامرکتاب وسنت کے ایک حکم سے بھی جاہل ہواوراس سلسلہ میں غلط حکم جاری کرے تواس حکم میں اس کی طرف رجوع کرناگویاکتاب وسنت کی طرف رجوع نہ کرنے کے مترادف ہے۔جبکہ "فائے تفریع" سے یہ سمجھ میں آتاہے کہ اولی الامرکی اطاعت مسلسل اختلافی مسائل کوکتاب وسنت کی طرف پلٹانے کاسبب ہے۔اس لئے آیہء شریفہ میں فائے تفریع، کاوجوداولی الامر کے تعین کے لئے کہ جس سے مرادائمہ معصومین (ع)واضح قرینہ ہے۔

مذکورہ نکات سے استفادہ کی صورت میں اب تک درج ذیل چند مطالب واضح ہوگئے:

۱۔آیہء شریفہ میں "اولی الامر" سے مراد جو بھی ہیں ان کا امر ونہی کرنے میں گناہ اور خطا سے معصوم ہونا ضروری ہے۔

۲۔اولی الامر کا انطباق اہل حل وعقد پر صحیح ودرست نہیں ہے۔)جیساکہ فخر رازی کا نظریہ ہے)

۳۔اب تک جو کچھ ثابت ہوچکا ہے اس کے پیش نظر اگر "اولی الامر" کے بارے میں ہمارے بیان کئے گئے گیارہ اقوال پر نظرڈالیں،توآیہء کریمہ کی روشنی میں "اولی الامر" سے مراد تنہا شیعہ امامیہ کا نظریہ قابل قبول ہے اور یہ امران کے علاوہ دوسروں کے عدم عصمت پر اجماع ہونے کی بھی تاکید کرتا ہے۔

ظالم حکام اولوالامر نہیں ہیں

اولوالامر کے مفہوم میں اشارہ کیا گیا کہ اولوالامر میں صرف وہ لوگ شامل ہیں،جو امت کی سرپرستی ان کے امور کے مالک ہوں،اور یہ عنوان ان پر بھی صادق ہے کہ جنھیں ظلم اورناحق طریقہ سے امت کی سرپرستی سے علیحدہ کیا گیا ہے۔اس کی مثال اس مالک مکان کی جیسی ہے،جس کے مکان پر غاصبانہ قبضہ کرکے اسے نکال باہر کردیا گیا ہو۔

دوسرانکتہ جو"اولوالامر"کے مقام کی عظمت اور اس کے بلند مرتبہ ہونے پر دلالت کرتا ہے وہ"اولوالامر"کا خدااوررسول (ص) کے اوپر عطف ہونا ہے۔مطلقاً وجوب اطاعت میں خدا ورسول کے ساتھ یہ اشتراک و مقارنت ایک ایسا رتبہ ہے جوان کے قدرومنزلت کے لائق افراد کے علاوہ دوسروں کے لئے میسر نہیں ہے۔

یہ دواہم نکتے)مفہوم "اولوالامر"اوروجوب اطاعت کے سلسلہ میں الوالامرکا خداورسولپرعطف ہونا) خود"اولوالامر" کے دائرے سے ظالم حکام کے خارج ہونے کوواضح کرتا ہے۔

زمخشری کاتفسیرالکشاف [1]میں اس آیہء شریفہ کے ذیل میں کہنا ہے:

"خدااوررسول (ص)ظالم حکام سے بیزارہیں اوروہ خداورسول کی اطاعت کے واجب ہونے پرعطف کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں۔ان کے لئے شائستہ ترین نام "اللصوص المتغلبہ"ہے۔یعنی ایسے راہزن کہ جو لوگوں کی سرنوشت پرزبردستی مسلط ہوگئے ہیں۔"

اس بیان سے معروف مفسرقرآن،طبری کے نظریہ کاقابل اعتراض ہوناواضح ہوجاتاہے،جس نے ظالم کام کو بھی اولوالامرکی فہرست میں شامل کرتے ہوئے ان کی اطاعت کے ضروری ہونے کی طرف اشارہ کیاہے۔

اولوالامرکے بارے میں طبری کاقول

مناسب ہے کہ ہم اس سلسلہ میں طبری کے بیان اوراستدلال کی طرف اشارہ کریں:

أولی الأقوال فی ذلک بالصواب قول من قال:"هم الأمراؤالو لاةلصحة الأخبارعن رسول الله ﷺ بالأمربطاعته الأئمّة والولاةفیماکان طاعة وللمسلمین مصلحة"

ا۔الکشاف،ج۱،ص۲۷۷۔۲۷۶،دارالمعرفۃ،بیروت

كالذى حدثنى على بن مسلم الطوسى قال:ثنا ابن أبى فديك قال:ثنى عبدالله ابن مُحَمّد بن عروة،عن هشام بن عروة،عن أبى صالح السمان،عن أبى هريرةِ:أن النبىّ- ﷺ وسلم-قال:سيليكم بعدى ولاة،فيليكم البرّببرّه،والفاجر بفجوره

فاسمعوالهم وأطيعوافى كل ماوافق الحق وصلوّاوراء هم!فإن أ حسنوا فلكم ولهم،وإن أساؤوافلكم وعليهم!

وحدثنا ابن المثنى قال:ثنا يحيى بن عبيدالله قال:أخبرنى نافع،عن عبدالله،عن النبىّ- (ص) -قال:على المرء المسلم الطا عة فيما أحبّ وكره إلاّأن يؤمر بمعصيةٍ،فمن أمربمعصية فلا طاعة حدثناابن المثنى قال:ثنى خالدبن عبيدالله،عن نافع،عن أبى عمر،عن النبىّ- (ص) -نحوه[1]

طبری نے تمام اقوال میں سے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ جس میں "اولوالامر" سے مراد مطلق حکام)نیک وبد)لیا گیاہے۔اوراس سلسلہ میں ان دواحادیث سے استدلال کیا ہے،جن میں حکمران اور فرمانرواؤں کی اطاعت کو مطلق طورپر ضروری جانا کیا گیا ہے۔

نہ صرف "اولی الامر"کا مفہوم اوراس کا رسول ﷺ پر عطف ہونا اس نظریہ کو مسترد کرتا ہے،بلکہ ایسی صورت میں طبری کے نظریہ پرچند اعتراضات بھی وارد ہوتے ہیں:

پہلا اعتراض:یہ احادیث قابل اعتبار اور حجت نہیں ہیں،کیونکہ حدیث کی سند میں پہلے ابن ابی فدیک کا نام ہے کہ اہل سنّت کے رجال وحدیث کے ایک امام،ابن سعدکا اس کے بارے میں کہنا ہے:

۱۔تفسیرطبری،ج۵،ص۹۵،دارالمعرفة،بیروت

"کان کثیرالحدیث ولیس بحجة"[1]

"اس سے کافی احادیث روایت ہوئی ہیں اور) اس کی بات) حجت نہیں ہے"

ابن حبان نے اسے خطا اور اشتباہ کرنے والا جانا ہے۔[2] اس کے علاوہ اس کی سند میں عبداللہ بن محمد بن عروة ہے کہ جس کا علم رجال کی معروف کتابوں میں موثق ہونا ثابت نہیں ہے۔

دوسری حدیث کی سند میں بھی بعض ضعیف اور مجہول افراد پائے جاتے ہیں، جیسے یحییٰ بن عبیداللہ، کے متعلق اہل سنت کے ائمہء رجال جیسے ابوحاتم، ابن عیینہ، یحییٰ القطان، ابن معین، ابن شیبہ، نسائی اوردار قطبنی نے اسے ضعیف اور قابل مذمت قراردیا ہے۔[3]

دوسرا اعتراض: ان احادیث کا آیہء "اولی الامر" سے کوئی ربط نہیں ہے اور یہ احادیث اس آیت کی تفسیر نہیں کرتی ہیں۔

تیسرا اعترض: طبری کی یہ تفسیر قرآن مجید کی دوسری آیات سے تناقص رکھتی ہے، من جملہ یہ آیہء شریفہ:

(لاتطیعوا أمرالمسرفین الذین یفسدون فی الأرض ولا یصلحون) (شعراء/ ۱۵۲-۱۵۱)

"اورزیادتی کرنے والوں کے حکم کی اطاعت نہ کرو، جوزمین میں فساد برپا کرتے ہیں اوراصلاح کے درپی نہیں ہیں"

علماء بھی اولوالامر نہیں ہیں

"اولوالامر"کا مفہوم سرپرستی اورولایت کو بیان کرتا ہے اورعلماء کا کردار لوگوں کو وضاحت اور آگاہی دینے کے علاوہ کچھ نہیں ہے، کیونکہ :

۱۔الطبقات الکبری، ج۵، ص۴۳۷، داربیروت للطباعةوالنشر

۲۔کتاب الثقات، ج۹، ص۴۲، مؤسسة الکتب الثقافیة

۳۔تہذیب التہذیب، ج۱۱، ص۲۲۱، دارالفکر

ایک تو، "اولواالامر" کے عنوان سے صاحبان علم وفقہ ذہن میں نہیں آتے ہیں مگریہ کہ خارج سے اس سلسلہ میں کوئی دلیل موجود ہو جس کے روسے علماء اوردانشوروں کو سرپرستی حاصل ہو جائے اوریہ دلالت آیت کے علاوہ ہے جنہوں نے اس قول کو پیش کیاہے،وہ اس لحاظ سے ہے کہ لوگ اپنی زندگی کے معاملات میں علماء کی اطاعت کرکے ان کی راہنمائی سے استفادہ کریں۔

دوسرے یہ کہ:اس آیہء شریفہ سے قبل والی آیت میں خداوند متعال نے حکام کے فرائض بیان کئے ہیں:

(وإذا حکمتم بین الناس أن تحکموا بالعدل)

"جب کوئی فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو"

زیر بحث آیت میں "اولواالامر" کی نسبت لوگوں کی ذمہ داریوں کو بیان کیا گیا ہے اوراس سے واضح ہوتا ہے کہ "اولواالامر" سے مرادمذکورہ صفات کے حامل وہی حکام ہیں،نہ علمائ

تیسرے یہ کہ:اگراس سے مراد علماء ہیں توکیا یہ علماء بہ طور عام اور بہ حیثیت مجموعی مرادہیں یا یہ کہ بہ حیثیت استغراقی،ان میں ہرفرد ولی امرہے اوراس کی اطاعت واجب ہے؟

اگرپہلا فرض مراد ہے ،تواس پر اعتراض اہل حل وعقد والے قول اورفخررازی کے نظریہ کے سلسلہ میں بیان ہوچکا ہے،اوراگردوسری صورت مراد ہے توآیہء شریفہ میں مطلقا طورپر کس طرح ان کی اطاعت واجب ہوئی ہے،جبکہ اگرایسا ہے تواس کے ضوابط اورشرائط قرآن وحدیث میں بیان ہونے چاہیئے تھے۔

چوتھے یہ کہ: پچھلی آیت میں "فائے تفریع "کی وضاحت میں آیہء شریفہ کے بعد والے جملہ میں آیاہے: (فإنّ تنازعتم فی شیئٍ فردّوه إلی الله والرّسول) یہ جملہ فائے تفریع کے ذریعہ پہلے والے جملہ سے مربوط ہے کہ اس کے معنی اختلافی صورت میں خدا اوررسول کی طرف رجوع کرنا خدا ورسول نیز اولی الامرکی مطلقاً اطاعت کے وجوب پر متفرع ہے۔اس جملہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ اختلافی مسائل میں خدااوررسول کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے،یہ رجوع کرنا'اولوالامر" کی اطاعت ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔اوربعد والے جملہ میں لفظ "اولواالامر"کو نہ لانے کا مقصد بھی اسی مطلب کو واضح کرتا ہے یعنی تنہا "اولوالامر" ہے جوکتاب وسنت کے معانی و مفاہیم نیزتمام پہلوؤں سے آگاہ ہے لہذا اختلافی مسائل میں اس کی طرف رجوع کرنا درحقیقت خدااوررسولکی طرف رجوع کرنا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ مطلقاً یعنی بہ طور کلی علماء ایسے نہیں ہیں سواء ان لوگوں کے کہ جو منجانب اللہ گناہ وخطاء سے محفوظ ہیں۔

آیہ ء کریمہ کے بارے میں چند دیگر نکات

اس قول کے بارے میں کہ "اولوالامر" سے مراد علماء ہیں ، مفسرین کے بیانات میں بعض قابل غور باتیں دیکھنے میں آتی ہیں ،شائستہ نکات کو ملحوظ رکھتے ہوئے آیت میں غور وخوص ان اعتراضات کو واضح کر دیتا ہے پہلا نکتہ: فاِنَ تناز عتم میں مخاطبین وہی ہیں جو (یاایّھا الذین آمنوا) میں مخاطبین ہیں۔"آیت میں مخاطب مومنین "کا اولوالامر کے درمیان تقابل کا قرینہ متقاضی ہے کہ "الذین آمنوا" "اولوالامر" کے علاوہ ہوں کہ جس میں حاکم و فرمانروا اولوالامر اور مطیع وفرمانبردار مومنین قرار دیئے جائیں ۔

دوسرانکتہ:اس نکتہ کے پیش نظر،مومنین کے اختلافات ان کے آپسی اختلافات ہیں نہ ان کے اور اولوالامر کے درمیان کے اختلافات۔

تیسرانکتہ: یہ کہ مومنین سے خطاب موردتوجہ واقع ہو اور اس کو اولی الامرکی طرف موڑدیا جائے ،یہ سیاق آیت کے خلاف ہے اوراس توجہ کے بارے میں آیہ ء شریفہ میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

چند نظریات پر تنقید

قرطبی اورجصّاص نے جملہ (فإن تنازعتم فی شیءٍ فردّوه إلی الله والرّسول) کواس پر دلیل قراردیا کہ "اولواالامر" سے مرادعلماء ہیں، اورچونکہ جو علماء نہیں ہیں وہ خدا ورسولکی طرف پلٹانے کی کیفیت کو نہیں جانتے ہیں، اس لحاظ سے خدائے تعالیٰ نے علماء کوخطاب کیا ہے اورانھیں جھگڑے اوراختلاف کی صورت میں حکم دیاہے کہ اختلافی مسئلہ کو خدا اور رسول کی طرف پلٹادیں۔ ١

ابوالسعود نے اپنی تفسیر میں اس قول کو پیش کیا ہے اورمذکورہ دومفسروں نے جو کچھ کہا ہے، اس کے خلاف ہے: جملہء "فإن تنازعتم" اس کی دلیل ہے کہ اولوالامر سے مراد علماء نہیں ہو سکتے ہیں، کیونکہ مقلد مجتہد کے حکم کے بارے میں اس سے اختلاف نہیں کرسکتا ہے! مگر یہ کہ ہم کہیں کہ جملہ "فإن تنازعتم" کا مقلدین سے کوئی ربط نہیں ہے اوریہ خطاب صرف علماء سے ہے اوراس سلسلہ میں کسی حدتک التفات ملاحظہ کیا گیا ہے لیکن یہ بھی بعید ہے۔ ٢

قرطبی اورجصّاص کے لئے یہ اعتراض ہے کہ وہ التفات)توجہ) کے قائل ہوئے ہیں اور جملہ "تنازعتم" کو علماء سے خطاب جاناہے جبکہ بظاہریہ ہے کہ' "تنازعتم" کا خطاب تمام مومنین سے ہے اوراس التفات کے بارے میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

ابوالسعودکا اشکال یہ ہے کہ اس نے آیہء شریفہ میں اختلاف کو "اولواالامر" سے مراد علماء ہونے کی صورت میں اختلاف بین علماء اور مقلدین سمجھا ہے، ،جبکہ مؤمنین سے خطاب ہے، چونکہ مؤمنین آیہء شریفہ میں اولوالامر کے مقابلہ میں قراردئے گئے ہیں ، لہٰذاان کے اختلافات ان کے آپسی اختلافات ہوں گے، نہ کہ علماء کے فرض کرنے کی صورت میں اولواالامر

١۔ جامع احکام القرآن، ج۵، ص٢٦٠، دارالفکر۔ احکام القرآن جصاص، ج٢، ص٢١٠، دارالکناف العربی۔

٢۔ ارشاد العقل السلیم، تفسیر ابوالسعود، ج٢، ص١٩٣، داراحیائ التراث العربی، بیروت۔

کے ساتھ یہاں تک واضح ہوا کہ مذکورہ نکات کے پیش نظر "اولوالامر" سے مراد علمانہیں ہوسکتے ہیں۔قرطبی اور جصاص کا نظریہ بھی صحیح نہیں ہے،جنھوں نے التفات کا سہارا لے کر اس قول کو صحیح قرار دینے کی کوشش کی ہے اورابوالسعود کا نظریہ بھی درست نہ ہونے کی وجہ سے اس کا مسترد ہونا واضح ہے۔

اصحاب اور تابعین بھی اولوالامر نہیں ہیں۔

آیہء شریفہ میں چند دوسرے ایسے نکات بھی موجودہیں کہ جن کی روشنی میں اصحاب یا اصحاب وتابعین یا مہاجرین وانصار کا اولوالامر نہ ہوناثابت کیا جاسکتا ہے:

۱۔آیہء شریفہ میں عموماً مؤمنین سے خطاب کیا گیا ہے اور ایسے افراد کہ جن کی اطاعت کرنا مؤمنین کے لئے بطور مطلق واجب ہے،ان کا ذکر ہے لہذا مؤمنین وہ لوگ ہیں کہ جن کی شان اطاعت وفرمانبرداری ہے اورخدا ورسول نیز اولوالامر کی شان مومنین کے اوپر مطلقاً اختیار اور فرمانروائی ہے ،ان دونوں کا)مفہوم)ایک دوسرے کے مد مقابل واقع ہونا واضح قرینہ ہے کہ مؤمنین "اولوالامر" کے علاوہ ہیں۔مؤمنین کی حیثیت صرف فرمانبرداری ہے،اوران کے مقابل یعنی خداورسول نیزاولوالامر کی حیثیت فرماں روائی ہے۔

یہ مغایرت جس چیزکی تاکید کرتی ہے ،وہ یہ ہے کہ اولوالامر کا تذکرہ خداورسول کے ساتھ ایک سیاق میں واقع ہے اورآیت میں خدا اورسولکی حیثیت سواء مطاع)جس کی اطاعت کی جائے)کے کچھ نہیں ہے،لہذا اولوالامرکی بھی وہی حیثیت ہونی چاہئے۔

اس مطلب کا تقاضا یہ ہے کہ اولوالامر،اصحاب ،تابعین یا مہاجرین وانصارکے زمرے سے نہیں ہوں گے کیوں کہ ایسی صورت میں مذکورہ مغایرت موجود نہیںٕرہے گی،حالانکہ جو مؤمنین آیہء شریفہ کے نزول کے وقت اس کے مخاطب واقع ہوئے ہیں وہ،وہی اصحاب ،مہاجرین اور انصار ہیں۔

۲۔دوسرانکتہ یہ ہے کہ اگر اولوالامر کے مصداق اصحاب ہوگے،تو کےا یہ تمام اصحاب بہ حیثیت مجموعی ہیں ےا بنحو استغراقی ؟ مزید واضح لفظوں مےں کیا اصحاب مےں سے ہر ایک فرد بہ طور مستقل اولوالامر ہے اور قوم کی سرپرستی کا اختیار رکھتاہے،یا تمام اصحاب بہ حیثیت مجموعی اس عہدے کے مالک ہیں؟ فطری بات ہے کہ دوسری صورت کے اعتبارپر سب کا اجماع اور اتفاق ہوگا؟

دوسرا فرض)یعنی عام بہ حیثیت مجموع) ظاہر کے خلاف ہے، جیسا کہ فخر رازی کے بیان میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے ، اور پہلا فرض یعنی اصحاب میں سے ہر ایک بہ طور مستقل صاحب ولایت ہوگا، یہ بھی ظاہر اور اصحاب کی سیرت کے خلاف ہے ۔ کیونکہ اصحاب کے زمانہ میں ایسا کچھ نہیں تھا کہ ہر ایک دوسرے کے لئے)وہ بھی مطلقاً) وجوب اطاعت کا مالک ہوا۔

اس کے علاوہ اصحاب علمی اور عملی لحاظ سے ایک دوسرے سے کافی مختلف تھے۔ان میں کافی تعداد میں ایسے افراد بھی تھے جن میں علمی اور اخلاقی صلاحیتوں کا فقدان تھا۔مثال کے طور پر ولیدبن عقبہ [1] کے فاسق ہونے کے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے کہ جس کی خبر کی تحقیق واجب وضروری ہے ان حالات کے پیش نظر کس طرح ممکن ہے کہ " اولوالامر" کے مصداق بہ طور مطلق اصحاب یا مہاجرین و انصار ہوں؟

سریہ کے سردار بھی اولوالامر کے مصداق نہیں ہیں:

اسی طرح "اولوالامر" کے مصداق سریہ [2] کے کمانڈو بھی نہیں ہیں کیونکہ جو کچھ ہم نے بیان کیا، اس کے علاوہ "اولوالامر" کا رسول ﷺ پر عطف ہونا، "اولوالامر"کی مطلق اطاعت کے واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے اور جملہ "فإن تنازعتم"کا متفرع ہونا، خدا و

۱۔ اصحاب کے بارے میں مصنف کی کتاب "عدالت صحابہ در میزان کتاب و سنت " ملاحظہ ہو

2۔جن جنگوں میں پیغمبراکرم صلی للہ علیہ وآلہ وسلم نے ذاتی طورپر شرکت نہیں کی ہے، انھیں سریہ کہتے ہیں۔

پیغمبر اور اولوالامر کی مطلق اطاعت نیز "اولوالامر" کی عصمت پر دلیل ہیں ۔ سریہ کے کمانڈ معصوم نہیں ہیں، اس سلسلہ میں اصحاب اورتابعین کی طرف سے کچھ آثار نقل ہوئے ہیں جو اس مطلب کی تائید کرتے ہیں۔ ہم یہاں پر ان آثار میں سے چند کی طرف اشارہ کررہے ہیں:

۱۔ ابن عباس سے ایک حدیث میں روایت کی گئی ہے: آیہء "اولی الامر" ایک ایسے شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے، کہ جسے پیغمبر اکرم ﷺ نے ایک سریہ میں) سرپرست و سربراہ کے عنوان سے) بھیجا تھا۔[1] اس حدیث کی سند میں حجاج بن محمد کا نام آیا ہے کہ ابن سعد نے اس کے بارے میں کہا ہے:

"کان قد تغیّرفی آخر عمرہ"

"یعنی: آخر عمر میں اس کا حافظہ مختل ہوگیا تھا۔

اورابن حجر نے کہا ہے کہ اس نے اسی حالت میں روایت کی ہے[2] فطری بات ہے کہ اس کیفیت و حالت کے پیش نظر اس کی روایت معتبر نہیں ہوسکتی ہے۔

۲۔ ایک دوسری حدیث میں میمون بن مہران سے روایت ہوئی ہے کہ "اولوالامر" وہ لوگ ہیں جو سریہ)جنگوں) میں شرکت کرتے تھے۔[3] اس حدیث کی سند میں عنبسۃ بن سعید ضریس کا نام ہے کہ ابن حبان نے اس کے بارے میں کہا ہے:

"کان یخطی[4]"

"یعنی: وہ مسلسل خطا کا مرتکب ہوتا تھا۔"

۱۔ تفسیر طبری، ج۵، ص۹۲، دارالمعرفۃ، بیروت

۲۔ تہذیب التہذیب، ج۲، ص۱۸۱

۳۔ تفسیر طبری ، ج۵، ص۹۲، دارالمعرفۃ، بیروت

۴۔ تہذیب التہذیب، ج۸، ص۱۳۸

طبری نے ایک حدیث میں سدی سے نقل کیا ہے[1] کہ اس نے آیہء "اولوالامر" کو اس قضیہ سے مرتبط جانا ہے کہ ایک سریہ)جنگ) میں خالدبن ولیدکوکمانڈر مقرر کیا گیا تھااورس سریہ میں عماریاسر بھی موجود تھے اور انہوں نے ایک مسلمان کو دئے گئے امان کے سلسلہ میں خالد سے اختلاف رای کا اظہارکیا تھا۔[2]

یہ حدیث بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ ایک تو یہ مرسل ہے اوردوسرے سدی کے بارے میں یحییٰ بن معین ا ور عقیلی سے نقل ہو ا ہے کہ وہ ضعیف ہے اورجوزجانے اسے کافی جھوٹا بتایا ہے ۔[3]

۳۔بخاری نے آیہء "اولوالامر" کی تفسیر میں جو حدیث ذکر کی ہے وہ یوں ہے:

"حدثناصدقة بن الفضل،أخبرناحج ابن محمّد،عن ابن جريح،عن يعلى بن مسلم،عن سعيد بن جبيرعن ابن عباس رضى الله عنهما:"أطيعواالله وأطيعواالرّسول وأولى الأمرمنكم"قال:نزلت فى عبدالله بن حذافة ابن قيس بن عدى اذبعثه النبى ﷺ فى سرية۔[4]

اس حدیث میں سعیدبن جبیران نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آیہء (أطيعواالله وأطيعواالرّسول وأولى الأمرمنكم) عبداللہ بن حذافہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے،جب رسول خدا (ص)نے اس سے ایک سریہ کے لئے روانہ کیا۔

چونکہ یہ حدیث فتح الباری میں ابن حجر کے کلام سے اخذ کی گئی ہے اس لئے احتمال ہے کہ یہ روایت سنیدبن داؤد مصیصی سے روایت ہوئی ہو جیسا کہ ابن سکن سے منقول ہے نہ کہ صدقہ بن

۱۔تفسیر طبری،ص۹۲،دارالمعرفۃ

۲۔تفسیر طبری،ص۹۲،دارالمعرفہ

۳۔تہذیب التہذیب،ج۱،ص۲۷۳

۴۔ صحیح بخاری،ج۳،ص۳۷۶،کتاب التفسیر،باب قولہ اطیعوااللہ۔۔ح۱۰۱۰،دارالقلم ،بیروت

فضل سے جیسا کہ اکثر نے نقل کیا ہے اور موجودہ صحیح بخاری میں بھی اسی کے حوآلے سے آیا ہے اور سنید بن داؤد کو ابی حاتم ونسائی نے ضعیف جانا ہے۔[1]

اس بناپر ایک تو یہ بات مسلّم ویقینی نہیں ہے کہ بخاری میں موجود روایت صدقہ بن فضل سے ہوگی، بلکہ ممکن ہے سنید سے ہو جبکہ وہ ضعیف شمار ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ:اس کی سند میں حجاج بن محمد ہے کہ ابن سعد نے اس کے بارے میں کہا ہے:

"کان قد تغیرفی آخرعمرہ"

"یعنی:آخر عمر میں اس کا حافظہ مختل ہوگیا تھا۔"

اور ابن حجر نے کہاہے:اس نے اسی حالت میں روایت کی ہے۔[2]

ابوبکراورعمر بھی اولوالامر کے مصداق نہیں ہیں

مذکورہ وجوہ کے پیش نظر واضح ہوگیا کہ ابوبکر اور عمر بھی "اولوالامر" کے مصداق نہیں ہیں نیزان وجوہ کے علاوہ دین وشریعت سے متعلق سوالات کے جوابات میں ان کی لاعلمی ناتوانی اوراحکام الٰہی کے خلاف ان کا اظہار نظر بھی اس کا بین ثبوت ہے کہ جو تاریخ وحدیث کی کتابوں میں کثرت سے درج ہے۔اس سلسلہ میں کتاب الغدیر کی جلد ۶اور۷کی طرف رجوع کیا جاسکتاہے۔

اہل سنت کی بعض کتابوں میں درج یہ حدیث کہ جس میں ان کی اقتداء کرنے کا اشارہ ہواہے:"إقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر"کئی جہات سے باعث نزاع ہے۔من جملہ یہ کہ اس کی سند میں عبدالملک بن عمیر ہے کہ تہذیب الکمال[3]میں احمدبن حنبل

۱۔فتح الباری،ج۸،ص۲۵۳

۲۔تہذیب التہذیب،ج۲،ص۱۸۱

۳۔تہذیب الکمال،ج۱۸،ص۳۷۳،موسسہ الرسالۃ

سے اس کے بارے میں یوں نقل ہوا ہے:عبد الملک بن عمیر بہت زیادہ مضطرب البیان ہے اس سے منقول میں نے ۵۰۰سو روایتیں دیکھی ہیں کہ جن میں اکثر غلط ہیں عبدالملک بن عمیر مضطرب الحدیث جداًماأری له خمسأئة حدیث، وقد غلط فی کثیرمنها" اور احمد بن خلیل نے بھی اس کے ضعیف ہونے کے بارے میں اشارہ کیا ہے۔اور ابو حاتم سے نقل کیا ہے:)عبدالملک) لیس بحافظ۔۔۔تغیر حفظہ قبل موتہ "عبد الملک کا حافظ درست نہیں ہے اور موت سے پہلے اس کا حافظ کھو گیا تھا۔

اور ترمذی[1] کی سند میں سالم بن علاء مرادی ہے کہ ابن معین اور نسائی نے اسے ضعیف جانا ہے۔[2] اس کے علاوہ ترمذی کی سند میں سعید بن یحییٰ بن سعید الاموی ہے کہ ابن حجر نے صالح بن محمد سے نقل کیا ہے:"إنّه کان یغلط"یعنی:"وہ مسلسل غلطی کرتا تھا۔[3]'

اس کے علاوہ اگر اس قسم کی احادیث ثابت ہوتیں تو ابو بکر اور عمر سقیفہ میں ان سے استدلال کرتے اور خلافت کے لئے اپنی صلاحیت ثابت کرتے جبکہ اس قسم کی کوئی چیز قطعی طور پر نقل نہیں ہوئی ہے اور یہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ مذکورہ حدیث صادر نہیں ہوئی ہے اور جعلی ہے۔

او لیاء شرعی(باپ)بھی اولوالامر کے مصداق نہیں ہیں:

باپ،دادا و غیرہ کہ جو ولایت شرعی رکھتے ہیں وہ بھی بہ طور مطلق "اولوالامر" نہیں ہیں۔گزشتہ موارد میں ذکر شدہ مطالب سے بھی یہ مسئلہ واضح ہو جاتا ہے۔

۱۔سنن ترمذی،ج۵،ص۵۷۰،ح۳۶۶۳

۲۔میزان الاعتدال،ج۲،ص۱۱۲،دارالفکر

۳۔تہذیب التہذیب،ج۴،ص۸۶

"اولوالامر" اورحدیث منزلت،حدیث اطاعت اورحدیث ثقلین

حدیث منزلت:

حاکم حسکانی [1] نے "شواہد التنزیل[2]" میں آیہء اولوالامر کی تفسیر میں ایک حدیث نقل کی ہے اوراپنی سند سے مجاہد سے روایت کی ہے:

"وأُلی الأمرمنکم"قال:نزلت فی أمیرالمؤمنین حین خلّفه رسول اللّٰه بالمدینة، فقال:أتخلفنی علی النساء والصبیان؟ فقال: أما ترضی أن تکون منّی بمنزلة هارون من موسی،حین قال له "أخلفنی فی قومی وأصلح"فقال اللّٰه: "وأُولی الأمر منکم" فقال: هوعلی بن ابی طالب، ولاّه اللّٰه الامر بعد مُحَّد فی حیاته حین خلّفه رسول اللّٰه بالمد ینة،فأمراللّٰه العباد بطاعته وترک خلافه"

"(آیہء شریفہ کے بارے میں)۔۔۔ (وأولی الأمرمنکم) ۔۔۔مجاہد نےیوں کہا ہے:آیہء شریفہ امیرالمؤمنین علی(علیہ السلام) کے بارے میں نازل ہوئی ہے،جب رسول خدا ﷺ نے انھیں مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا۔اس وقت علی(علیہ السلام)نے کہا :کیامجھے عورتوں اور بچوں پر جانشین قرار دے رہے ہیں؟پیغمبر(ص)نے فرمایا:کیا تم پسند نہیں کرتے ہو کہ تمھاری نسبت میرے

۱۔حاکم حسکانی اہل سنّت کے بڑے محدثین میں سے ہے۔ذہبی اس کے بارے میں کہتا ہے:

الحسکانی القاضی المحدث ابوالقاسم عبیداللہؒبن عبداللہؒ۔۔ محمدبن حساکان القرشی العامری اللنیسابوری الحنفی الحاکم، ویعرف بابن الحذاء، شیخ متقن ذو عنایۃتامۃ بعلم الحدیث، حسکانی،قاضی محدث ابوالقاسم عبیداللہ بن عبداللہ محمدبن حسکانی قرشی عامری نیشابوری حنفی مذہب وحاکم ،ابن خداء کے نام سے معروف ہے۔ وہ علم حدیث کے بارے میں قوی اور متقن استاد) شیخ) ہے۔

۲۔شواہد التنزیل ،ج۲،ص۱۹۰،مؤسسہ الطبع والنشر

ساتھ وہی ہے جو ہارون کی نسبت موسیٰ(علیہ السلام) سے تھی جب موسیٰ(علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا (أخلفنی فی قومی) "میری قوم میں میرے جانشین ہو اور اصلاح کرو") اس آیہء شریفہ میں)خدا وند متعال نے فرمایا ہے: (وأولی الأمر منکم) "اولوالامر") کامصداق)علی بن ابیطالب(علیہ السلام)ہیں کہ خداوند متعال نے انھیں پیغمبر(ص)کی حیات میں اپ کے بعدامت کے لئے سرپرست قرار دیاہے،جب انھیں مدینہ میں اپناجانشین مقرر فرمایا۔ لہذا خداوند متعال نے اپنے بندوں کوان کی اطاعت کرنے اوران کی مخالفت ترک کرنے کاحکم دیا ہے۔

اس حدیث میں ، اس مجاہد نامی تابعی دانشور اور مفسرنے آیہء شریفہ "اولی الامر"کی شان نزول کے لئے وہ وقت جانا ہے کہ جب پیغمبراکرم (ص)نے امیرالمؤمنین علی علیہ السلام کو مدینہ میں اپنا جانشین قراردیا تھا۔

اس حدیث میں ہارون کی وہ تمام منزلتین جو وہ موسیٰ کے حوالے سے رکھتے تھے،علی علیہ السلام کے لئے رسول خدا (ص) کے حوالے سے قراردی گئی ہیں۔من جملہ ان میں سے ایک موسیٰ(علیہ السلام)کی نسبت سے ہارون کی جانشینی ہے۔یہ جانشینی،جس کا لازمہ پوری امت کے لئے حضرت علی علیہ السلام کی اطاعت کا واجب ہونا ہے،علی علیہ السلام کے لئے معین کی گئی ہے۔

یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ اس ان نزول سے قطع نظر،حدیث منزلت فریقین)شیعہ وسنی) کے درمیان ثابت اور مسلّم احادیث میں سے ہے،اس طرح کہ حدیث منزلت کو بیان کرنے کے بعد مذکورہ شان نزول کے سلسلہ میں حاکم حسکانی کا کہنا ہے:

"وھذاھوحدیث المنزلة الّذی کان شیخاًابوحازم الحافظ یقول: خرجته بخمسةآلاف إسناد"

یہ وہی حدیث منزلت ہے کہ ہمارے شیخ)ہمارے استاد)ابوحازم حافظ)اس کے بارے میں)کہتے ہیں:میں نے اس)حدیث)کو پانچ ہزار اسناد سے استخراج کیا ہے۔"

لہذا، اس حدیث کے معتبر ہونے کے سلسلے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے۔ ابن عسا کر جیسے بڑے محدثین نے اپنی کتابوں میں اسے اصحاب کی ایک بڑی تعداد سے نقل کیا ہے۔[1]

یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ علی علیہ السلام، پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد امت میں سب سے افضل اور سب سے اعلم نیز آنحضرت ﷺ کی حیات اور آپ کی رحلت کے بعد آپ کے جانشین ہیں۔

حدیث اطاعت:

دوسری دلیل جو "اولوالامر" کو علی علیہ السلام پر منتطبق کرنے کی تاکید کرتی ہے، وہ "حدیث اطاعت" ہے۔ یہ حدیث گوناگوں طریقوں سے مختلف الفاظ میں نقل ہوئی ہے:

حاکم نیشاپوری نے اپنی کتاب "المستدرک علی الصحیحین[2] میں اسے نقل کیا ہے اور ذہبی نے ذیل صفحہ تلخیص کرتے ہوئے اس کے صحیح ہونے کی تائید کی ہے۔

حدیث کا متن یوں ہے:

"قال رسول اللہ- (ص) من أطاعنی فقداطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن أطاع علیّاً فقد أطاعنی ومن عصی علیاًفقدعصانی"

"پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرنی) معصیت) کی گویا اس نے خدا کی نافرمانی کی

۱۔ شواہد التنزیل، ج۲، ص۱۹۵، مؤسسۃ الطبع والنشر

۲۔ المستدرک، ج۳، ص۱۲۱، دارالمعرفۃ، بیروت

ہے۔اور جس نے علی (علیہ السلام) کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جو نے علی(علیہ السلام) سے نافرمانی کرے گا اس نے مجھ سے نافرمانی کی ہے۔

اس حدیث میں پیغمبراسلام ﷺ نے علی علیہ السلام کی اطاعت کو اپنی اطاعت سے متلازم قرار دیا ہے اوراپنی اطاعت کو خدا کی اطاعت سے متلازم جانا ہے۔اس کے علاوہ حضرت علی علیہ السلام کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی سے تعبیر کیا ہے اوراپنی نافرمانی کو خدا کی نافرمانی قراردیا ہے۔

یہ حدیث واضح طورپر علی علیہ السلام کے لئے پیغمبر ﷺ کے مانند واجب الاطاعت ہونے کی دلیل ہے۔اس کا مضمون آیہء شریفہ "اولوالامر" کے مضمون کی طرح ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اولوالامرکی اطاعت گویا رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔حقیقت میں یہ حدیث آیہء شریفہء اولی الامر کے حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام پر انطباق کے لئے مفسر ہے۔

اسی طرح یہ حدیث حضرت علی علیہ السلام کی عصمت پر بھی دلالت کرتی ہے کیونکہ اطاعت حکم اورامرپر متفرع ہے کیونکہ جب تک کوئی حکم و امر نہیں ہوگا اطاعت موضوع و معنی نہیں رکھتی ہے اور حکم وامر ارادہ پر موقوف ہے،اورارادہ شوق نیزدرک مصلحت در فعل کا معلول ہے۔جب حدیث کے تقاضے کے مطابق علی علیہ السلام کی اطاعت پیغمبر ﷺ کی اطاعت کے ملازم ،بلکہ اس کا ایک حصہ ہے،تواس کا امر بھی پیغمبر ﷺ کا امر اور اس کا ارادہ بھی آنحضرت ﷺ کا ارادہ اوراس کا درک مصلحت بھی عین درک مصلحت پیغمبراکرم ﷺ ہوگا اوریہ حضرت علی علیہ السلام کی عصمت کے علاوہ کوئی اورچیز نہیں ہے۔

حدیث ثقلین:

ایک اور دلیل جو آیہ شریفہ "اولوالامر" کو پیغمبر اسلام ﷺ کے اہل بیت علیہم السلام (ائمہء معصوم) پر انطباق کی تاکید کرتی ہے، وہ حدیث ثقلین ہے۔یہ حدیث شیعہ و سنی کے نزدیک مسلّم اور قطعی ہے اور بہت سے طریقوں اور اسناد سے احادیث کی کتابوں میں نقل ہوئی ہے اگرچہ یہ حدیث متعدد مواقع پر مختلف الفاظ میں نقل ہوئی ہے، لیکن اس میں دو جملے مرکزی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ دو جملے حسب ذیل ہیں:

"إنی تارک فیکم الثقلین :کتاب اللہ وعترتی اهل بیتی ماإن تمسکتم بهما لن تضلّواابداًوإنّهمالن یفترقا حتی یرداعلی الحوض [1]

"میں تم میں دوگرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں:ایک کتاب خدا اور دوسرے میری عترت کہ جو اہل بیت (علیہم السلام)ہیں اگر تم انھیں اختیار کئے رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوں گے۔"

ابن حجر نے اپنی کتاب "الصواق المحرقۃ[2]میں اس حدیث کے بارے میں کہاہے:

"ثقلین سے تمسک کرنے کی حدیث کے بارے میں بہت سے طریقے ہیں۔یہ حدیث بیس سے زیادہ اصحاب سے نقل ہوئی ہے۔

ان طریقوں میں سے بعض میں آیاہے کہ آنحضرت (ص) نے اسے اس وقت مدینہ میں ارشاد فرمایا کہ جب آپبستر علالت پر تھے اور اصحاب آپ کے حجرئہ مبارک میں اپ کے گرد جمع تھے۔بعض دوسرے طریقوں سے نقل ہواہے کہ آنحضرت (ص) نے اسے غدیر خم میں بیان فرمایا ہے۔بعض دوسرے منابع میں ایاہے کہ آنحضرت (ص)نے اسے طائف سے واپسی

۱۔ صحیح ترمذی، ج۵، ص۶۲۱۔۶۲۲دارالفکر۔ مسند احمد، ج۳، ص۱۷و۵۹وج۵، ص۱۸۱و۸۹ ادارصادر، بیروت۔مستدرک حاکم ج۳،ص۱۰۹۔۱۱۰،دارالمعرفۃ،بیروت۔حضائص النسائی، ص۹۳، مکتبۃینینوی۔ اس کے علاوہ اس اسلسلہ میں دوسرے بہت سے منابع کے لئے کتاب اللہ واھل البیت فی حدیث ثقلین"کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

۲۔الصواعق المحرقۃ،ص۱۵۰،مکتبۃالقاہرۃ

کے موقع پر فرمایاہے۔ان سب روایتوں کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے۔کیونکہ ممکن ہے قرآن وعترت کی اہمیت کے پیش نظران تمام مواقع اور ان کے علاوہ دوسرے مواقع پر بھی اس حدیث کو بیان فرمایا ہوگا۔

شیعوں کے ایک بہت بڑے عالم،علامہ بحرانی نے اپنی کتاب "غایۃالمرام[1]میں حدیث ثقلین کو اہل سنت کے ۳۹ طریقوں سے اور شیعوں کے۸۲ طریقوں سے نقل کیا ہے۔

اس حدیث شریف میں پہلے،امت کوگمراہی سے بچنے کے لئے دوچیزوں)قرآن مجید اور پیغمبر ﷺ کے اہل بیت علہیم السلام)سے تمسک اور پیروی کرنے کی تاکید کی گئی ہے، جو اس بات پردلالت ہے کہ اگر ان دونوں کی یاان میں سے کسی ایک کی پیروی نہیں کی گئی تو ضلالت وگمراہی میں بتلا ہونا یقینی ہے اور یہ کہ پیغمبراسلام ﷺ کے اہل بیت) علیہم السلام) اور قرآن مجید ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں اورہرگزایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔یہ دو جملے واضح طورپر دلالت کرتے ہیں کہ، اہل بیت علیہم السلام ،جن میں سر فہرست حضرت علی علیہ السلام ہیں ، لوگوں کوچاہیئے وہ قرآن مجید کے مانندان سے متمسک رہیں اوران کے اوامرکی اطاعت کریں ۔اور یہ کہ وہ قرآن مجید سے کبھی جدا نہیں ہوں گے ،واضح طورپر ان کی عصمت کی دلیل ہے،کیونکہ اگروہ گناہ وخطا کے مرتکب ہو تے ہیں تو وہ قرآن مجید سے جدا ہوجائیں گے،جبکہ حدیث ثقلین کے مطابق وہ کبھی قرآن مجیدسے جدا نہیں ہوں گے۔

شیعہ وسنی منابع میں اولوالامرسے متعلق حدیثیں

آیہء شریفہ "اولوالامر" کے علی علیہ السلام اورآپ (ع) کے گیارہ معصوم فرزندوں)شیعوں کے بارہ اماموں)پرانطباق کی دلائل میں سے ایک اوردلیل،وہ حدیثیں ہیں،جو شیعہ و سنی کی حدیث کی کتابوں میں درج ہوئی ہیں اور اولوالامرکی تفسیر علی)علیہ السلام)،اورآپ(ع)کے بعدآپ(ع)کے گیارہ معصوم اماموں کی صورت میں

۱۔غایۃالمرام،ج۲،ص۳۶۷۔۳۰۴

کرتی ہیں۔ہم یہاں پر ان احادیث میں سے چند نمونے پیش کرتے ہیں:

پہلی حدیث:

ابرھیم بن محمدبن مؤیدجومنی[1]کتاب "فرائدالسبطین[2]"میں اپنے اسناد سے اور شیخ صدوق ابن بابویہ قمی کتاب "کمال الدین[3]"میں سلیم بن قیس سے روایت کرتے ہیں:

"میں نے خلافت عثمان کے زمانہ میں مسجد النبی (ص)میں دیکھا کہ حضرت علی(علیہ السلام)مسجد میں تشریف فرما تھے اور کچھ لوگ آپس میں گفتگو کرنے میں مشغول تھے۔وہ قریش اوران کے فضائل نیز ان کے سوابق اور جو کچھ پیغمبراکرم ﷺ نے قریش کے بارے میں فرمایا ہے، کے بارے میں گفتگو کررہے تھے اوراسی طرح انصارکی فضیلت اوران کے شاندار ماضی اورقرآن مجید میں ان کے بارے میں خداوند متعال کی تعریف و تمجیدکا ذکر رہے تھے اورہر گروہ اپنی اپنی فضیلت گنوا رہا تھا۔

اس گفتگو میں دوسو سے زیادہ لوگ شریک تھے ان میں حضرت علی(علیہ السلام)سعدبن ابی وقاص،عبدالرحمن بن عوف، طلحہ،زبیر،مقداد، ابوذر، حسن وحسین)علیہما السلام)اورابن عباس-بھی شامل تھے۔

۱۔ذہبی،کتاب "المعجم المختص بالمحدثین "ص۶۵،طبع مکتبۃالصدیق سعودی،طائفمیں لکھاہے:"ابراھیم بن محمد۔۔۔الامام الکبیر المحدث شیخ المشایخ "یعنی:بہت بڑے امام محدث اور استادالاساتذہ ۶۴۴ئ ہجری میں پیدا ہوئے اور۷۲۲ئ ہجری میں خراسان میں وفات پائی ۔ابن حجرکتاب "الدررالکامنہ "ج۱،ص۶۷ میں کہتے ہیں:"وسمع بالحلة وتبریز----وله رحلة واسعة وعنى بهذاالشان وكتب وحصل وكان دينا وقوراً مليح الشكل جيد القرا۔۔۔"یعنی: حلہ اور تبریزمیں)حدیث کے اساتذہ کے دوسرے شہروں کے بارے میں)سنا ہے۔۔۔ علم حدیث کے بارے میں ایک خاص مہارت رکھتے تھے۔۔۔اور متدین ،باوقار،خوبصورت اوراچھی قرائت کے مالک تھے۔

۲۔فرائدالبطین ،ج۱،ص۲۱۲،مؤسسہ المحمودی للطباعۃوالنشر،بیروت اسماعیل باشا کتاب ایضاح المکنون میں کشف الظنون،ج۴،ص۱۸۲،دارالفکر کے ذیل میں کہتا ہے:فرائد السبطین،فی فضائل المرتضیٰ والبتول والسبطین لابی عبداللہٰ ابراھیم بن سعد الدین محمدبن ابی بکربن محمدبن حمویہ الجوینی۔۔۔فرغ منہ سنۃ۷۱۶

۳۔کمال الدین،ص۲۷۴

یہ جلسہ صبح سے ظہر تک جاری رہا اور علی) علیہ السلام) بدستور خاموش بیٹھے رہے یہاں تک کہ لوگوں نے آپ(ع) کی طرف مخاطب ہوکر آپ سے کچھ فرمانے کی خواہش ظاہر کی۔

حضرت علی(علیہ السلام)نے فرمایا:تم دونوں گروہوں میں سے ہرایک نے اپنی فضیلت بیان کی اور اپنی گفتگو کا حق ادا کیا۔میں قریش وانصاردونوں سے یہ پوچھنا چاہتاہوں:خدا وند متعال نے یہ فضیلت تمھیں کس کے ذریعہ عطاکی ہے؟کیا تم لوگ اپنی اوراپنے قبیلے کی خصوصیات کی وجہ سے ان فضیلتوں کے مالک بنے ہو؟یاکسی دوسرے کی وجہ سے یہ فضیلتیں تمھیں عطاکی گئی ہیں؟

انہوں نے کہا:خدا وندمتعال نے محمد(ص)اورآپ کے اہل بیت)علیہم السلام)کے طفیل میں ہمیں یہ فضیلتیں عطاکی ہیں۔

حضرت علی (علیہ السلام) نے فرمایا: صحیح کہاتم لوگوں نے اے گروہ انصار وقریش!کیا تم نہیں جانتے ہو کہ جوکچھ تم کوخیر دینا وآخرت سے ملا ہے وہ صرف ہم اہل بیت(ع)کی وجہ سے تھا؟اس کے بعد حضرت علی (علیہ السلام)نے اپنے اور اپنے اہل بیت)علیہم السلام)کے بعض فضائل گنوائے اوران سے تصدیق اور گواہی چاہی انہوں نے گواہی دی،آپ(ع)نے من جملہ فرمایا:

فانشدکم اللہ،اتعلمون حیث نزلت (یاأیّهاالذین آمنوا أطیعوالله وأطیعواالرسّول وأُولی الأمر منکم) [1] وحیث نزلت ا (نّماولیّکم الله ورسوله والّذین آمنواالذین یقیمون الصلوة ویؤ تون الزکوة وهمصراکعون) [2] وحیث نزلت (أم حسبتم أن تترکواولمّا یعلم الله الّذیم جاهدوامنکم ولم یتّخذ وا من دون الله ولا رسوله ولاالمؤمنین ولیجة) [3] قال الناس:یا رسول الله،خاصة فی بعض

۱۔نساء/۵۹ ۲۔مائدہ/۵۵

3۔توبہ/۱۶

المـؤمنين أم عامـة لجميعهم؟فـأمرالله - عزّوجـلّ - نبيّـه(ص)أن يُعلّمهـم ولاةأمـرهم وأن يفسّـر لهـم مـن الولايـة مافسّرلهم من صلا تهم وزكاتهم وحجهم،فينصبنى للناس بغدير خمثمّ خطب وقال:أيّهاالنّاس،إنّ الله أرسلنى برسالة ضـاق بهـا صـدرى وظننـت أن النـاس مكذبيفاوعـدنى لأُ بلّغهـا أوليعـذّبنيثمّ أمرفنـودى بالصـلاة جامعـةثمّ خطـب فقال:أيّهاالناس،أتعلمون أنّالله - عزّوجل - مولاى أنامولى المؤمنين،وأنا أولى بهم من أنفسهم؟

قـالوا:بلى يارسول اللّهقـال:قُم ياعليّفقمـت فقـال:"من كنـت مـولاه فهـذاعلىّ مـولاه،اللّهمّ وال مـن والاه،وعـادمن عاداه"

فقام سلمان فقال:يارسول الله،ولاء كماذا؟فقال:ولاء كولايتى، منكنت أولى به من نفسه فأنزل الله تعالى ذكره:

(اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتى ورضيت لكم الإسلام ديناً) [1]

فكبّرالنبّى(ص)وقال:الله أكبر!تمام نبوّتى وتمام دين الله علىٌّ بعديفقام أبوبكر و عمر فقالا: يارسول الله،هؤلاء الآيات خاصّةفى علىّ؟قال:بلى،فيه وفى أوصيائى إلى يوم القيامةقالا:يارسول الله، بيّنهم لناقال:علىّ أخى ووزيرى ووارثى ووصيّى وخليفتى فى أُمّتى وولّى كلّ مؤمن بعدى ثمّ ابنى الحسن ثمّ الحسين ثمّ تسعة من ولدابنى الحسين واحد بعد واحد،القرآن معهم وهم مع القرآن لايفارقونه ولايفارقهم حتى

1ـ مائده/٣

يردوا عليّ الحوض

فقالوا كلّهم:اللّهمّ نعم،قد سمعناذلک وشهدناکماقلت سواء وقال بعضهم:قدحفظناجلّ ماقلت ولم نحفظه كلّه،وهؤلاء الّذين حفظواأ خيارناواُ فاضلنا

یعنی:میں تمھیں خدا کی قسم دلاتاہوں،کیا تم جانتے ہو کہ جبخداوند متعال کا یہ فرمان: (يا أيّهاالذين آمنواأطيعواالله واُطيعوا الرّسول واولی الأمرمنكم) نازل ہوا اورجب یہ آیہء شریفہ نازل ہوئی: (إنّما وليّكم الله ورسول) ۔۔۔)یعنی بس تمہارا اولی اللہ ہے اوراس کا رسول اور وہ صاحبان ایمان جو نمازقائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں)اسی طرح جب یہ آیہء شریفہ نازل ہوئی: (أم حسبتم أن تتركوا) ۔۔۔)یعنی:کیاتمہارا خیال ہے کہ تم کواسی طرح چھوڑدیا جائے گا جب کہ ابھی ان لوگوں نے کہ جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا ہے اور خدا و رسول نیز مومنین کے علاوہ کسی کو اپنا محرم راز نہیں بنا یا ہے مشخص نہیں ہوئے ہیں؟تو لوگوں نے کہا:یارسول اللہ!کیا یہ آیتیں بعض مؤمنین سے مخصوص ہیں یا عام ہیں اوران میں تمام مؤمنین شامل ہیں؟

خداوند متعال نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا:تاکہ ان)مومنین) کے امور کے سلسلہ میں ان کے سرپرست کا اعلان کردیں اورجس طرح نماز،زکوٰۃاورحج کی ان کے لئے تفسیربیان کی ہے،مسئلہ ولایت وسرپرستی کو بھی ان کے لئے واضح کردیں۔)اورخدا نے حکم دیا)تاکہ غدیر خم میں مجھے اپنا جانشین منصوب کریں۔

اس کے بعدپیغمبر خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ پڑھااورفرمایا:

"اے لوگو!خدا وند متعال نےمجھے ایک ایسی رسالت سونپی ہے کہ جس کی وجہ سے میرا سینہ تنگی محسوس کر رہا ہے اورمیں نے گمان کیا کہ لوگ میری اس رسالت کو جھٹلادیں گے۔پھرمجھے خدا نے تہدید دی کہ یا میں اس)رسالت) کوپہنچاؤں یا اگر نہیں پہونچاتا تووہ مجھے عذاب کرے گا۔"

اس کے بعد پیغمبر اکرم (ص) نے حکم دیا اور لوگ جمع ہو گئے اور آپ نے خطبہ پڑھا اور فرمایا: اے لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ خداوند متعال میرا مولا) میرا صاحب اختیار) ہے اور میں مؤمنین کا مولا ہوں اور مجھے ان کی جانوں پر تصرف کا زیادہ حق ہے ؟ انہوں نے کہا: ہاں، یارسول اللہ۔ فرمایا: اے علی (علیہ السلام) کھڑے ہوجاؤ! میں کھڑا ہوا۔ فرمایا: جس جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ علی (ع) بھی مولا ہیں۔ خداوندا! اس کو دوست رکھ جو علی (ع) کو دوست رکھے اور اس کو اپنا دشمن قرار دے جو علی (ع) سے دشمنی کرے۔

سلمان اٹھے اور کہا: یارسول اللہ! یہ کونسی ولایت ہے؟ پیغمبر (ص) نے فرمایا: یہ ولایت وہی ہے جو میں رکھتا ہوں۔ جس کی جان کے بارے میں، میں اولیٰ ہوں علی (ع) بھی اسی طرح اس کی جان کے بارے میں اولیٰ ہے۔ اس کے بعد خداوند متعال نے یہ آیہء شریفہ نازل فرمائی: (اليوم أكملت لكم دينكم) ۔۔۔ یعنی: "آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کردیا اور اپنی نعمتوں کو تمام کردیا ہے اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔"

اس کے بعد ابوبکر اور عمر اٹھے اور کہا: یارسول اللہ ! کیا یہ آیتیں علی (ع) سے مخصوص ہیں؟ فرمایا: جی ہاں، یہ علی (ع) اور میرے قیامت تک کے دوسرے اوصیاء سے مخصوص ہیں۔ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! ان کو ہمارے لئے بیان کر دیجئے آنحضرت نے فرمایا: میرا بھائی علی، امت کے لئے میرا وزیر، وارث، وصی اور جانشین ہے اور میرے بعد ہر مؤمن کا سرپرست ہے۔ اس کے بعد میرے فرزند حسن و حسین (ع) اس کے بعد یکے بعد دیگرے میرے حسین (ع) کے نو فرزند ہیں۔ قرآن مجید ان کے ساتھ ہے اور وہ قرآن مجید کے ساتھ ہیں۔ وہ قرآن مجید سے جدا نہیں ہوں گے اور قرآن مجید ان سے جدا نہیں ہوگا یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے ملیں گے۔ اس کے بعد علی علیہ السلام نے اس مجمع میں موجود ان لوگوں سے، کہ جو میدان غدیر میں موجود تھے اور پیغمبر اکرم ﷺ کی ان باتوں کو اپنے کانوں سے سن چکے تھے، کہا کہ اٹھ کر اس کی گواہی دیں۔

زیدبن ارقم، براء بن عازب، سلمان، ابوذر اور مقداد اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور کہا: ہم شہادت دیتے ہیں اور پیغمبر(ص) کے بیانات یاد ہیں کہ آنحضرت منبر پر کھڑے تھے اور ان کے ساتھ آپ(ع) بھی ان کی بغل میں کھڑے تھے اور آنحضر تفرمارہے تھے:

"اے لوگو! خداوند متعال نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہارے لئے امام کہ جو میرے بعد تم لوگوں کی رہنمائی اور سرپرستی کرے اور میرا وصی اور جانشین ہو، کو نصب کروں، اس کو نصب کروں جس کی اطاعت کو خداوند متعال نے اپنی کتاب میں واجب قراردیا ہے نیز اس کی اطاعت کو اپنی اور میری اطاعت کے برابر قراردیا ہے کہ جس سے) آیہ اولوالامرکی طرف اشارہ ہے) اے لوگو! خداوند متعال نے تمھیں نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کا حکم دیا ۔ میں نے تمہارے لئے اس کی تشریح ووضاحت کی ۔ اور اس نے تمھیں ولایت) کا ایمان رکھنے) کا بھی حکم دیا اور میں، تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ یہ ولایت اس) شخص) سے مربوط ہے) یہ جملہ بیان فرماتے وقت آنحضرت اپنادست مبارک علی(ع) کے شانہ پر رکھے ہوئے تھے) اور ان کے بعد اس کے دونوں بیٹوں) حسن وحسین(ع)) اور ان کے بعد ان کے فرزندوں میں سے ان کے جانشیوں سے مربوط ہے--"

حدیث مفصل و طولانی ہے۔ ہم نے اس میں سے فقط اتنے ہی حصہ پر اکتفا کیا کہ جو آیہء شریفہ "اولوالامر" سے مربوط ہے ۔ محققین مذکورہ منابع میں مفصل حدیث کا مطلعہ کرسکتے ہیں۔

دوسری حدیث

یہ وہ حدیث ہے جسے مرحوم شیخ صدوق نے "کمال الدین[1]" میں جابر بن یزید جعفی سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے:

"میں نے سنا کہ جابر بن عبد اللہ انصاری کہتے تھے: جب خدا وند متعال نے اپنے پیغمبر(ص) پر یہ آیہء شریفہ: (یاایّھاالذین آمنواأطیعواللہ وأطیعواالرسول واولی الأمرمنکم) نازل فرمائی، تو میں نے کہا: یارسول اللہ! ہم نے خدا اور اس کے رسولتو کو پہچان لیا۔ اب وہ اولوالامر کہ جن کی اطاعت کو خداوند متعال نے آپ کی اطاعت سے مربوط قراردیا ہے، وہ کون ہیں؟

آنحضرت (ص) نے فرمایا: "اے جابر! وہ میرے جانشین ہیں اور میرے بعد مسلمانوں کے امام ہیں۔ ان میں سب سے پہلے علی بن ابیطالب، پھر حسن وحسین، پھر علی بن حسین، پھر محمد بن علی، جو توریت میں باقر کے نام سے معروف

۱۔ کمال الدین، ص ۲۵۳

ہیں اور اے جابر! تم جلدی ہی اس سے ملاقات کروگے لہذا جب انھیں دیکھنا تو انھیں میرا سلام پہنچانا۔ پھر صادق جعفر بن محمد، پھر موسیٰ بن جعفر، پھر علی بن موسیٰ، پھر محمدبن علی، پھر علی بن محمد، پھر حسن بن علی، پھر میرا ہم نام اور ہم کنیت) جو) زمین پر خدا کی حجت اور خدا کی طرف سے اس کے بندوں کے درمیان باقی رہنے والا حسن بن علی) عسکری) کا فرزند ہے، جس کے ذریعہ خداوند متعال مشرق ومغرب کی زمین کو فتح کرے گا۔ وہ شیعوں اور ان کے چاہنے والوں کی نظروں سے غائب ہوگا۔ وہ ایسی غیبت ہوگی کہ ان کی امامت پر خدا کی طرف سے ایمان کے سلسلہ میں آزمائے گئے دلوں کے علاوہ کوئی ثابت قدم نہیں رہے گا"

تیسری حدیث:

یہ حدیث اصول کافی ۱ میں برید عجلی سے روایت کی گئی ہے وہ کہتے ہیں:

"امام باقر(علیہ السلام) نے فرمایا: خداوند متعال نے) آیہء شریفہ) (یا أیّها الذین آمنوا أطیعو الله و أطیعوا الرسول و اولی الأمر منکم) کے بارے میں صرف ہمارا قصد کیا ہے۔ تمام مؤمنین کو قیامت تک ہماری) ائمہ معصومین) اطاعت کرنے کا کا حکم دیا ہے۔"

اس کے علاوہ شیعہ وسنی منابع میں اور بھی احادیث نقل کی گئی ہیں جن میں "اولوالامر" سے مراد ائمہء معصومین کو لیا گیا ہے۔ اہل تحقیق، "فرائد السمطین" اور "ینا بیع المودة" جیسی سنی کتابوں اور "اصول کافی"، "غایۃالمرام" اور "منتخب الاثر" جیسی شیعوں کی کتابوں کی طرف رجوع کرسکتے ہیں۔

۱۔ اصول کافی، ج۱، ص۲۱۷

چوتھا باب:

امامت آیہء ولایت کی روشنی میں

((إنّماولیکم اللہ ورسولہ والّذین آمنواالّذین یقیمون الصلوٰۃویؤ تون الزکوٰۃ وھم راکعون)) (مائدہ/۵۵)

"بس تمہارا اولی اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ صاحبان ایمان ہیں، جونماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں"۔

امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی امامت اور بلا فصل ولایت کے سلسلہ میں شیعہ امامیہ کی ایک اور دلیل آیہء شریفہ ولایت ہے۔آیہء شریفہ کے استدلال کی تکمیل کے سلسلہ میں پہلے چند موضوعات کا ثابت کرنا ضروری ہے:

۱۔آیہ شریفہ میں "إنما" حصر کے لئے ہے۔

۲۔آیہ ئ شریفہ میں لفظ "ولی" حص کے معنی اولی بالتصرف اور صاحب اختیار نیز سرپرست ہونے کے ہے۔

۳۔آیت میں "راکعون" سے مراد نماز میں رکوع ہے، نہ کہ خضوع وخشوع۔

۴۔اس آیہء شریفہ کے شان نزول میں، کہ جوامیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں ہے، ذکر ہوا ہے کہ حضرت(ع)نے رکوع کی حالت میں زکوۃدی،)یعنی اپنے مال کو خدا کی راہ میں انفاق کیاہو)ثابت ہو۔

اس باب میں ہم ان موضوعات کوثابت کرنے کی کوشش کریں گے اور آخر پر اس آیہء شریفہ سے مربوط چند سوالات کا جواب دیں گے۔

لفظ "إنما"کی حصر پر دلالت

علمائے لغت اورادبیات نے اس بات کی تاکید کیہے کہ لفظ "إنما"حصر پر دلالت کرتا ہے۔یعنی عربی لغت میں یہ لفظ حصر کے لئے وضع کیا گیا ہے۔

ابن منظور نے کہا ہے:اگر "اِنّ"پر"ما"کا اضافہ ہو جائے تو تعیین و تشخیص پر دلالت کرتا ہے۔جیسے خداوند متعال کا قول ہے: (إنّماالصدقات للفقراء والمساکین) ۔۔۔[1]چونکہ اس کی دلا لت اس پر ہے کہ حکم مذکور کو ثابت کرتا ہے اوراس کے غیر کی نفی کرتا ہے۔[2]

جوہری نے بھی اسی طرح کی بات کہی ہے۔[3]

فیروزآبادی نے کہاہے:"انّما"،"اِنّما"کے مانند مفید حصر ہے۔

اور یہ دونوں لفظ آیہء شریفہء: (قل إنّمایوحی إلیّ أنّماإلٰهکم إله واحد) [4]میں جمع ہوئے ہیں۔[5]

ابن ہشام نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔[6]

اس لئے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ لغت کے اعتبار سے لفظ "اِنّما"کو حصر کے لئے وضع کیا گیا ہے۔اگر کوئی قرینہ موجو ہوتو اس قرینہ کی وجہ سے غیر حصر کے لئے استفادہ کیا

جاسکتا ہے، لیکن اس صورت میں "اِنّما"کا استعمال مجازی ہوگا۔

"ولیّ"کے معنی کے بارے میں تحقیق

"ولّی"ولایت سے مشتق ہے۔اگرچہ یہ لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے لیکن اس کے موارد استعمال کی جستجو و تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اصلی معنی سرپرستی ، اولویت

۱۔توبہ/۶۰

۲۔لسان العرب،ج۱،ص۲۴۵

۳۔صحاح اللغۃ،ج۵،ص۲۰۷۳

۴۔انبیاء/۱۰۸ ۵۔القاموس المحیط،ج۴،ص۱۹۸،دارالمعرفۃ،بیروت۔

۶۔مغنی اللبیب،ج۱،ص۸۸،دارالکتب العلمیۃ بیروت

اورصاحب اختیار ہونے کے ہے۔

ابن منظورکا"لسان العرب"میں کہنا ہے"الولیّ ولیّ الیتیم الّذی یلی أمره ویقوم بکفایته،وولیّ المرئةالّذی یلی عقدالنکاح علیهاوفی الحدیث:أیّماامرئة نکحت بغیرإذن مولیها فنکاحهاباطلوفی روایة:"ولیّها"أی متولّی أمرها"[1]

یتیم کا ولی وہ ہے جو یتیم کے امور اور اس کی کفالت کا ذمہ دار ہے اوراس کے امورکی نگران کرتا ہے۔عورت کا ولی وہ ہے کہ جس کے اوپر اس کے عقد ونکاح کی ذمہ داری ہو۔

حدیث میں آیا ہے:جوبھی عورت اپنے مولا)سرپرست)کی اجازت کے بغیر شادی کرے تواس کا نکاح باطل ہے۔ایک روایت میں لفظ"ولیھا''کے بجائے لفظ"مولیھا"آیا ہے کہ جس کے معنی سرپرست اورصاحب اختیار کے ہیں۔

فیومی"المصباح المنیر"میں کہتا ہے:

"الولیّ فعیل به معنی فاعل من ولیه إذقام بهومنه الله ولیّ الّذین آمنوا ،والجمع أولیاء،قال ابن فارس:وکلّ من ولی أمرأحد فهوولیّهوقد یطلق الولیّ أیضاًعلی المعتق والعتیق،وابن العم والناصروالصدّیقویکون الولیّ بمعنی مفعول فی حق المطیع،فیقال:المؤمن ولیّ الله''۔[2]

"فعیل)کے وزن پر(ولی فاعل کے معنی میں ہے)۔[3]کہا جاتا ہے):ولیہ یہ اس

۱۔لسان العرب،ج۱۵،ص۱۰۴،دار احیاء التراث العربی،بیروت

۲۔المصباح المنیر،ج۲،ص۳۵۰،طبع مصطفی البابی الحلبی واولادہ بمصر

۳۔"فعیل"صفت مشبہ ہے۔کبھی فاعل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے"شریف"اور کبھی مفعول کے معنی میں آتا ہے۔فیومی نے اپنے بیان میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آیہء شریفہ میں "فعیل"فاعل کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔چنانچہ مؤمن کو کہا جاتا ہے"ولی خدا"یعنی جس کے امورکی تدبیر خدا کے ہاتھ میں ہے اور وہ اسے اپنے الطاف سے نوازتا ہے۔

صورت میں ہے جب کسی کے امور کے لئے عملاً قیام کرے اس کے کام کو اپنے ذمہ لے لے۔ آیہء شریفہ: (اللّٰہ ولیّ الذین آمنوا) میں ولایت اسی کی ہے۔یعنی خداوند متعال مؤمنین کے امور کے حوالے سے صاحب اختیارا ور اولی بالتصرف ہے۔ ابن فارس نے کہا ہے: جو بھی کسی کے امورکاذمہ دار ہوگا وہ اس کا "ولی" ہوگا۔ اور بعض اوقات "ولی")دوسرے معانی میں جیسے) غلام کوآزاد کرنے والا، آزاد شدہ غلام ،چچازاد بھائی،یاور اوردوست کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔

ان بزرگ ماہرین لغت کے بیان سے استفادہ کیا جاسکتا ہے کہ یاور اوردوست جیسے مفاہیم ولی کے حقیقی معنی نہیں ہیں بلکہ کبھی کبھی ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے اوراس قسم کا استعمال مجازی ہے۔

"ولی" کے معنی میں یہ جملہ معمولاً لغت کی کتابوں میں بہ کثرت نظر آتا ہے وہ ناقابل اعتناء ہے "من ولی امر احد فهو ولیه" یعنی: "جو کسی کے کام کی سرپرستی اپنے ذمہ لے لے وہ اس کا ولی ہے"

ان معانی کے پیش نظر، ایسا لگتا ہے کہ لفظ "ولی "کا حقیقی اور معروف ومشہور معنی وہی صاحب اختیاروسرپرست ہوناہے۔ قرآن مجید میں اس لفظ کے استعمال پر جستجو و تحقیق بھی اسی مطلب کی تائید کرتی ہے۔

ہم لفظ "ولی" کے قرآن مجید میں استعمال ہونے کے بعض موارد کا ذکر کرکے بعض دوسرے موارد کی طرف اشارہ کرتے ہیں:[1]

۱۔لسان العرب،ج۱۵،ص۴۱۰،المصباح المنیر،ج۲،ص۳۵۰طبع مصطفٰی البابی الحلبی بمصر، النہایۃج۵،ص۲۲۸المکتبۃ العلمیۃ، بیروت، منتہی الارب ،ج۴،ص۱۳۳۹، انتشارات کتابخانہ سنائی، مجمع البحرین،ج۲ص۵۵۴،دفتر نشر فرہنگ اسلامی، الصحاح،ص۲۵۲۹،دارالعلم للملابین، المفردات، ص۵۳۵، دفتر نشرکتا بمعجم مقاییس اللغۃ،ج۶،ص۱۴۱۔

چند بنیادی نکات کی یاد دہانی

یہاں پر چند نکات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے:

پہلانکتہ: عام طور پر لغت کی کتابوں میں ایک لفظ کے لئے بہت سے موارد استعمال اور مختلف معانی ذکر کئے جاتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ لفظ ہر معانی کے لئے الگ الگ وضع کیا گیا ہے اور وہ لفظ مشترک ہے اور ان معانی میں سے ہر ایک، اس کا حقیقی معنی ہے لفظی اشتراک) یعنی ایک لفظ کے کئی معانی ہوں اور ہر معنی حقیقی ہو) اصول کے خلاف ہے۔ اور علم لغت اور ادبیات کے ماہرین نے جس کی وضاحت کی ہے وہ یہ ہے کہ اصل عدم اشتراک ہے۔

۱۔ قرآن مجید میں لفظ "ولی" کے استعمال کے مواقع:

الف۔ (أللّٰہ ولی الذّین آمنوا یخرجھم من الظلمات إلی النور) (بقرہ/۲۵۷)"اللہ صاحبان ایمان کا ولی ہے وہ انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے۔"

ب۔ (انّ ولی اللّٰہ الذّی نزل الکتاب و ھو یتولّی الصالحین) (اعراف/۱۹۶)"بیشک میرا مالک ومختار وہ خدا ہے جس نے کتاب نازل کی ہے اور وہ نیک بندوں کا ولی و وارث ہے۔"

ج۔ (ام إتّخذ وا من دونہ أولیائ فاللّٰہ ھوالولی وھو یحیی الموتی) (شوریٰ/۹)"کیا ان لوگوں نے اس کے علاوہ کو اپنا سرپرست بنایا ہے جب کہ وہی سب کا سرپرست ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے۔"

د۔ (قل أغیراللّٰہ أتخذوا ولیاًفاطرالسموات والارض وھو یطعم ولا یطعم) ۔۔۔(انعام/۱۴)"آپ کہئے کہ کیا میں خدا کے علاوہ کسی اور کو اپنا ولی بنا لوں جب کہ زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا وہی ہے، وہی سب کو کھلاتا ہے اس کو کوئی نہیں کھلاتا ہے۔"

ہ۔ (و انت ولینا فاغفر لنا وارحمنا وانت خیرالغافرین))اعراف/۱۵۵)"توہمارا ولی ہے،ہمیں معاف کردے اور ہم پررحم کرکہ توبڑابخشنے والاہے۔"

و۔ (فإن کان الذی علیه الحق سفیهاًاو ضعیفاًاولا یستطیع ان یمل هو فلیملل ولیه بالعدل))بقرہ/۲۸۲)"اب اگر حق اس کے خلاف ہو اوروہ نادان یاکمزورہو اور اس کو لکھنے کی صلاحیت نہ ہوتو اس کے ولی کو چاہئیے کہ عدل و انصاف کے ساتھ اسے لکھے۔

ز۔ (ومن قتل مظلوماً فقدجعلنا لولیه سلطاناً))اسراء/۳۳)"جومظلوم قتل ہوتاہے ہم اس کے ولی کوبدلہ کااختیاردیتے ہیں۔

دوسری آیات:یوسف/۱۰۱، ہود/۱۱۳، شوریٰ/۴۶،فصلت/۳۱، نحل/۶۳، بقرہ/۱۰۷و۱۲۰توبہ/۷۴و۱۱۶، عنکبوت/۲۲،شوریٰ/۸و۳۱،نساء/۴۵،

۱۲۳،۸۹،۷۵و۱۷۳، احزاب/۱۷و۶۵،فتح/۲۲)مذکورہ۱۵آیات میں ولی اورنصیرایک ساتھ استعمال ہوئے ہیں نساء/۱۱۹، مریم/۵،سباء/۴۱، نمل ۴۹،نساء/۱۳۹،یونس/۶۲، اسراء/۹۷،الزمر/۳، شوریٰ/۶، ممتحنہ/۱،آل عمران/۱۷۵، انفال/۴۰، محمد/۱۱بقرہ/۲۸۶،توبہ/۵۱،حج/۷۸۔

کتاب"مغنی اللبیب"کے مصنف،جمال الدین ابن ہشام مصری،جواہل سنت میں علم نحو کے بڑے عالم مانے جاتے ہیں جب آیہء شریفہ (إنّ الله وملائکته یصلّون علی

النّبی) [1] میں قرائت رفع (ملائکتہ) کی بنیاد پر بعض علمائے نحو جو "اِنّ "کی خبر) یصلّی ہے) کو محذوف اور مقدر جانتے ہیں، نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"واماّقول الجماعةفبعيدمن جهات:إحداهااقتضاؤه للإشترا والأصل عدمه لما فيه من الإلباس حتىّ إنّ قوماًنفوهثمّ المثبتون له يقولون:متى عارضه غيره ممّايخالف الأصل كالمجاز قدّم عليه[2]"

"ان کی بات کئی جہتوں سے حقیقت سے بعید ہے۔ اول اس لحاظ سے کہ ان کے بیان کا لازمہ یہ ہے کہ صلاۃ کو مشترک لفظی تسلیم کریں جبکہ اشتراک خلاف اصل ہے یہاں تک کہ بعض نے اسے بنیادی طور پر مسترد کیا ہے اور جنہوں نے اسے ثابت جانا ہے انھوں نے اسے مجاز اور اشتراک کی صورت میں مجاز کو اشتراک پر مقدم جانا ہے۔"

فیروزآبادی، صاحب قاموس نے بھی صلوٰت کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے کہ جس میں آیہء شریفہ (إنّ الله وملا ئكته يصلّون على النبيّ) ۔۔۔ کے بارے میں تحقیق کی ہے اور مذکورہ بیان کو ابن ہشام سے نقل کیا ہے۔[3]

اس بناء پر، ولایت کے مفہوم میں) جو کئی معانی ذکر ہوئے ہیں) سے جو معنی قدر متیقّن اوریقینی ہیں وہ سرپرستی اورصاحب اختیار ہو نے کے ہیں، اور دوسرے معانی جیسے، دوستی اوریاری اس کے حقیقی معنی کے حدود سے خارج ہیں اور ان کے بارے میں اشتراک لفظی کا سوال ہی پیدا

۱۔احزاب/۵۶

۲۔مغنی اللبیب، ج۲، باب پنجم، ص۳۶۵

۳۔الصلوۃوالبشرفی الصلوۃ علی خیرالبشر، ص۳۳، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

نہیں ہوتا۔

لہذا اگر مادئہ "ولی" قرینہ کے بغیر استعمال ہو تو وہ سرپرستی اور صاحب اختیار ہونے کے معنی میں ہوگا۔

دوسرا نکتہ بعض اہل لغت نے مادہ "ولی" کو ایک اصل پر مبنی جانا ہے اور مفہوم کا اصلی ریشہ) جڑ) کو "قرب" قرار دیا ہے۔ اور بعض مفسرین نے کلمہ "ولی" کو اسی بنیاد پر ذکر کیا ہے، اس سلسلہ میں چند مطالب کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے:

سب سے پہلے اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ لغوی معنی کے اس طرح کی تحلیل اور اس کا تجزیہ ایک حدس وگمان اور خوامخواہ کے اجتہاد کے سواء کچھ نہیں ہے اور اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ وہ چیز جو معنی کے سمجھنے اور اس لفظ سے تبادر کے لئے معیار ہے وہ اس کے استعمال کا زمانہ ہے۔ بیشک بہت سے مواقع پر "ولی" کے معنی سے قرب کا مفہوم ذہن میں پیدا نہیں ہوتا ہے۔ بعض مواقع پر کہ جہاں قرینہ موجود ہو جیسے "المطر الولی") وہ بارش جو پہلی بارش کے بعد یا اس کے بہت قریب واقع ہوئی ہو) میں اس قسم کے استعمال کو قبول کیا جاسکتا ہے۔

اس بنا پر اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ "قرب" اس معنی کی اصلی بنیاد تھی اور آغاز میں لفظ "ولی" کا مفہوم "قرب" کے معنی میں استعمال ہوتا تھا، لیکن موجودہ استعمال میں وہ معنی متروک ہو چکا ہے اور اب اس کا استعمال نہیں ہے۔

تیسرا بعض اہل لغت جیسے ابن اثیر نے "النہایۃ ۱" میں اور ابن منظور نے "لسان العرب ۲" میں "ولی" کے معنی بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ "ولی" خدا کے

۱۔ النہایۃ، ج۵، ص۲۲۸

۲۔ لسان العرب، ج۱۵، ص۱۰۶

ناموں میں سے ایک نام ہے اوریہ ناصر کے معنی میں ہے اورکہاگیاہے کہ اس کے معنی امورجہان کے متولی و منتظم کے ہیں۔

اس بیان سے استفادہ ہوتاہے کہ "ولی"جوخداکے ناموں میں سے ایک نام ہے، ان کے نزدیک ناصر کے معنی میں ہے،جبکہ مطلب صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر "ولی"کے معنی ناصر کے

ہوں گے)چونکہ "ولی"کا ایک مادہ اورایک ہیئت ہے،اوراس کامادہ "ولی" "ول ی" وہیئت فعیل ہے)تواس کاتقاضایہ ہے کہ مادہ "ولی"نصر کے معنی میں اوراس کی ہیئت)ہیئت فعیل) فاعل کے معنی میں ہے۔

ایک بات یہ کہ یہ دونوں نظریہ، بغیردلیل کے ہیں اوردوسرے یہ کہ:فعیل صفت مشبہ ہے جس کی دلا لت ثبوت پرہے جبکہ فاعل حدوث پردلالت کرتاہے اوریہ دونوں مفہوم کے اعتبار سے ایک دوسرے کے متغائیرہ ہیں۔

اس لئے "ولی"اسم الہی، اسی صاحب اختیاراورکائنات کے امورمیں متولی کے معنی میں ہے کہ جس کو دونوں اهل لغت نے اپنے مختارنظریہ کے بعد"قیل"کے عنوان سے بیان کیاہے۔

چوتھانکتہ:قرآن مجیدکی بہت سی آیتوں میں "ولی"، "نصیر" کے مقابلہ میں آیاہے، جیسے (ومالكم من دون الله من وليّ ولانصيرا ً) [1] تمہارے لئے اس کے علاوہ نہ کوئی سرپرست ہے اورنہ مددگار"

اگر "نصیر"، "ولی"کے معنی میں ہوتاتواس کے مقابلہ میں قرارنہیں دیا جاتا اوران دونوں لفظوں کا ایک دوسرے سے مقابلہ میں واقع ہونااس بات کی دلیل ہے کہ مفہوم کے لحاظ سے یہ دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

۱۔بقرہ/۱۰۷

پانچواں نکتہ: بعض افراد نے قرآن مجید کی بہت سی آیات کے بارے میں یہ تصور کیا ہے کہ ولی اورولایت نصرت اورمدد کے معنی میں استعمال ہوا ہے، جیسے: (مالکم من ولایتھم من شیء) [1] جب کہ ولایت سے مراد "نصرت کی ولایت" ہوسکتا ہے نہ یہ کہ ولایت "نصرت" کے معنی میں ہے، کیونکہ نصرت ومددولایت و سرپرستی کی علامتوں میں سے ایک

علامت ہے اس لحاظ سے ولایت کا معنی سرپرستی کے علاوہ کچھ نہیں ہے اوراس سے نصرت ویاری میں سرپرستی مراد ہے۔

"ولی" کے معنی کے سلسلہ میں جو کچھ بیان کیا گیا، اس کے پیش نظر، آیہء کریمہ میں صرف سرپرست اورصاحب اختیارہی والا معنی مراد ہے۔

اس کے علاوہ آیہء شریفہ میں قطعی ایسے قرینہ موجودہیں کہ جس سے مراد "دوست" اور "یاور" نہیں ہوسکتے ہیں۔ اس کی مزیدوضاحت سوالات کے جواب میں ائے گی۔

رکوع کے معنی

لغت میں "رکوع" کے معنی جھکنا اورخم ہونا ہے۔ اسی لئے نمازمیں جھکنے کو "رکوع" کہتے ہیں۔ [2]

زبیدی "تاج العروس [3]" میں کہتا ہے:

"اگررکوع کوتنگدستی اورمفلسی کے لئے استعمال کیاجائے اور ایسے شخص کوجوامیری کے بعدفقیری اورتنگدستی میں بتلا ہو جا ئے اورزوال سے دوچارہو تو اسے "رکع

۱۔انفال/۷۲

۲۔الصاح جوہری، ج۳، ص۱۲۲۲، دارالعلم للملایین، القاموس المحیط، فیروزآبادی، ج۳، ص۳۱، دارالمعرفہ، بیروت، المنیر، فیومی، ص۲۵۴، ط مصر، جمھرۃ اللغۃ، ابن درید، ج۲، ص۱۷۷۰ کتاب العین، خلیل بن احمد فراہیدی، ج۱، ص۲۰۰

۳۔تاج العروس، ج۲۱، ص۱۲۲، دارالہدایۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع۔

الرجل "کہتے ہیں اوریہ استعمال مجازی ہے۔"

اس لئے رکوع کا حقیقی معنی وہی جھکنا اور خم ہونا ہے اوراگرا سے دوسرے کسی معنی، جیسے زوال اور خضوع میں استعمال کیاجائے تویہ اس کے مجازی معنی ہیں اوراس کے لئے قرینہ کی ضرورت ہے۔

آیہء ولایت کی شان نزول

شیعہ اوراہل سنّت تفسیروں کے منابع میں موجودبہت سی احادیث کے مطابق یہ آیہ شریفہ حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور الذین آمنوا۔۔۔ سے مرادوہی حضرت(ع)ہیں۔

ہم اس سلسلہ میں ایک حدیث کو درج کرتے ہیں،جس کوثعلبی ١ نے اپنی تفسیر٢میں سنی محدثین اور مفسرین سے نقل کیا ہے اورشیعوں کے بڑے مفسر شیخ طبرسی نے بھی اس کو" مجمع البیان٣"میں درج کیاہے:

''عن عبایة بن الربعی قال:بیناعبدالله بن عباس جالس علی شفیرزمزم إذاأقبل رجل متعمّم بالعمامة؛فجعل ابن عباس لایقول:''قال رسول الله (ص)إلاّقال الرجل:قال رسول الله (ص)''!!فقال ابن عباس:سأ لتک بالله،من أنت؟قال:فکشف العمامةعن وجهه وقال:یا أیّهاالناس،من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فأنا ''

جندب من جنادةالبدری،أبوذرالغفاری،سمعت رسول الله

١۔ ثعلبی کے بارے میں ذہبی کا قول دوسرے اعتراض کے جواب میں بیان کیاجائے گا۔

٢"الکشف والبیان"ج۴،ص٨١۔٨٠،داراحیائ التراث العربی

٣۔ مجمع البیان،ج٣،ص٣٢۴

(ص) بها تین وإلاّصمّتا،ورأیته بها تین وإلاّفعمیتا،یقول:علیّ قائد البررة،وقاتل الکفرة،منصورمن نصره،مخذول منخذ لهأماّ إنّی صلّیت مع رسول الله ﷺ یوماًمن الأیاّم صلاةالظّهر،فدخل سائل فی المسجدفلم یعطه أحد،فرفع السائل یده إلی السّماء وقال:اللّهمّ أشهد إنّی سألت فی مسجدرسول الله فلم یعطنی احد شیئاً - وکان علیّ راکعاً - فأومی إلیه بخنصره الیمنی - وکان یتختّم فیها - فأقبل السائل حتیّاًخذالخاتم من خنصره!وذلک بعین النبیّی

فلماّ فرغ النّبیّی (ص)من الصلاةرفع یده إلیالسّماء وقال:اللّهمّ إنّ أخی موسی سألک فقال: (ربّ اشرح لی صدری ویسّرلی امری،وأجعل لی وزیراً من أهلی هارون أخی اشدد به أزری) فأنزلتَ علیه قرآناًناطقاً (سنشدّعضدک بأخیک ونجعل لکما سلطا ناً)

اللّهمّ وأنامحمّدنبیّک وصفیکااللّهمّ فاشرح لی صدری ویسّرلی أمری،وأجعل لی وزیراًمن أهلی علیّاً اشددبه ظهری

قال أبوذر:فوالله مااستتمّ رسول الله الکلمة حتّی أُنزل علیه جبرئیل من عندالله،فقال یامحمّد!إقرأ،فقال:وماأقرأ؟قال:إقرأ:، ”إنّما ولیّکم الله ورسوله إلی راکعون“الآیة

”عبایہ بن ربیع سے روایت ہے کہ اس نے کہا:اس وقت جب عبداللہ بن عباس) مسجد الحرام میں)زمزم کے کنارے بیٹھے تھے) اور پیغمبر اکرم ﷺ سے حدیث روایت کررہے تھے)اچانک ایک عمامہ پوش شخص آپہونچا)اوررسول خدا (ص) سے اس طرح حدیثیں نقل کرنا شروع کیں)کہ جب عبداللہ ابن عباس کہتے تھے:“قال رسول اللہ، (ص)”وہ شخص بھی کہتا تھا:“قال رسول اللہ (ص)۔”ابن عباس نے کہ:تمھیں خدا کی قسم ہے یہ بتاؤکہ تم کون ہو؟اس شخص نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹائی اورکہا:اے لوگو!جومجھے پہچانتاہے،وہ پہچانتاہے،اورجومجھے نہیں پہچانتامیں اسے اپنے بارے میں بتادیناچاہتاہوں کہ میں جندب،جنادئہ بدری کابیٹا،ابوذرغفاری ہوں۔میں نے رسول خدا ﷺ سے اپنے ان دونوں)کانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)کانوں سے سنا اگریہ بات صحیح نہ ہوتو)میرے کان)بہرے ہو جائیں اوران دونوں انکھوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) آنکھوں سے دیکھا اگریہ بات درست نہ ہوتو میری آنکھیں اندھی ہوجائیں)میں نے سنا اور دیکھا) فرما رہے تھے: علی (علیہ السلام) نیکوں کے پیشوااور کافروں کے قاتل ہیں۔جوان کی مدد کرے گااس کی خدا نصرت کرے گا،اورجوانھیں چھوڑدے گاخدااسے بھی چھوڑدے گا۔

ایک دن میں رسول خدا (ص) کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک سائل نے اہل مسجد سے سوال کیا، کسی نے اس کی حاجت پوری نہیں کی۔ سائل نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور کہا:

خداوندا! تو گواہ رہنا کہ میں نے مسجد النبی میں سوال کیا اور کسی نے میری حاجت پوری نہیں کی۔ علی (علیہ السلام) رکوع کی حالت میں تھے، اپنی چھوٹی) انگلی جس میں انگوٹھی تھی) سے اس کی طرف اشارہ کیا۔ سائل نے سامنے سے آکر انگوٹھی آپ (ع) کے ہاتھ سے نکال لی۔ رسول خدا (ص) اس واقع کے شاہد اور گواہ ہیں جب پیغمبر اسلام (ص) نماز سے فارغ ہوئے آسمان کی طرف رخ کر کے عرض کی: خداوندا! میرے بھائی موسیٰ (علیہ السلام) نے تجھ سے سوال کیا اور کہا "پروردگارا! میرے سینے کو کشادہ کردے، میرے کام کو آسان کردے اور میری زبان کی گرہوں کو کھول دے، تا کہ یہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے اہل میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر قرار دیدے، اس سے میری پشت کو مضبوط کردے، اسے میرے کام میں شریک بنادے۔ ") اس کی درخواست کو جر لیا) اور تو نے اس داستان کے بارے میں قرآن مجید میں یوں فرمایا: "ہم تمھارے بازوؤں کو تمھارے بھائی) ہارون) سے مضبوط کردیں گے اور تمھیں ان پر مسلط کردیں گے۔ "

خداوندا! میں تیرا برگزیدہ پیغمبر ہوں، خداوندا! میرے سینے کو کشادہ کردے، میرے کام کو آسان کر، میرے اہل میں سے میرے بھائی علی (ع) کو میرا وزیر قرار دے اور اس سے میری پشت کو مضبوط کر۔) ابوذر کہتے ہیں:) خدا کی قسم رسول خدا (ص) نے ابھی اپنی بات تمام بھی نہیں کی تھی کہ جبرئیل امین خدا کی طرف سے نازل ہوئے اور کہا: اے محمد! پڑھئے!) آنحضرت نے) کہا: کیا پڑھوں؟) جبرئیل نے کہا) پڑھئے: اِ (نّماولیکم اللہ ورسولہ) ۔۔۔ "

شیخ طبرسی نے اس حدیث کے خاتمہ پر کہا ہے: اس روایت کو ابو اسحاق ثعلبی نے اپنی تفسیر میں اسی سند سے) کہ جیسے میں نے ذکر کی ہے) نقل کیا ہے۔ اس شان نزول کو بیان کرنے والی بہت ساری حدیثیں ہیں ان میں سے بعض کو ہم دوسری مناسبتوں کے سلسلہ میں بیان کریں گے اور ان میں سے بعض دوسری احادیث کے حوالہ ابن تیمہ کے جواب کے ذیل میں عرض کریں گے۔ ان احادیث کے پیش نظر واضح ہو گیا کہ یہ شان نزول قطعی ہے اور اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

آیہء ولایت کے بارے میں چند سوالات اوران کے جوابات

آیہء ولایت کے بارے میں چندسوالات کئے جاتے ہیں، مناسب ہے ہم اس باب میں ان کے جوابات دیں۔

۱۔کیاآیت میں "ولی"کا معنی دوست نہیں ہے؟

یہ آیہء کریمہ ایسی آیات کے سیاق میں ہے کہ جس میں مومنین کے لئے یہودونصاریٰ کو اپنے ولی قراردینے سے نہی کی گئی ہے۔چونکہ ان آیات میں ولی 'یاور''یا'دوست'' کے معنی میں ہے،اس آیت میں بھی اس کے معنی اسی سیاق کے تحت درج ہے، لہذا اسی معنی میں ہونا چاہیئے۔اگرایسا نہ مانیں توسیاق واحدمیں تفکیک لازم آئیگی۔

اس لئے اس آیت کے معنی یوں ہوتے ہیں:"بس تمہارایاوریادوست اللہ اوراس کا رسول اور وہ صاحبان ایمان ہیں جو نمازقائم کرتے ہیں اورحالت خضوع اورانکساری میں زکوٰۃدیتے ہیں۔"

جواب:

اوّل یہ کہ:آیہء شریفہ میں سیاق کا پایا جانامنتفی ہے،کیونکہ آیہء کریمہ)چنانچہ اس کی شان نزول کے سلسلہ میں پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے اوراس کی مزیدوضاحت آگے کی جائے گی) ایک مستقل شان نزول رکھتی ہے۔نزول کا مستقل ہونا اس معنی میں ہے کہ یہ آیت اپنے معانی و مفاہیم کے لحاظ سے دوسری آیات سے مربوط نہیں ہے۔

بیشک قرآن مجیدکی آیات کی ترتیب و تنظیم،جس طرح اس وقت موجود ہے،اسی اعتبار سے ہم اس کی قرائت کرتے ہیں باوجود اس کے کہ ان میں نزول کی ترتیب کے لحاظ سے تناقض پایا جاتا ہے۔یہاں تک بعض سورہ یا آیات کہ جوپہلے نازل ہوئی ہیں وہ موجودہ ترتیب میں قرآن کے آخر میں نظر آتی ہیں، جیسے:مکی سورے کہ جوقرآن مجیدکے آخری پارے میں

موجودہیں اور بہت سی آیات اورسورے اس کے برعکس ہیں جیسے:سورئہ بقرہ کہ جوموجودہ ترتیب کے لحاظ سے قرآن مجیدکادوسراسورہ ہے جب کہ یہ مدینہ میں نازل ہونے والاپہلاسورہ ہے۔

لہٰذا موجودہ ترتیب زمانہ نزول کے مطابق نہیں ہے،اورمعلوم ہے کہ آیات کے ظہور کے پیش نظرترتیب کا معیار زمانہ نزول ہے۔

اگریہ کہاجائے کہ:آیات اورسورتوں کی تنظیم،پیغمبراکرم ﷺ کے زیرنظرانجام پائی ہے اورآنحضرت ﷺ نے آیات کی مناسبت اورمعنوی نظم کو مدنظررکھتے ہوئے ہرآیہ اورسورہ کواپنی مناسب جگہ پرقراردیاہے۔اس لئے موجودہ ترتیب کا زمانہ نزول سے مختلف ہوناسیاق کے لئے ضرر کا باعث نہیں ہے۔

جواب میں کہنا چاہئے:اگرچہ یہ نظریہ صحیح ہے کہ موجودہ صوت میں قرآن مجیدکی آیات کی تنظیم اور ترتیب آنحضرت ﷺ کی نگرانی میں انجام پائی ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظرمیں کوئی مصلحت تھی جس کے پیش نظرہر آیت یا سورہ کو ایک خاص جگہ پرقرار دیا جائے،لیکن اس کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی یہ مصلحت نظم ومناسبت کی رعایت اورآیات کے ایک دوسرے سے معنوی رابطہ کی وجہ سے مربوط ہے۔

اس لحاظ سے ہرآیت کا نزول اگراس کی پچھلی آیات سے دلیل کی بناپرثابت ہوجائے تو اس میں سیاق کاوجود ہے اورجس کسی آیت کا نزول مستقل یا مشکوک ہوتو اس آیت کا گزشتہ آیت سے متصل ہونا اس کے سیاق کا سبب نہیں بن سکتا ہے۔زیر بحث آیت کا نزول بھی مستقل ہے اور مذکورہ بیان کے پیش نظراس میں سیاق موجود نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ: اگر سیاق پا یا بھی جائے پھر بھی گزشتہ آیت میں ثابت نہیں ہے کہ "ولی"کا معنی دوست اور ناصر کے ہیں جیسا کہ فرماتا ہے:

(یاایّھاالّذین آمنوالا تتخذواالیھود والنصاریٰ اولیاء بعضھم اولیائ بعض) ۔۔۔۔)مائدہ/۵۱)

"ایمان والو!یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا ولی وسرپرست نہ قرار دو کہ یہ خودآپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں ۔"

اس آیت میں بھی) ہمارے مذکورہ اشارہ کے پیش نظر)ولایت، سرپرستی اورصاحب اختیار کے معنی میں ہے۔

تیسرے یہ کہ:اگر آیہء کریمہ میں موجودولایت دوستی یا نصرت کے معنی میں ہو تواس سے یہ لازم آئے گا کہ اس کا مفہوم خلاف واقع ہو، کیونکہ اس صورت میں اس کے معنی یوں ہوں گے "بس تمہارا مددگاریادوست اللہ اور اس کا رسول اور وہ صاحبان ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور رکوع کی حالت میں زکواۃ دیتے ہیں۔"جبکہ معلوم ہے کہ مومنین کے مددگاراوردوست ان افراد تک محدود نہیں ہیں جورکوع کی حالت زکواۃ دیتے ہیں بلکہ تمام مومنین ایک دوسرے کے مددگاراوردوست ہیں!

مگریہ کہ آیہ کریمہ میں "راکعون"کے معنی"خداکی بارگاہ میں خضوع وخشوع کرنے والے کے ہیں اوریہ معنی مجازی ہیں اوررکوع کے حقیقی معنی جھکنے اور خم ہونے کے ہیں ان مطالب کے پیش نظر، سیاق کی بات یہاں پر موضوع بحث سے خارج ہے اور اس کے وجودکی صورت میں بھی معنی مقصود کوکوئی ضرر نہیں پہنچاتا ہے ۔

۲۔مذکورہ شان نزول)حالت رکوع میں حضرت علی(ع)کاانفاق کرنا)ثابت نہیں ہے۔

بعض افراد نے آیہ شریفہ کی شان نزول پراعتراض کیاہے اور کہا ہے کہ یہ واقعہ)امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کانماز کی حالت میں انفاق کرنا اوراس سلسلہ میں ایت کانازل ہونا)ثابت نہیں ہے۔رہی یہ بات کہ ثعلبی نے اس داستان کو نقل کیاہے تووہ صحیح اورغیر صحیح روایتوں میں تمیزکرنے کی صلاحیت نہیںرکھتاہے،اوربڑے محدثین،جیسے طبری اورابن حاتم وغیرہ نے اس قسم کی جعلی داستانوں کونقل نہیں کیاہے؟!

جواب:

یہ شان نزول شیعہ واہلسنت کی تفسیر اورحدیث کی بہت سی کتابوں میں نقل ہوئی ہے اور ان میں سے بہت سی کتابوں کی سندمعتبرہے۔چونکہ ان سب کو نقل کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے،اس لئے ہم ان میں سے بعض کے حوالے حاشیہ میں ذکرکرتے ہیں[1]

۱۔ احقاق الحق/ج۳/ص۳۹۹تا۴۱۱، احکام القرآن جصاص/ج۲/ص۴۴۶، اربعین ابی الفوارس/ص۲۲مخطوط، ارجح المطالب/ص۱۶۹طبع لاہور)بہ نقل احقاق الحق) ، اسباب النزول/ص۱۳۳انتشارات شریف رضی، اصول کافی/ج۱/ص۱۴۳/ح۷وص۱۴۶/ح۱۶وص۲۲۸/ح۳المکتبۃالاسلامیہ، انساب الاشراف/ج۲/ص۳۸۱دار الفکر، البدایۃوالنہایۃ)تاریخ ابن کثیر)/ج۷/ص۳۷۱دارالکتب العلمیہ، بحرالعلوم)تفسیر السمرقندی)/ج۱/ص۴۴۵دارالکتب العلمیۃ بیروت البحر المحیط/ج۳/ص۵۱۴مؤسسۃالتاریخ عربی، تاریخ مدینۃ دمشق/ج۴۲/ص۳۵۶و۳۵۷دارالفکر، ترجمۃالامام امیرالمؤمنین/ج۲/ص۴۰۹و۴۱۰دارالتعارف للمطبوعات، التسہیل لعلوم التنزیل/ج۱۰ص۱۸۱دارالفکرتفسیرابن کثیر/ج۲/ص۷۴دارالمعرفۃ بیروت، تفسیر بیضاوی/ج۱/ص۲۷۲دارالکتب العلمیہ، تفسیر الخازن/ج۱/ص۴۶۸دارالفکر، تفسیر فرات/ج۱/ص۱۲۳۔۱۲۹، تفسیر القرآن/ابن ابی حاتم/ج۴/ص۱۱۶۲المکتبۃالاہلیہ بیروت، تفسیر کبیر فخررازی/ج۶/جزء۱۲/ص۲۶داراحیائ التراث العربی بیروت، جامع احکام القرآن۔ج۶/ص۲۲۱و۲۲۲دارالفکر، جامع الاصول/ج۹/ص۴۷۸/ح۶۵۰۳داراحیائ التراث العربی، جامع البیان طبری/ج۴/جزء۶/ص۱۸۶دارالمعرفۃبیروت، الجواہر الحسان/ج۲/ص۳۹۶داراحیائ التراث العربی بیروت، حاشیۃالشہاب علی تفسیربیضاوی/ج۳/ص۲۵۷دار احیائ التراث العربی بیروت، حاشیۃالصاوی علی تفسیرجلالین/ج۱/ص۲۹۱دار الفکر، الحاوی للفتاوی مکتبۃالقدس قاہرہ)بہ نقل احقاق الحق)، الدر المنثور/ج۳/ص۱۰۵و۱۰۶دارالفکر، ذخائر العقبی/ص۸۸مؤسسۃالوفائ بیروت، روح المعانی/ج۶/ص۱۶۷داراحیائ التراث العربی، الریاض النضرۃ/ج۲/ص۱۸۲دار الندوۃ الجدیدۃ، شرح المقاصد تفتازانی/ج۵/ص۲۷۰و۲۷۱، شرح المواقف جرجانی/ج۸/ص۳۶۰، شرح نہج البلاغہ/ابن ابی الحدید، شواہد التنزیل/ص۲۰۹تاص۲۴۸)۲۶حدیث)، غرائب القرآن نیشاپوری/ج۲/جزء۶/ص۶۰۶/دار الکتب العلمیۃ بیروت، فتح القدیر)تفسیر شوکانی)/ج۲ص۶۶/دار الکتب العلمیۃ بیروت، فرائد السمطین/ابراہیم بن محمد جوینی/ج۱/ص۱۸۷وص۱۹۵/مؤسسۃالمحمودی، الفصول المہمۃ/ص۱۲۳و۱۲۴/منشورات الاعلمی تہران، الکشاف/زمخشری/ج۱/ص۳۴۷دارالمعرفۃبیروت، کفایۃالطالب/ص۲۴۹وص۲۵۰/داراحیائ تراث اہل البیت، کنزالعمال/ج۱۳/ص۱۰۸وص۱۶۵/مؤسسۃالرسالۃ، اللباب فی علوم الکتاب/ج۷/ص۳۹۰وص۳۹۸/دارالکتب العلمیۃ بیروت، مجمع الزوائد/ج۷/ص۸۰/دارالفکر۔ المراجعات/ص۲۵۷،مرقاۃ المفاتیح/ج۱۰/ص۴۶۲/دارالفکر مطالب السؤول/ج۱/ص۸۶و۸۷، معالم التنزیل/ج۲/ص۴۷ا المعجم الاوسط/ج۷/ص۱۲۹وص۱۳۰/مکتبۃالمعارف الریاض، معرفۃعلوم الحدیث/ص۱۰۲/دارالکتب العلمیۃ بیروت مناقب ابن مغازلی/ص۳۱۱/المکتبۃ الاسلامیۃ، مناقب خوارزمی/ص۲۶۴وص۲۶۵وص۲۶۶/مؤسسۃالنشر الاسلامی، مواقف ایجی/ج۸/ص۳۶۰نظم درر السمطین/ص۸۶/مطبعۃالقضاء)بہ نقل احقاق الحق)، النکت والعیون)تفسیر الماوردی)/ج۲/ص۴۹/مؤسسۃالکتب الثقافیۃنورالابصار/ص۸۶و۸۷/دارالفکر

اس قسم کے معتبر واقعہ کو جعلی کہنا، امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی مقدس بارگاہ میں جسارت اور ان بڑے محدثین کی توہین ہے کہ جنہوں نے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے! اور ثعلبی کے متعلق اس طرح کے گستاخانہ اعتراضات کہ وہ صحیح اور غیر صحیح احادیث میں تمیز دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے، جب کہ اہل سنت کے علمائے رجال نے اس کی تعریف تمجید کی ہے اور وسیع پیمانے پر اس کو سراہا اور نوازا ہے۔ ہم یہاں پر نمونہ کے طور پر ان میں سے صرف دو بزرگوں کے نظریات پیش کرتے ہیں:

علمائے اہل سنت میں علم رجال کے ماہر نیز مشہور و معروف عالم دین اور حدیث شناس، ذہبی، ثعلبی کے بارے میں یوں کہتے ہیں:

"الإمام الحافظ العلا مة شيخ التفسير كان أحد أو عية العلم وكان صادقاً موثقاًبصيراً بالعربية"[1]

"یعنی: وہ امام، حافظ، علامہ، استاد تفسیر نیز ایک علمی خزانہ ہیں۔ وہ سچے، قابل اعتماد اور عربی ب کے حوالے سے وسیع معلومات اور گہری نظر رکھنے والے ہیں۔"

۲۔ عبدالغافر نیشابوری "منتخب تاریخ نیشاپوری" کہتے ہیں:

"احمد بن مُحَّدبن ابراهيمالمقرىء المفسر الواعظ،الاديب،الثقة،الحافظ،صاحب التصانيف الجليلة من

۱۔ سیر اعلام النبلاء، ج۱۷، ص۴۳۵، مؤسسہ الرسالۃ، بیروت

تفسیر،الحاوی لانواع الفوائد من المعانی والإشارات، وھو صیحع النقل موثق بہ۔"[1]

"عبدالغافر نے ان کی اس عبارت میں توصیف کی ہے کہ احمدبن محمدبن ابراھیم مقریء)علم قرات کے ماہر)، مفسر، واعظ، ادیب، قابل اعتماد، حافظ نیز معانی اوراشارات پر قابل قدرکتابوں کے مصنف تھے۔ان کی احادیث صحیح اورقابل اعتمادہیں۔"

ثعلبی کے باوثوق ہونے اوران کی عظمت کے علاوہ امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے سائل کو انگوٹھی دینے کی داستان کو صرف ثعلبی ہی نے نقل نہیں کیاہے۔بلکہ یہ واقعہ شیعہ اوراہل سنت کے حدیث اورتفسیر کی بہت سی کتابوں میں درج ہے۔یہاں تک کہ طبری اورابن حاتم نے بھی اس داستان کونقل کیاہے،جن کے بارے میں معترض نے کہاتھا:"یہ لوگ اس قسم کی داستانیں نقل نہیں کرتے ہیں"۔مناسب ہے ہم یہاں پران دونوں افرادکی روایتوں کونقل کریں:

ابن کثیرنے اپنی تفسیرمیں .بیان کیاہے:

"قال ابن ابی حاتم۔۔۔وحدثنا ابو سعید الاشجّ،حدثنا الفضل بندکین ابونعیم الاحول،حدثناموسی بن قیس عن سلمۃبن کھیل

قال:تصدّق علی بخاتمہ وھوراکع فنزلت (إنّما ولیکم اللہ ورسولہ والّذین آمنواالذین یقیمون الصلوٰۃویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون) ٢

اس حدیث میں ابن کثیرابن ابی حاتم کی کتاب سے صحیح سند کے ساتھ سلمۃ بن کہیل سے، حضرت علی علیہ السلام کے متعلق حالت رکوع میں اپنی انگوٹھی کو بہ طور صدقہ دینے کا واقعہ نقل

١۔تاریخ نیشابوری،ص١٠٩ ٢۔تفسیر ابن کثیر،ج٢،ص٧۴

کرتاہے اورکہتاہے:اس قضیہ کے بعدآیہء شریفہ (إنّماوليّكم الله) ۔۔۔نازل ہوئی۔ابن جریر طبری نے بھی اپنی تفسیر میں روایت نقل کی ہے:"حدثنامُحَمّدابن الحسين قال:حدثنااحمدبن المفضل قال:حدثناأسباط عن السدّيعلى بن أبى طالب مرّ به سائل وهوراكع فى المسجد فأعطاه خاتمه"(1)

اس روایت میں بھی حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے حالت رکوع میں اپنی انگشتری کو راہ خدا میں دینے کو بیان کیا گیا ہے۔

۳۔کیا"إنمّا"حصرپردلالت کرتاہے؟

فخررازی نے کہاہے کہ"إنّما"حصرکے لئے نہیں ہے۔اس کی دلیل خداوندمتعال کایہ قول ہے کہإنّمامثل الحياة الدنياكماء انزلناه من السماء۔۔۔٢یعنی:زندگانی دنیا کی مثال صرف اس بارش کی ہے جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا"

بیشک دینوی زندگی کی صرف یہی ایک مثال نہیں بلکہ اس کے لئے اور بھی دوسری مثالیں ہیں،اس لئے اس آیت میں "إنّما"حصرپردلالت نہیں کرتاہے۔

جواب:

اول یہ کہ:جس آیہء شریفہ کو فخررازی نے مثال کے طورپرپیش کیاہے،اس میں بھی "إنمّا"حصر کے طورپراستعمال ہواہے۔لیکن حصردو قسم کاہے:حصرحقیقی میں مخاطب کے خیال اورتصور کی نفی کی جاتی ہے، مثلاً اگر کوئی کہے :"زید کھڑا ہے " اس کے مقابلہ میں کہاجاتا ہے:

"إنّماقائم عمرو"یعنی کھڑاشخص صرف عمروہے نہ زید۔ اس جملہ کامقصدیہ نہیں ہے کہ دنیا میں کھڑے انسان عمرو میں منحصرقراردئے جائیں،بلکہ مقصودیہ ہے کہ مقابل کے اس تصور کو زائل کیاجائے کہ زیدکھڑاہے اوراسے یہ سمجھایاجائے کہ صرف عمروکھڑاہے۔

١۔تفسیرطبری،ج۶،ص١٨۶،دار المعرفة،بیروت

٢۔سورئہ یونس/٢۴

آیہ کریمہ بھی اس مطلب کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ دنیا کی زندگانی کو صرف آسمان سے برسنے والے پانی کی مثال اورتشبیہ دینی چاہئے جس کے برسنے کے نتیجہ میں ایک پوداا گتا ہے اور سرانجام وہ پودا خشک ہو جاتاہے، کیونکہ یہ مثال دنیاوی زندگی کے فانی اور منقطع ہونے کی حکایت کرتی ہے ،نہ یہ کہ اس کے لئے ایک ایسی مثال پیش کی جائے جو اس کے دوام، استمرار اوربقا کی حکایت کرتی ہو۔

دوسرے یہ کہ: لغوی وضع کے لحاظ سے "اِنّما" حصر کے لئے ہے لیکن قرینہ موجود ہونے کی صورت میں غیر حصر کے لئے بھی بہ طورمجاز استعمال ہو سکتا ہے۔ فخررازی کی طرف سے بہ طوراعتراض پیش کی گئی آیت میں اگر "انما" غیرحصر کے لئے استعمال ہوا ہے تو وہ قرینہ موجود ہونے کی وجہ سے بہ طورمجازی استعمال ہوا ہے۔ اس لئے اس آیہء شریفہ میں "اِنّما" کا حقیقی معنی وہی حصر، مقصود ہے۔

۴۔ کیا "الذین آمنوا" کا اطلاق علی علیہ السلام کے لئے مجازی ہے؟

اگر "الذین آمنوا" کہ جو جمع ہے اس سے مراد علی علیہ السلام ہوں گے تو لفظ جمع کا استعمال مفرد کے معنی میں ہو گا۔ یہ استعمال مجازی ہے اور مجازی استعمال کو قرینہ کے بغیر قبول نہیں کیا جاسکتا ہے۔

جواب:

اول یہ کہ: شیعہ امامیہ کی احادیث کے مطابق "الذین آمنوا" صرف امیرالمؤمنین علیہ السلام سے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس میں دوسرے معصوم ائمہ بھی شامل ہیں۔ ہماری احادیث کے مطابق تمام ائمہء معصومین اس کرامت وشرافت کے مالک ہیں کہ رکوع کی حالت میں سائل کو انگوٹھی دیں۔[1]

۱۔ اصول کافی، ج ا ص ۱۴۳، ح۷ وص ۱۴۶، ح ۱۶ وص ۲۲۸، ح ۳ المکیۃ الاسلامیہ۔ کمال الدین، ح ۱، ص ۲۷۴۔ ۲۷۹ دار الکتب الاسلامیۃ فرائد السبطین، ج ۱، ص ۳۱۲، ح ۲۵ مؤسسہ المحمودی لطاعۃ والنشر۔ ینا بیع المودۃ، ص ۱۱۴۔ ۱۱۶

دوسرے یہ کہ:بالفرض اس موضوع سے ایک خاص مصداق یعنی حضرت علی علیہ السلام کاارادہ کیا گیا ہے اور یہ استعمال مجازی ہے،اس مجازی استعمال کے لئے وہ احادیث قرینہ ہیں جو اس کی شان نزول میں نقل کی گئی ہیں اور بیان ہوئیں۔

۵۔کیا حضرت علی علیہ السلام کے پاس انفاق کے لئے کوئی انگوٹھی تھی؟

جیسا کہ مشہور ہے حضرت علی(علیہ السلام) فقیر اورغریب تھے اوران کے پاس کوئی قیمتی انگوٹھی نہیں تھی۔

جواب:

احادیث اورتاریخ گواہ ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام غریب اور فقیر نہیں تھے۔ حضرت(ع)اپنے ہاتھوں سے اور اپنی محنت وکوشش کے ذریعہ نہریں کھودتے تھے اور نخلستان آباد کرتے تھے،اپنے لئے مال ودولت کی ذخیرہ اندوزی نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے مال کوخدا کی راہ میں انفاق کرتے تھے۔

۶۔کیا)راہ خدا میں) انگوٹھی انفاق کرنا حضور قلب)خضوع وخشوع) کے ساتھ ھم آھنگ وسازگارہے؟

حضرت علی (علیہ السلام)نماز کی حالت میں مکمل طورپر حضور قلب کے ساتھ منہمک ہو تے تھے۔جو اس طرح حضور قلب کے ساتھ یاد خدا میں ڈوبا ہوا ہووہ دوسرے کی بات نہیں سن سکتا۔اس خشوع وخضوع کے پیش نظر حضرت(ع)نے کیسے سائل کے سوال اوراس کے مدد کے مطالبہ کوسن کر اپنی انگوٹھی اس کوانفاق کی!

جواب:

حضرت علی علیہ السلام اگر چہ فطری طورپر)نمازمیں خاص حضورقلب کی وجہ سے) دوسروں کی بات پر توجہ نہیں کرتے تھے، لیکن اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ مقلب القلوب اوردلوں کو تغیر دینے والا خداوند متعال،سائل کے سؤال کے وقت آپ(ع)کی توجہ کواس کی طرف متوجہ کرے تاکہ اس صدقہ کوجوایک اہم عبادت ہے آیہء شریفہ کے نزول کا سبب قرار دے اوریہ آیہء شریفہ آپ(ع)کی شان میں نازل ہو۔

اس آیت کی شان نزول سے مربوط احادیث)جن میں سے بعض بیان کی گئیں) اس بات کی دلیل ہیں کہ آپ(ع)نے سائل کی طرف متوجہ ہوکرمذکورہ صدقہ کو اپنے ہاتھوں سے دیاہے۔

۷۔کیا انفاق، نمازکی حالت کو توڑنے کا سبب نہیں بنتا؟

نمازکی حالت میں انگوٹھی انفاق کرنا، نمازکی ظاہری حالت کوتوڑنے کا سبب ہے۔اس لئے حضرت(ع) سے اس قسم کا فعل انجام نہیں پاسکتا ہے۔

جواب:

جو چیزنماز کی حالت کو توڑ نے کا سبب ہے وہ فعل کثیر ہے اوراس قسم کا مختصر فعل نماز کو توڑنے کا سبب نہیں ہو سکتا ہے۔شیعہ فقہا اس قسم کے امور کو نماز کو باطل کرنے کا سبب نہیں جانتے ہیں۔

ابوبکر جصاص کتاب"احکام القرآن"۱میں"باب العمل الیسیرفی الصلاۃ' کے عنوان سے آیہء کریمہ کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:اگرآیہء شریفہ سے مراد رکوع کی حالت میں صدقہ دینا ہے تو یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز کے دوران چھوٹے اورجزئی کام مباح ہیں۔پیغمبر اکرم (ص) سے نمازکی حالت میں چھوٹے اورجزئی کام کے جائز ہونے کے سلسلہ میں چند احادیث روایت ہوئی ہیں جیسے وہ حدیثیں جو اس بات پردلالت کرتی ہیں کہ آنحضرت (ص) نے نماز کی حالت میں اپنے جوتے اُتارے اوراپنے ریش مبارک پرہاتھ پھیرااوراپنے ہاتھ سے)کسی جگہ کی طرف)اشارہ فرمایا۔اس لئے نمازکی حالت میں صدقہ

۱۔احکام القرآن،ج۲،ص۴۴۶،دار الکتب العلمیہ،بیروت

دینے کے مباح ہونے کے بارے میں آیہء شریفہ کی دلالت واضح اورروشن ہے۔

قرطبی "جامع " احکام القرآن ۱ میں کہتے ہیں: طبری نے کہا ہے کہ یہ) امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے توسط سے نماز کی حالت میں انگوٹھی کا بہ طور صدقہ دینا) اس بات کی دلیل ہے کہ چھوٹے اورجزئی امور نماز کو باطل نہیں کرتے ہیں، کیونکہ صدقہ دینا ایسا امر تھاجو نماز کی حالت میں انجام دیا گیا ہے اور نماز کو باطل کرنے کا سبب نہیں بنا۔

۸۔کیا مستحبی صدقہ کو بھی زکوٰة کہاجاسکتاہے؟

فخر رازی نے کہا ہے کہ زکوۃ، کے نام کا اطلاق "زکوۃ" واجب کے لئے ہے اور مستحب صدقہ پرزکوٰۃ اطلاق نہیں ہوتاہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ خداوند متعال نے)بہت سے مواقع پر)فرمایا ہے: (وآتواالزکوٰۃ) یعنی:زکوٰۃادا کرو۔فعل امر واجب پر دلالت کرتا ہے۔

اب جب کہ زکوٰۃ، کا اطلاق صدقہ واجبہ کے لئے ہوتا ہے تو اگر علی(علیہ السلام) نے واجب زکوٰۃ کونماز کی حالت میں ادا کیا ہے توآپ(ع) نے ایک واجب امرکواپنے اول وقت سے موخیر کیا ہے اور یہ اکثر علماء کے نزدیک گناہ شمار ہوتا ہے۔اس لئے اس کی حضرت علی(علیہ السلام) کی طرف نسبت نہیں دی جاسکتی ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ:زکوٰۃ سے مراد مستحب صدقہ ہے،تو یہ اصل کے خلاف ہے، کیونکہ آیہء شریفہآتواالزکوٰۃ سے یہ استفادہ ہوتاہے کہ جوبھی صدقہ زکوٰۃ کا عنوان رکھتا ہے وہ واجب ہے۔

جواب:

اول یہ کہ:آیہء شریفہ میں ذکر کی گئی زکوٰۃ سے مرادبیشک زکوٰہ مستحب ہے اورشان نزول کی حدیثیں اس مطلب کی تائید کرتی ہیں۔لیکن یہ کہنا کہ "آیہء شریفہ" (آتواالزکوٰۃ) میں زکوٰۃ سے مرادزکوٰۃ واجب ہے اس لئے جس چیزپرزکوٰۃاطلاق ہو گا وہ

۱۔"جامع الاحکام القرآن"،ج۶،ص۲۲۱،دارالفکر

واجب ہوگا" اس کا صحیح نہ ہونا واضح اورعیان ہے کیونکہ ایک طرف جملہء وآتوا الزکوٰۃ میں وجوب پر دلالت کرنے والا لفظ "آتوا" فعلامر ہے اور لفظ زکوٰۃ کا استعمال ماہیت زکوٰۃ کے علاوہ کسی اورچیز میں نہیں ہوا ہے۔ اور ماہیت زکوٰۃ، واجب اور مستحب میں قابل تقسیم ہے اور یہ تقسیم کسی قرینہ کے بغیر واقع ہوتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وجوب و استحباب لفظ کے دائرے سے خارج ہے۔ دوسری طرف سے شیعہ وسنی احادیث اور فقہا کے فتووں میں زکوٰۃ کی دو قسمیں ہیں، زکوٰۃ واجب اور زکوٰۃ مستحب لہذا یہ کہنا کہ جو بھی زکوٰۃ ہوگی واجب ہوگی اس اطلاق کے خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ: آیہء شریفہ میں بہ صورت فعل امر "آتوا" نہیں آیا ہے بلکہ جملہ "یؤتون الزکوٰۃ" اخبار ہے نہ انشاء۔ اور یہ کہ آیہ شریفہ میں صدقہ سے مراد مستحب صدقہ ہے، اس کی بعض اہل سنت فقہا اور مفسرین تصدیق کرتے ہیں۔

جصاص "احکام القرآن" میں کہتے ہیں (يؤتون الزكوٰةوهم راكعون) کا جملہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مستحب صدقہ کو زکوٰۃ کہا جاسکتا ہے، کیونکہ علی (علیہ السلام) نے اپنی انگوٹھی کو صدقہ مستحبی) زکوٰۃ مستحبی) کے طور پر انفاق کیا ہے اور اس آیہء شریفہ میں: (وماآتيتم من زكوٰةتريدون وجه الله فأولئک هم المضعفون) [1] یعنی: جو زکوٰۃ دیتے ہو اور اس میں رضائے خدا کا ارادہ ہوتا ہے تو ایسے لوگوں کو دگنا جزا دی جاتی ہے"

لفظ "زکوٰۃ" صدقہء واجب اور صدقہء مستحب دونوں کو شامل ہوتا ہے۔ "زکوٰۃ کا اطلاق "واجب اور مستحب دونوں پر مشتمل ہوتا ہے، جیسے نماز کا اطلاق صرف نماز واجب کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ مستحب نماز بھی اس میں شامل ہے۔[2]

۱۔ سورہ روم/۳۹

۲۔ احکام القرآن، ج۲، ص۲۴۶

۹۔کیا رکوع میں زکوۃ دینے کی کوئی خاص اہمیت ہے؟

اگر رکوع سے مراد نماز کی حالت میں رکوع ہے تو یہ قابل مدح وستائش نہیں ہے، کیونکہ رکوع میں انفاق کرنا یا نماز کی کسی دوسری حالت میں انفاق کرنا اس میں کوئی فرق نہیں ہے؟

جواب:

یہ کہ آیہء شریفہ میں رکوع امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی زکوۃ کے لئے ظرف واقع ہوا ہے، یہ اس لحاظ سے نہیں ہے کہ اس حالت میں انفاق کرنا قابل تمجیدوستائش یا کسی خاص تعریف کا باعث ہے بلکہ یہ اس لحاظ سے ہے کہ سائل کا سوال حضرت(ع)کے رکوع کی حالت میں واقع ہوا ہے اور علمائے اصول کی اصطلاح کے مطابق "اس سلسلہ میں قضیہ، قضیہ خارجیہ ہے اور رکوع کا عنوان کوئی خصوصیت و موضوعیت نہیں رکھتا ہے۔"اور تعریف و تمجید اس لحاظ سے ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اس حالت میں اس عبادی عمل کو انجام دیا ہے۔اگر حضرت(ع) نے رکوع میں یہ انفاق انجام نہ دیا ہو تو وہ سائل ناامیدی اور محرومیت کی حالت میں مسجد سے واپس چلاجاتا۔

۱۰۔کیا اس آیت کا مفہوم سابقہ آیت کے منافی ہے؟

فخررازی کا کہنا ہے:اگر یہ آیت علی(علیہ السلام)کی امامت پردلالت کرے گی تو یہ
آیت اپنے سے پہلے والی آیت کے منافی ہوگی کہ جو ابوبکر کی خلافت کی مشروعیت پردلالت کرتی ہے۔

جواب:

اس سے پہلے والی آیت ابوبکر کی فضیلت اوران کی خلافت کی مشروعیت پر کسی قسم کی دلالت نہیں کرتی ہے۔اس سے پہلے والی آیت یوں ہے:

(یاایّھاالّذین آمنوامن یرتدّمنکم عن دینه فسوف یأتی الله بقوم یحبّھم ویحبّونه إذلّةٍ علی المؤمنین أعزّة علی الکافرین یجاھدون فی سبیل الله ولا یخافون لومة لائم) ۔۔۔ (سورہ مائدہ/۵۴)

"اے ایمان والو!تم میں سے جو بھی اپنے دین سے پلٹ جائے گا تو عنقریب خدا ایک ایسی قوم کو لائے گا جس کو وہ دوست رکھتا ہو گا اور وہ لوگ بھی خدا کو دوست رکھتے ہوں گے، مؤمنین کے لئے متواضع اورکفار کے لئے سر سخت ہوں گے،راہ خدا میں جہاد کرنے والے اورکسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروانہیں کریں گے۔"

فخررازی نے کہاہے:یہ آیت ابوبکر کی خلافت کی مشروعیت پردلالت کرتی ہے،کیونکہ خدا وند متعال نے مؤمنین سے خطاب کیاہے کہ اگر وہ اپنے دین سے پلٹ جائیں گے توآیت میں مذکورصفات کی حامل ایک قوم کولائے گاتاکہ وہ ان کے ساتھ جنگ کریں ۔پیغمبر(ص)کے بعد جس نے مرتدوں سے جنگ کی وہ تنہاابوبکرتھے۔چونکہ یہ آیت ابوبکرکی تعریف و تمجید شمار ہوتی ہے، لہذاان کی خلافت کی مشروعیت پر بھی دلالت کرتی ہے۔

فخررازی نے ابوبکرکی خلافت کو شرعی جواز فراہم کرنے کے لئے آیت میں اپنی طرف سے بھی ایک جملہ کا اضافہ کیاہے۔

آیہء شریفہ میں یہ فرمایاگیاہے:اگر تم مؤمنین میں سے کوئی بھی اپنے دین سے پلٹ جائے گاتوخداوندمتعال عنقریب ایسی ایک قوم کو بھیجے گا جن میں مذکورہ اوصاف من جملہ خداکی راہ میں جہاد کرنے کا وصف ہوگا۔

آیہء شریفہ میں یہ نہیں آیا ہے کہ "وہ مرتدوں سے جنگ کریں گے" لیکن فخر رازی نے اس جملہ کو اپنے استدلال کے لئے اس میں اضافہ کیا ہے۔

دوسری متعدد آیتوں میں بھی اس آیت کے مضمون سے مشابہ آیا ہے کہ اگر تم لوگ کافر ہوگئے تو خدا وند متعال ایسے افراد کو بھیجے گا جو ایسے نہیں ہوں گے۔ ملا حظہ ہو:

۱۔ (فإن یکفربھا ھؤلائ فقدوکلّنابھاقوماً لیسوابھابکافرین)

(سورئہ انعام/۸۹)

"اگر یہ لوگ ان سے کفر اختیار کرتے ہیں)انکار کرتے ہیں)تو ہم ان پر ایک ایسی قوم کو مسلط کر دیں گے کہ جو کفر اختیار کرنے والے نہیں ہوں گے)انکار کرنے والی نہیں ہے)

۲۔ (وإن تتولّوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لا یکونواا ٔمثالکم)

(سورئہ محمد/۳۸)

"اور اگر تم منہ پھیر لوگے تو وہ تمھارے بدلے دوسری قوم کو بھیج دے گا جو اس کے بعد تم جیسے نہ ہوں گے۔

۳۔ (إلاّ تنفروایعذّبکم عذاباً ا ٔلیماً ویستبدل قوماً غیرکم ولا تضرّوہ شیئاً) (سورئہ توبہ/۳۹)

"اگر تم راہ خدا میں نہ نکلو گے تو خدا تمھیں دردناک عذاب میں بتلا کرے گا اور تمھارے بدلے دوسری قوم کو لے آئے گا اور تم اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے۔"

لہذا اس آیت کا مضمون بھی مذکورہ مضامین کے مشابہ ہے، اور آیت میں کسی قسم کی ایسی دلالت موجود نہیں ہے کہ خداوند متعال ایک قوم کو بھیج دے گا جو مرتدوں سے جنگ کرے گی۔

۱۱۔کیاآیت میں حصرائمہ معصومین) علیہم السلام)کی امامت کے منافی ہے؟

اگر آیہ ء شریفہ علی(علیہ السلام)کی امامت پر دلالت کرتی ہے تویہ امامیہ مذہب کے عقاید سے متناقض ہے جس طرح اہل سنت مذہب سے اس کاتناقض ہے،کیونکہ شیعہ صرف علی(ع)کی امامت کے معتقد نہیں ہیں بلکہ بارہ اماموں کی امامت پر بھی اعتقادرکھتے ہیں؟

جواب:

اول یہ کہ:مذکورہ قطعی شواہدکی بنیادپرہمیں یہ معلوم ہواکہ آیہ ء شریفہ میں ولایت سے مرادسرپرستی اوررکوع سے مراد"نمازکارکوع"ہے۔اس سے واضح ہوجاتاہے کہ آیت میں پایا جانے والاحصر،حصراضافی ہے نہ حصر حقیقی،کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ پیغمبر ﷺ اورائمہ معصومین) علیہم السلام) کے علاوہ کچھ دوسرے اولیاء بھی ہیں،جیسے فقہا،حکام، قاضی،باپ،دادااوروصی۔اگرہم یہاں حصرسے حصر حقیقی مرادلیں توآیت ان تمام اولیاء کی ولایت کی نفی کرے،جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔یہ بذات خود ایک قرینہ ہے کہ آیہ کریمہ میں موجودحصر، حصراضافی ہے اوراس سے مرادرسول اکرم (ص) کے بعدحضرت علی علیہ السلام کی سرپرستی و ولایت ہے۔موجودہ دلائل کے پیش نظر دوسرے ائمہ علیہم السلام کی امامت ثابت ہے اوراس میں کسی قسم کا منافات نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ:شیعہ امامیہ اوراہل سنت کی کتابوں میں موجودمتعددروایات کے مطابق (الذین آمنوا) سے مرادصرف حضرت علی علیہ السلام نہیں ہیں [1] بلکہ تمام ائمہ معصومین مذکورہ مستحبی زکوٰۃکوحالت رکوع میں دینے میں کامیاب ہوئے ہیں اورآیہ ء کریمہ نے آغازہی میں امامت کو ان سچے اماموں میں منحصرکردیاہے۔

۱۲۔کیاعلی) علیہم السلام)پیغمبراکرم (ص)کے زمانہ میں بھی سرپرستی کے عہدہ پرفائزتھے؟

اگرآیہ ء شریفہ علی(ع) کی امامت پر دلالت کرے گی تواس کالازمہ یہ ہوگاکہ علی(علیہ السلام)پیغمبراکرم (ص)کی حیات کے دوران بھی ولی وسرپرست ہیں جبکہ ایسانہیں ہے۔

۱۔اصول کافی،ج ۱،ص۱۴۳،ح۷وص۱۴۶،ح۱۶وص۲۲۸،ح۱۳المکتبۃالاسلامیہ۔کمال الدین،ج ۱،ص۲۷۴۔۲۷۹،دارالکتب الاسلامیۃ فرائدالسمطین ،ج ۱،ص۳۱۲،ح۲۵۰،موسستہ المحمودی للطباعۃ ونشر۔ینابیع المودۃ،ص۱۱۴۔۱۱۶

جواب:

اول یہ کہ حضرت علی علیہ السلام بہت سے دلائل کے پیش نظر پیغمبر اکرم ﷺ کی زندگی میں بھی ولی و سرپرست تھے۔ لیکن یہ سرپرستی جانشینی کی صورت میں تھی۔یعنی جب بھی پیغمبر اکرم ﷺ نہیں ہوتے تھے، علی علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے جانشین ہوا کرتے تھے۔حدیث منزلت اس کا واضح ثبوت ہے اس طرح سے کہ وہ تمام منصب و عہدے جو حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت سے تھے ،وہ سب حضرت علی علیہ السلام کے لئے پیغمبر اکرم)ص)کی نسبت سے اس حدیث کی روشنی میں ثابت ہوتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور کی طرف روانہ ہوتے وقت اپنے بھائی سے مخاطب ہو کر فرمایا: (إخلفني في قومي) "میری قوم میں تم میرے جانشین ہو"۔یہ خلافت کوہ طور پر جانے کے زمانہ سے مخصوص نہیں ہے ،جیساکہ محققین اہل سنت نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔[1] اس بناء پر حضرت علی علیہ السلام پیغمبر اکرم (ص)کے جانشین تھے۔

دوسرے یہ کہ:فرض کریں کہ یہ ولایت کسی دلیل کی وجہ سے پیغمبر اکرم (ص)کے زمانہ میں حضرت علی علیہ السلام کے لئے ثابت نہیں ہے تو اس صورت میں پیغمبر اکرم ﷺ کی حیات کے بعد آیہء ولایت کا اطلاق مقید ہو گا اور اس دلیل کی بنا پر یہ ولایت پیغمبر اسلام (ص)کی رحلت کے وقت سے حضرت علی علیہ السلام کے لئے ثابت ہو جائے گی۔

۱۳۔کیا حضرت علی (علیہ السلام) کو آیہء ولایت کے پیش نظر چوتھا خلیفہ جانا جا سکتا ہے؟

فرض کریں آیہء شریفہ علی (علیہ السلام) کی امامت پر دلالت کرتی ہے تو یہ بات حضرت علی(علیہ السلام) سے پہلے تینوں خلفاء کی خلافت کے منافی نہیں ہے، کیونکہ اجماع اور شوریٰ کی بنا پر پہلے ہم ان خلفاء کی خلافت کے قائل ہوں گے اور پھر ان خلافتوں کے بعد آیہء ولایت پر عمل کریں گے جو حضرت(ع) کی امامت بیان کرنے والی ہے۔

۱۔شرح مقاصد، تفتازانی ،ج۵،ص۲۷۶،منشورات الشریف الرضی

جواب:

سب سے پہلے یہ کہ: مسئلہ خلافت کے سلسلہ میں اجماع اورشوریٰ کے ذریعہ استدلال و استنادا سی صورت میں صحیح ہے جب اجماع و شوریٰ کے اعتبار کے لئے معتبر دلیل موجود ہو۔ اوراس سلسلہ میں اہل سنت کی طرف سے پیش کیا جانے والا استدلال شیعہ امامیہ کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ: جس شوریٰ اوراجماع کا دعویٰ کیا گیاہے، وہ کبھی امت میں واقع نہیں ہوا ہے۔

تیسرے یہ کہ: اجماع اورشوریٰ کی دلیل اسی صورت میں صحیح ہے کہ مسئلہ کے بارے میں کوئی نص موجود نہ ہواوراگر کسی مسئلہ کے بارے میں خدا کی طرف سے کوئی نص موجود ہے تواس مسئلہ میں نہ اجماع کسی کام کاہے اورنہ شوریٰ۔چنانچہ خداوند متعال فرماتاہے: (وماكان لمؤمن ولامؤمنة اذ اقضى الله ورسوله أ مراً أن يكون لهم الخيرة من امرهم) [1]

''یعنی کسی مومن مردیا عورت کویہ اختیار نہیں ہے کہ جب خداورسول کسی امر کے بارے میں فیصلہ کردیں تووہ بھی اس امر کے بارے میں اپنا اختیار جتائے''

۱۴۔کیاحضرت علی (علیہ السلام) نے کبھی آیہء ولایت کے ذریعہ احتجاج واستدلال کیا ہے؟

اگرآیہء ولایت علی (علیہ السلام) کی ولایت پردلالت کرتی ہے توکیوں حضرت (ع) نے اپنی امامت کے لئے اس آیت سے استدلال نہیں کیا؟ جبکہ آپ (ع) نے شوریٰ کے دن اوردوسرے مواقع پراپنے حریفوں کے سامنے اپنے بہت سے فضائل بیان کئے ہیں۔

۱۔سورئہ احزاب/۳۶

جواب:

بعض بزرگ شیعہ وسنی محدثین نے ایسے مواقع کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں حضرت علی علیہ السلام نے اپنی امامت کے سلسلہ میں دلائل پیش کرتے ہوئے من جملہ آیہء ولایت کو بھی بیان کیا ہے۔

ان میں سے ابراھیم بن محمد جوینی نے فرائد السمطین [1] میں اور) شیعہ علماء میں سے) ابن بابویہ نے کمال الدین [2] میں نقل کیا ہے کہ: "حضرت علی علیہ السلام نے عثمان کی خلافت کے دوران ایک دن مسجد النبی ﷺ میں مہاجر وانصار کی ایک جماعت کے سامنے اپنے فضائل بیان کرتے ہوئے اپنی شان میں ایہء ولایت کے نزول کی طرف اشارہ فرمایا۔"

ہم نے اس مفصل حدیث کو آیہء "اولی لامر" کی بحث کے آخر میں ذکر کیا ہے۔ کتاب "فرائد السمطین" کے مصنف کی شخصیت کو پہنچاننے کے لئے آیہء "اولی الامر" کی تفسیر کے آخری حصہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

۱۔فرائد اسمطین، ج ۱، ص ۳۱۲، مؤسسہ المحمودی للطباعۃ والنشر

۲۔کماالدین، ۱، ص ۲۷۴

پانچواں باب:

آیہء صادقین کی روشنی میں امامت

(یاایّھاالذین آمنوااتقوااللہ وکونوامع الصادقین) (سورئہ توبہ/١١٩)

"اے صاحبان ایمان! اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہوجاؤ"

جس آیہء شریفہ کے بارے میں ہم بحث و تحقیق کرنا چاہتے ہیں، اس پر سرسری نگاہ ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ایک اخلاقی پہلو ہے مذکورہ آیت میں تقویٰ کا حکم دینے کے بعد مومنین سے یہ کہا جا رہا ہے کہ صادقین کے ساتھ ہوجاؤ۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ ہمیں ہمیشہ سرسری نگاہ کرنے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

(فارجع البصرھل تریٰ من فطورثمّ ارجع البصرکرّتین) (سورہ ملک/٣-٤)

"پھر نظر اٹھا کر دیکھو کہیں کوئی شگاف تو نہیں ہے۔ اس کے بعد بار بار نگاہ ڈالو"

خاص کر قرآن مجید میں اس کے بلند معارف تک رسائی اور اس کے مفاہیم کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لئے اس امر کی رعایت بہت ضروری ہے چنانچہ بعض مواقع پر خود قرآن نے تدبر کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ ہمیشہ اور بار بار غور و خوض کی ضرورت ہے۔ اس لئے قرآن مجید کے سلسلہ میں ابتدائی اور سرسری نگاہ نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اس کی آیتوں پر تدبر اور غور و خوض کرنا چاہیئے۔

اگر ہم اس آیہ کریمہ کا اس نقطہ نظر سے مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس آیت کریمہ میں قرآن مجید کے ایک عظیم اور اصلی معارف، یعنی امامت و رہبری کے مسئلہ، کو بہترین تعبیر میں پیش کیا گیا ہے۔

اس لحاظ سے امامت سے مربوط آیات کی بحث و تحقیق میں یہ آیہ کریمہ بھی نمایاں اور قابل توجہ ہے۔ اس آیہ شریفہ کے سلسلہ میں بحث و تحقیق چند محوروں پر مشتمل ہے:

۱۔آیت کے مفردات اور مفاہیم کی تحقیق۔

۲۔مذکورہ آیت کا اس سے پہلے والی آیات سے ربط

۳۔اس آیت کا مسئلہ رہبری سے ربطہ اور اس کے قرائن کی چھان بین پڑتال۔

۴۔علماء و مفسرین کے بیانات

۵۔شیعہ، سنی احادیث و روایات

آیت کے بارے مفردات میں بحث

اس حصہ میں جن الفاظ کی تحقیق ضروری ہے وہ لفظ "صدق" اور "صادقین" ہیں۔ اس سلسلہ میں پہلے ہم ان کے لغوی معنی پر ایک نظرڈالیں گے اور ان کے بعد اس کے قرآنی استعمالات پر بحث کریں گے۔

استعمالات لغوی

اس سلسلہ میں ہم دو اہل لغت کے بیانات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ ابن منظورنے "لسان العرب[1]" میں لفظ "صدق" کے مختلف استعمالات کو یوں بیان کیا ہے:

الصدق: نقیض الکذب، سچ، جھوٹ کی ضد ہے۔

رجل صدق: نقیض رجل سوء۔ اچھا انسان برے انسان کی ضد ہے۔یعنی اچھائی اور برائی کی صفتیں ایک دوسرے کی ضدہیں۔

وکذالک ثواب صدق و خمار صدق، اسی طرح کہا جاتا ہے اچھا لباس اور اچھا برقعہ۔

ویقال: رجل صدق،مضاف بکسرالصادومعناه نعم الرجل ھو نیزاسی

۱۔لسان العرب، ج۱۰، ص۳۰۹-۳۰۷

طرح حالت اضافت میں صاد کے کسرے کے ساتھ استعمال ہوتا ہے "رجل صدق "یعنی وہ ایک اچھا مرد ہے۔

رجل صدق اللقاء وصدق النظر، خوش اخلاق مرد اور خوش بین انسان۔

والصّدق: بالفتح الصلب من الرماح وغیرها، ورمح صدق: مستو، وکذالک سیف صدق:

صاف اور سیدھا نیزہ، اور اسی طرح سیدھی تلوار کو بھی صدق کہتے ہیں۔

عن ابن درستویہ: قال إنّما لصدق الجامع للاوصاف المحمودۃ۔ ابن درستویہ کا کہنا ہے کہ "صدق "اس شخص کو کہا جاتا ہے جس میں تمام پسندیدہ اوصاف موجود ہوں۔

قال الخلیل: الصدق: الکامل کلّ شیءٍ۔ خلیل نے کہا ہے کہ ہر مکمل چیز کو "صدق "کہتے ہیں۔

۲۔ "مفردات قرآن [1] "میں راغب کا کہنا ہے: ویعبّرعن کل فعل فاضل ظاهراًوباطناًً با لصدق، فیضاف إلیه ذٰلک الفعل الّذی یوصف به نحو قوله۔۔۔ "ہر وہ کام جو ظاہر وباطن کے اعتبار سے اچھا اور پسندیدہ ہو اسے "صدق " سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کے موصوف کی "صدق "کی نسبت)اضافت(دی جاتی ہے۔ استعمالات قرآنی کے وقت ہم اس کے شاہد پیش کریں گے۔

استعمالات قرآنی

قرآن مجید میں ہمیں بہت سی ایسی آیات نظر آتی ہیں جن میں لفظ "صدق "کو ایسی چیزوں کی صفت قرار دیا گیا ہے جو گفتگو وکلام کے مقولہ نہیں ہےں۔ نمونہ کے طور پر درج ذیل آیات ملاحظ ہوں:

۱۔ مفردات فی القرآن، ص۲۷۷، دار المعرفۃ، بیروت

" (وبشّرالّذين آمنوا أنّ لهم قدم صدق عندربّهم)

(سورہ یونس/۲)

اس آیہء شریفہ میں 'صدق"، "قدم"کی صفت واقع ہے۔

ولقدبوّأ نا بنی اسرائیل مبوّأ صدق)سورئہ یونس/۹۳)

اس آیہء شریفہ میں "صدق"کو"جگہ"کی صفت قرار دیا گیا ہے۔

وقل ربّ أدخلنی مدخل صدق وأخرجنی مخرج صدق سورئہ اسراء/۸۰)

اس آیہء شریفہ میں "مدخل" و "مخرج" یا اسم مکان)داخل اورخارج کرنے کی جگہ) ہیں یا مصدر) خودکوداخل کرنایاخارج کرنا)ہیں۔بہرحال کسی طرح بھی مقولہ کلام سے نہیں ہے۔

فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر (سورئہ قمر/۵۰)

اس آیہ شریفہ میں "صدق"، "مقعد")جگہ اوربیٹھنے)کی صفت ہے۔

(لیس البرّأنُ توَلّوُاوجوهكم قبل المشرق والمغرب ولكنّ البرّمن آمن بالله واليوم الآخروالملائكة والكتاب والنبيّين وآتى المال على حبّه ذوى القربى واليتامىٰ والمساكين وابن السبيل والسائلين وفى الرقاب واقام الصلوة وآتى الزكوةوالموفون بعهدهم إذاعاهدواوالصابرين فى البأسائ والضرّاء وحين البأس اولئك الّذين صدقواوأُولئک هم المتّقون))سورئہ بقرہ/۱۷۷)

اس آیہء شریفہ میں خداوندمتعال نے پہلے نیکیوں کوعقائد کے شعبہ میں یعنی خدا،قیامت،فرشتوں،آسمانی کتابوں اورانبیاء پرایمان کے سلسلہ میں اس کے بعد عمل کے شعبہ میں یعنی اپنے رشتہ داروں،محتاجوں،ابن سبیل اورسائلوں کوانفاق کرنا،خداکی راہ میں بندوں کو آزادکرنانیزایفائے عہدکرنا وغیرہ وغیرہ کی طرف اشارہ کیاہے۔اس کے بعداخلاقی شعبہ میں یعنی مشکلات وپریشانیوں میں صبروتحمل استقامت وپائیداری کا مظاہرہ کرنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔اورمذکورہ تینوں شعبوں میں نیکیاں کرنے والوںٌصدق وتقویٰ کے ذریعہ تعریف کرتا ہے۔

لغت اورآیات کریمہ میں مذکورہ استعمالات کے پیش نظر واضح ہوجاتاہے کہ "صدق "کا ایک ایسا وسیع مفہوم ہے کہ جس کا دائرہ صرف مقولہء،کلام،وعدہ وخبرتک محدود نہیں ہے،بلکہ یہ فکرواندیشہ عقائد و اخلاقیات نیزانسانی رفتارجیسے دیگر مواردپربھی اطلاق کرتا ہے اوراس کااستعمال ان موارد میں حقیقی ہے۔

اس آیت کا گزشتہ آیات سے ربط

اس آیت سے پہلی والی آیت)جیساکہ تفسیر وحدیث کی کتابوں میں آیا ہے)ان مومنین کے بارے میں ہے کہ جنہوں نے پیغمبراسلام ﷺ کے ہمراہ جنگ تبوک میں جانے سے انکار کیا تھا اوراس کے بعدنادم اورپشیمان ہوکرانھوں نے توبہ کرلی تھی،مسلمانوں نے پیغمبراکرم ﷺ کے حکم سے ان کے ساتھ اپنے رشتہ ناطے توڑ دئے تھے،یہاں تک کہ ان کی بیویوں نے بھی ان سے بات کرناچھوڑدی تھی۔

انہوں نے جب شہر سے باہرنکل کربارگاہ الٰہی میں التماس والتجاکی اور خداکی بارگاہ میں توبہ کی تو خدا وند متعال نے ان کی توبہ قبول کی اوروہ پھرسے اپنے لوگوں اوراپنے خانوادوں میں واپس لوٹے۔

بعد والی آیت میں بھی خدا وند متعال فرماتا ہے"اہل مدینہ اوراس کے اطراف کے لوگوں کو نہیں چاہئیے کہ پیغمبر خدا (ص)کی مخالفت اوران سے روگردانی کریں۔ اس کے بعد خداکی راہ میں مشکلات وپریشانیاں،بھوک وپیاس کی سختیاں برداشت کرنے کی قدرواہمیت کی طرف بھی اشارہ کرتاہے۔

اس آیہء شریفہ)زیر بحث آیت)میں مؤمنین کومخاطب کرکے انھیں تقویٰ وپرہیزگاری کا حکم دیا گیا ہے،اورانھیں اس بات کا پیغام دیا گیا ہے کہ وہ"صادقین"کے ساتھ ہوجائیں۔اب دیکھنا یہ ہے کہ آیہء شریفہ میں "صادقین" سے مراد کون لوگ ہیں؟

اس آیت کا ائمہ معصومین(ع)کی امامت سے ربط

ابتدائی نظر میں)جیسا کہ "صدق "کا مفہوم بیان کرتے ہوئے اشارہ کیا گیا) ایسا لگتا ہے کہ جملہ کونوامع الصادقین سے مراد سچوں کے ساتھ ہونے کا حکم ہے۔

قابل غور بات اورجو چیز ضروری ہے وہ سچ بولنا اور جھوٹ بولنے سے پر ہیز کرنا ہے۔ لیکن سچ بولنے والوں کے ساتھ ہونا یہ شر عی واجبات میں سے نہیں ہے،جبکہ سچوں کے ساتھ ہونے کا یہ آیہ شریفہ میں حکم ہوا ہے اور یہ امروجوبی ہے اور جملہ (کونوامع الصادقین) کا وقوع "اِتقوا اللہ" کے سیاق میں ہے کہ جس میں تقوائے الٰہی کا حکم تھا لہذا یہ بیشک وجوب کے لئے ہے اوراس سے وجوب کی مزید تاکید ہوتی ہے۔

مفہوم صدق کی وسعت کے پیش نظر مقولہ کلام و گفتگو تک محدودیت نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ فکرو عقائد، اخلاق وکردار نیز رفتار و عمل تک پھیلا ہوا ہے کہ جس میں صادقین سے ہونے کو آیہ ء کریمہ میں واجب قرار دیا گیا ہے، ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ صادقین کے ساتھ ہونے سے مراد جسمانی معیت اورہمراہی نہیں ہے بلکہ ہمراہی ہراس چیزمیں ہے جس میں صحت وسچائی پائی جاتی ہو اورآیہ ء کریمہ میں صادقین سے مرادوہ لوگ ہیں جوصدق مطلق کے مالک ہیں نہ مطلق صدق کے۔اورصدق مطلق وہ ہے جوہر جہت سے سچا اور صحیح ہواورفکروعقائد، گفتاروکرداراور اخلاقیات کے لحاظ سے کسی طرح کا انحراف نہ رکھتا ہو۔اس طرح کا شخص معصوم کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتا ہے۔اس طرح کے انسان کے ساتھ ہونے کا مطلب اس کے افکار و عقائد، کرداروا خلاق کی پیروی کرنا ہے۔

چونکہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ چودہ معصومین علیہم السلام کے علاوہ کوئی صاحب عصمت اور صدق مطلق کا مالک نہیں ہے، اس لئے "صادقین" سے مراد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام ہوں گے۔

علماء ومفسرین کے بیانات کی تحقیق

اس سلسلہ میں ہم صرف دوبزرگ علماء کے بیانات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

علامہ بہبہانی کا قول:

پہلا قول شیعہ امامیہ کی ایک عظیم شخصیت وبزرگ عالم دین، گراں قدر مفکر مرحوم علامہ محقق سید علی بہبہانی کا ہے۔ وہ اپنی عظیم کتاب "مصباح الهدایہ") کہ جو واقعاً امامت کے بارے میں ایک بے نظیر کتاب ہے)میں آیہء شریفہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وقداستفاضت الروایات من طریقناوطریق العامۃأنّ الصادقین هم أهل بیت النبیّی المطهّرون"وقد ذکرفی غایة المرام عشرةخبارمن طریقنا وسبعة أخبار من طریق العامة[1]

أقول:ویدّل علی اختصاص الصادقین فی الآیةالکریمه فی الأئمّة المعصومین الطبّین من آل مُحَّد (ص)وعدم إرادة مطلق الصادقین منهکمادلّت علیه الروایات المستفیضة من الطر فین:أنّه لوکان المراد بالصدق مطلق الصدقالشامل لکلّ مرتبة منه المطلوب من کلّ مؤ من،وبالصادقین المعنی العام الشامل

۱۔نمایۃالمرام،ص۲۴۸

لكلّ من اتّصف بالصدق فی أیّ مرتبة کان،،لوجب أن یعبّرمکان‘‘مع’’ بکلمة‘‘من’’ضرورةأنّه یجب علی کلّ مؤمن أن یتحرزعن الکذب و یکون مع الصادقینفالعدول عن کلمة ‘‘من’’إلی‘‘مع’’ یکشف عن أن المراد ‘‘باالصدق’’مرتبةمخص صةو‘‘باالصادقین’’ طائفة معینةومن المعلوم أنّ هذه المرتبة مرتبة کاملة،بحیث یستحقالمتصفون بها أن یتبعهم سائر المؤمنین جمیعاً،وهذاالمرتبة الکاملة التی تکون بهذه المثا بة لیست إلاّ العصمة والطهارة التی لم یتطرّق معها کذب فی القول والفعل،إذفی الأمّة من طهّره الله تعالی وأذهب عنه الرجس!وهم أهل بیت النبیّی بنصّایة التطهیرواتّفاق جمیع المسلمین

فلوأُرید من الصّادقین غیر المعصومین لزم أن یکون المعصومون مأمورین بمتا بعة غیر المعصومین المتطرّق فیهم الکذب و لو جهلاً أو سهواً و هو قبیح عقلاً ، و تعیّن أن یکون المراد الصادقین المطهّرین الحائزین جمیع مراتب الصدق قولاً و فعلاً،ولا یصدق ذلک إلاّ علی أهل بیت النبیّی ﷺ الّذین أذهب اللہ عنهم الرجس و طهرَّهم تطهیراً، و إلیه یشیر قول مولانا الرضا (علیه السلام)‘‘هم الأئمّة الصدیقون بطا عتهم’’[1]

و یدلّ علی کونهم أئمّة کمانبّه علیه مولانا الرضا (علیه السلام) فی هذه الروایة أمره سبحانه وتعالی جمیع المؤ منین بعد أمرهم بالأتّقاء عن محارمه بأن یکونوا مع الصادقین، و لا یصدق الکون

١ـفی المصدر:‘‘والصدیقون بطا عتهم’’فراجع

معهم إلا بأن يكونوا تحت طاعتهم ،متحرّزين عن مخا لفتهم وليس للإمامة معنى إلاّافتراض طاعة الإمام على المأموم من قبله تعالى،بل لا تعبيراًقرب إلى معنى الإمامة من أمر المؤمنين بأن يكونوامعه،إذ حقيقة الإئتمام عبارة عن متابعة المأموم إمامه وعدم مفارقته عنه۔[1]

شیعہ اور اہل سنّت سے مستفیض[2] روایتیں نقل ہوئی ہیں کہ آیہء شریفہ میں صادقین سے مراد)پیغمبر اسلام (ص)) کے اہل بیت علیہم السلام ہیں۔مرحوم بحرانی نے اپنی کتاب "غایۃ المرام" میں شیعہ طریقہ سے دس احادیث اور سنی طریقہ سے سات احادیث نقل کی ہیں۔

آیہء کریمہ میں "صادقین" سے مراد)جیسا کہ فریقین کی احادیثوں میں ایاہے)ائمہء معصومین علیہم السلام ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر "صدق ")سچائی)کہ جو "صادقین" کے عنوان میں ماخوذہے،اس سے مرادمطلق سچائی ہے کہ جوہرمرتبہ کو شامل ہے اور "صادقین" کے زمرے میں ہروہ شخص شامل ہوکہ جو صفت صدق کے کسی بھی مرتبہ سے متصف ہے تو آیہء کریمہ کی تعبیر "کونوا من الصادقین"ہونی چاہئے تھی اوراسصورت میں اس آیت کے معنی یہ ہوتے کہ ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ سچ بولنے والوں سے ہو اورجھوٹ سے پرہیز کرے۔

یہ جو "مع الصادقین"تعبیرہے،یہ خوداس بات کی دلیل ہے کہ "صدق" سے مراد ایک خاص مرتبہ و مقام ہے اور "صادقین" سے مرادایک مخصوص اور ممتاز گروہ)اورصادقین کے ساتھ ہونے کا معنی ان کی پیروی کرنا)ہے۔

صفت صدق کا کامل اور نہائی مرتبہ وہی عصمت وطہارت ہے جس کی وجہ سے گفتار وکردار میں سچائی مکمل طورپر محقق ہوتی ہے۔

۱-"مصباح الہدایۃ"ص۹۳-۹۲،مطبع سلمان فارسی قم

۲-سے دس تک کی احادیث پر "حدیث مستفیض" اطلاق ہوتا ہے

(اس مطلب کاقطعی ثبوت یہ ہے کہ)اگر "صادقین" سے مراد ائمہ معصومین(ع) کے علاوہ کوئی اور ہوں تو اس فرض کی بنیادپر کہ آیہء تطہیرکی نص موجود ہے اورتمام مسلمانوں کا اہل بیت کے معصوم ہونے پر اتفاق ہے ، اس کالازمہ یہ ہوتا کہ تمام انسان حتی کہ ائمہ معصومین بھی غیر معصوم کی اطاعت وپیروی کریں اوریہ عقلاًقبیح ہے۔ لہذا یہ مرتبہ) عصمت وطہارت)پیغمبر(ص) کے خاندان کے علاوہ کہیں اورنہیں پایا جاسکتاہے۔

دوسراثبوت یہ ہے کہ خدا وند متعال نے آیت کی ابتداء میں تمام مؤمنین کو تقویٰ اورگناہوں سے اجتناب کرنے کاحکم دیاہے اوراس کے بعد انہیں "صادقین" کے ساتھ ہونے کا فرمان جاری کیا ہے، اوران کے ساتھ ہونے کا مطلب ان کی اطاعت کرنے اوران کی نافرمانی نہ کرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور امامت کے معنی بھی اس کے علاوہ کچھ نہیں ہےں کہ ماموم پر امام کی اطاعت واجب ہے۔

اگرہم امامت واطاعت کی صحیح تعبیر کرناچاہیں توبہترین تعبیر یہ ہے کہ امام کے ساتھ ہونا اوراس کی پیروی و اطاعت سے جدانہ ہوناہے۔

فخررازی کا قول

دوسراقول اہل سنت کے مشہورومعروف علامہ فخررازی کاہے۔وہ آیہء شریفہ کی تفسیرمیں کہتے ہیں:

"و فی الآیة مسائل: المسألة الأولی: أنّه تعالی أمرالمؤمنین بالکون مع الصادقین! و متی وجب الکون مع الصادقین فلا بدّمن وجود الصادقین فی کلّ وقت، و ذلک یمنع من إطباق الکلّ علی الباطل، و متی إمتنع إطباق الکلّ علی الباطل وجب إذا أطبقوا علی شیء أن یکونوا محقّین فهذا یدل علی أنّ إجماع الأمّة حجّة

فإن قیل: لمَ لا یجوز أن یقال: المراد بقوله: (کونوا مع الصادقین) أی کونوا علی طریقة الصادقین، کما أنّ الرجل إذا قال لولده: "کن مع الصالحین" لا یفید إلاّ ذلک؟

سلّمنا ذلک، لکن نقول: إنّ هذا الأمر کان موجوداً فی زمان الرسول فقط، فکان هذا أمراً بالکون مع الرسول، فلا یدّل علی وجود صادق فی سائر الأز منة

سلّمنا ذلک لکن لم لا یجوز أن یکون الصادق هو المعصوم الذی یمتنع خلوّ زمان التکلیف عنه کما تقو له الشیعة؟

و الجواب عن الاول: أنّ قوله: (کونوا مع الصادقین) أمر بموافقة الصادقین، و نهی عن مفارقتهم، و ذلک مشروط بوجود الصادقین وما لا یتمّ الواجب إلاّ به فهو واجب فدّلت هذه الآیة علی وجود الصادقین و قوله: " إنّه عدول عن الظاهر من غیر دلیل

قوله: " هذا الأمر مختصّ بزمان الرسول ﷺ أنّ التکالیف المذکورة فی القرآن متوجهة إلی المکلّفین إلی قیام القیامة، فکان الأمر فی هذا التکلیف کذلک

الثانی : أنّ الصیغة تتناولال أوقات کلّها بدلیل صحة الاستثناء الثالث: لما لم یکن الوقت المعین مذکوراً فی لفظ الآیة لم یکن حمل الآیة علی البعض أولی من حمله علی الباقی فإماّ أن لا یحمل علی شیء من الأوقات فیفضی إلی التعطیل و هو باطل ! أو علی الکلّ فهو المطلوبو الرابع: و هو أنّ قوله: (یا أیّها الّذین آمنوا اتّقوا الله) أمر لهم بالتقوی و هذا الأمر إنّما یتناول من یصحّ منه أن لا یکون متّقیاً، و إنّما یکون کذلک لو کان جائز الخطأ فکانت الآیة دالّة علی أنّ من کان جائز الخطأ وجب کونه مقتدیاً بمن کان واجب المعصمة، و هم الّذین حکم الله تعالی بکونهم صادقین فهذ ایدّل علی أنّه واجب علی جائز الخطأ کونه مع المعصوم عن الخطأ حتی یکون المعصوم عن الخطأ مانعا لجائز الخطأ عن الخطأ! و هذا المعنی قائم فی جمیع الأزمان، فوجب حصوله فی کل الازمان

قوله:"لم لا یجوزأن یکون المراد هو کون المؤمن مع المعصوم الموجود فی کلّ زمان"

قلنا:نحن نعترف بأنّه لابدّ من معصوم فی کلّ زمان،إلا أناّ نقول: ذلک المعصوم هو مجموع الأمّة و أنتم تقولون ذلک المعصوم واحد منهم فنقول: هذا الثانی باطل، لأنّه تعالی أوجب علی کلّ واحدمن المؤمنین أن یکون مع الصادقین،وإنّما یمکنه ذلک لو کان عالماً بان ذلک الصادق من هو ،لاالجاهلبأنّه من هو

فلو کان مأموراً بالکون معه کان ذلک تکلیف مالا یطاق، وأنّه لا یجوز، لکنّا لا نعلم إنساناً معیّناً موصوفاً بوصف العصمة، و العلم

بأنّا لانعلم هذا الانسان حاصل بالضرورة، فثبت أنّ قوله: وكونوا مع الصادقين ليس أمراً بالكون مع شخص معيّن

و لما بطل هذا بقى أنّ المراد منه الكون مع مجموع الأُمّة، وذلک يدل على أنّ قول مجموع الأُمّة حقّ و صواب ، و لا معنى لقولنا،''الإجماع حجة''إلاّ ذلک''[1]

ترجمہ:

''خداوند متعال نے مومنین کو صادقین کے ساتھ ہونے کا حکم دیا ہے۔اس مطلب کا لازمہ یہ ہے کہ ہرزمانہ میں صادقین کا وجودہو اور یہ اس بات کے لئے مانع ہے کہ پوری امت کسی باطل امرپر اتفاق کرے ۔اس لئے اگرپوری امت کسی چیزپر اتفاق کرتی ہے تو ان کا یہ اتفاق صحیح و برحق ہوگا اور یہ، اجماع امت کے حجت ہونے کی دلیل ہے۔

اگر کہا جائے:صادقین کے ساتھ ہونے کا مقصد یہ کیوں نہیں ہے کہ صادقین کے طریقہ کار کی پیروی کرے ،چنانچہ اگر ایک باپ اپنے بیٹے سے کہے:''صالحین کے ساتھ ہو جاؤ''یعنی صالحین کی روش پر چلو)اور یہ امر اس بات پر دلالت نہیں کرتا ہے کہ ہرزمانہ میں صادقین کا وجود ہو)

جواب یہ ہے کہ:یہ خلاف ظاہر ہے،کیونکہ وکون امع الصادقین یہ ہے کہ پہلے ان صادقین کا وجود ہو جن کے ساتھ ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

مزید اگریہ کہا جائے کہ:یہ جملہ صرف رسول خدا ﷺ کے زمانہ میں موضوعیت رکھتا تھا،کیونکہ اس زمانہ میں صرف آنحضرت (ص)کی ذات صادق کے عنوان سے موجود تھی اور یہ اس بات پردلالت نہیں کرتاہے کہ ہرزمانہ میں صادقین موجود ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ:یہ خطاب قرآن مجید کے دوسرے خطابوں کے مانندقیامت تک

۱۔التفسیر الکبیر،فخررازی،ص۲۲۱۔۲۲۰،دار احیاء التراث العربی،بیروت

کے لئے تمام مکلفین سے متعلق و مربوط ہے اوراس میں ہر زمانہ کے مکلفین سے مخطاب ہے اور یہ خطاب رسول اللہ (ص) کے زمانہ سے مخصوص نہیں ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ استثناء صحیح ہے)اوراستثناء کے صحیح ہونے کی دلیل ہمیشہ مستثنی منہ میں عمومیت کا پا یا جاتا ہے)۔

اس کے علاوہ خدا وند متعال نے پہلے مرحلہ میں مؤمنین کو تقویٰ کا حکم دیا ہے، اور یہ انھیں تمام افراد کے لئے تقویٰ کا حکم ہے کہ جن کے لئے امکان ہے کہ متقی نہ ہوں اوراس خطاب کے مخاطبین وہ لوگ ہیں جو جائزالخطاء ہیں۔ لہذاآیہء شریفہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جائز الخطاء افراد کو ہمیشہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہونا چاہئے کہ جو خطا سے معصوم ہوں تاکہ وہ معصوم لوگ انھیں خطا سے بچا سکیں۔اور اس طرح کا امکان ہرزمانہ میں ہے۔اس لئے آیہء شریفہ تمام زمانوں سے متعلق ہے اورصرف پیغمبر (ص)کے زمانہ سے مخصوص نہیں ہے۔

یہاں تک فخررازی کے بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صادقین سے مراد خطا سے معصوم افراد ہیں اور یہ افراد ہر زمانہ میں موجود ہیں اور یہ مطلب صحیح اورنا قابل اشکال ہے۔ لیکن فخررازی کا کہنا ہے:

''معصوم ''صادقین'' امت کے مجموعی افراد ہیں اور یہ امت کے خاص اور مشخص افراد نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ اس صورت میں ہر ایک پر لازم ہے کہ ان معین مشخص افراد کوپہچانے ان کی معرفت حاصل کرے تا کہ ان کے ساتھ ہو جائے جبکہ یہ معرفت اورآگاہی ممکن نہیں ہے اورہم ایسے خاص افراد کو نہیں پہچانتے ہیں کہ جو خطا و غلطی سے پاک اور معصوم ہوں۔ لہذااس بات کے پیش نظر معصوم صادقین سے مراد مجموعہ امت ہے کہ جس کا نتیجہ اجماع کی حجیّت ہے۔''

فخر رازی کے قول کا جواب

فخر رازی کے بیان میں دو نمایاں نکتے ہیں:

پہلانکتہ:یہ ہے کہ معصوم صادقین سے مراد مشخص و معیّن افراد نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ ہمیں ان کے بارے میں علم وآگاہی نہیں ہے۔

اس قول کا صحیح نہ ہونا واضح و روشن ہے،کیونکہ شیعہ اماموں کی عصمت کی دلیلوں کی طرف رجوع کرنا ہرایک کے لئے ممکن ہے،جن احادیث میں ان معصوم اماموں کا صراحتاًنام لیا گیا ہے،وہ تواتر کی مقدار سے زیادہ ہیں نیزیہ حدیثیں بعض سنی منابع اور بے شمار شیعہ منابع میں ذکر ہوئی ہیں۔

دوسرانکتہ:یہ کہ "معصوم صادقین سے مراد تمام امت ہے"اس پر بہت سارے اعتراضات ہیں ذیل کے عبارت میں ملا حظہ ہو:

۱۔چودہ معصومین(ع)کی عصمت کے علاوہ کسی اور کی عصمت کا قول تمام مسلمانوں کے قطعی اجماع کے خلاف ہے

۲۔آیہ شریفہ میں صادقین کے عنوان)جو ایک عام عنوان ہے) سے جو چیز ظاہر ہے وہ اس کا استغراقی اور شمولی ہونا ہے نہ کہ مجموعی ہونا اور فخررازی کے کلام سے جو بات ظاہر اور واضح ہے کہ عصمت مجموعہ امت کی صورت میں ہے نہ جمیع امت کی صورت میں اور"مجموعہ"ایک اعتباری عنوان ہے جووحدت افراد کو ایک دوسرے سے منسلک کر دیتا ہے۔عنوان عام میں اصل"استغراقی ہونا"ہے،کیونکہ عام مجموعی مجازہے اور اسے قرینہ کی ضرورت ہے جبکہ اصالۃالحقیقۃ کا تقاضا یہ ہے کہ عام،جس کا حقیقی عنوان استغراقی ہونا ہے اس پر حمل ہو۔

۳۔عصمت ایک حقیقی عنوان ہے اوراسے ایک حقیقی موضوع کی ضرورت ہے،اور عام مجموعی ایک اعتباری موضوع ہے اور حقیقی موجود کا اعتباری موضوع پر قائم ہونا محال ہے۔

۴۔فخررازی کا قول" (یاایھاالذین آمنوا) "اور صادقینکے درمیان ایک دوسرے مقابل ہونے کا جو قرینہ پایا جاتا ہے اس کے خلاف ہے اور ان دو عناوین کے درمیان مقابلہ کا تقاضا ہے کہ وہ مومنین کہ جن کو خطاب کیا جا رہا ہے وہ دوسرے ہوں اور وہ صادقین جو ان کے مقابل میں قرار دیئے گئے ہیں اور جن کے ساتھ ہونے کا حکم دیا گیا ہے وہ دوسرے ہوں۔

۵۔صادقین سے مراد مجموعہ امت)عام مجموعی) ہونا خود فخررازی کے بیان سے متناقص ہے،کیونکہ اس نے اس مطلب کی توجیہ میں کہ صادقین کا اطلاق فقط پیغمبر(ص)کی ذات میں منحصر نہیں ہے ،کہاہے:

"آیہء شریفہ اس پہلو کو بیان کرنے والی ہے کہ ہرزمانے میں ایسے مؤمنین کا وجود رہا ہے کہ جو جائزالخطا ہوں اور ایسے صادقین بھی پائے جاتے رہے ہیں کہ جوخطا سے محفوظ اور معصوم ہوں اور ان مؤمنین کو چاہئیے کہ ہمیشہ ان صادقین کے ساتھ ہوں۔"

لہذا فخر رازی نے ان مؤمنین کو کہ جن کوخطاب کیا گیا ہے جائز الخطا اور صادقین کو خطا سے معصوم فرض کیا ہے۔

اس آیت کے بارے میں شیعہ اورسنّی احادیث

حاکم حسکانی[1] نے تفسیر"شواہد التنزیل[2]"میں چند ایسی حدیثیں ذکرکی ہیں،جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آیہ شریفہ میں "صادقین" سے مراد(ص)اورحضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام یاپیغمبراکرم (ص)کے اھل بیت(ع)ہیں۔یہاں پرہم ان احادیث میں سے صرف

۱۔اہل سنت کے بڑے مشہور معروف عالم دین، ذہبی نے حسکانی کے بارے میں کہاہے:"شیخ متقن ذوعنایۃتامۃبعلم الحدیث،وکان معمّراً عالی الاسناد۔تذکرۃ الحفاظ،ج۳،ص۱۲۰۰،دارالکتب العلمیۃ بیروت۔یعنی:متقن اور محکم اسنادمیں علم حدیث کے بارے میں خاص اہمیت وتوجہ کے کامل رکھتے ہیں۔انہوں نے ایک طولانی عمر گذاری ہے اور)حدیث میں)عالی اسنادکے مالک تھے ۔

۲۔شواہد التنزیل،ج۱،ص۳۴۱

ایک کی جانب اشارہ کرتے ہیں:

"حدثنایعقوب بن سفیان البسوی قال:حدثناابن قعنب،عن مالک بن أنس،عن نافع،عن عبداللہ بن عمرفی قولہ تعالیٰ:

(اتقوااللہ) قال:أمراللہ اصحاب محمّد (ص) بأجمعھم أن یخافوا اللہ،ثمّ قال لھم : (کونوامع الصادقین) یعنی محمّداً واھل بیتہ"[1]

"یعقوب بن سفیان بسوی نے ابن قعنب سے،اس نے مالک بن انس سے،اس نے نافع سے اس نے عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ خداوندمتعال کے اس قول:"اتقوا اللہ" کے بارے میں کہا:خداوندمتعال نے پیغمبراکرم (ص) کے تمام اصحاب کو حکم دیاکہ خدا سے ڈریں۔اس کے بعدان سے کہا:'صادقین"یعنی پیغمبر (ص) اور ان کے اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ ہوجائیں۔"

اسی حدیث کوشیعوں کے عظیم محدث اوربزرگ عالم دین ابن شہرآشوب[2] نے تفسیر یعقوب بن سفیان سے،مالک بن انس سے،نافع بن عمرسے روایت کی ہے۔

شیعوں کے ایک بہت بڑے محدث کلینی نے اس سلسلہ میں اصول کافی میں یوں روایت کی ہے:

"عن ابن أُذینہ،عن برید بن معاویۃالعجلی قال: أباجعفر-علیہ السلام-عن قول اللہ عزّوجلّ: (اتقوااللہ وکونوامع الصادقین) قال: إیاّ نا عنی"۔[3]

۱۔شواہد التنزیل،ج۱،ص۳۴۵،ح۳۵۷

۲۔ذہبی نے تاریخ اسلام میں ۵۸۱ئھ سے ۵۹۰ئھ کے حوادث کے بارے میں بعض بزرگ علماء)ابن ابی طی)کی زبانی اس کی تمجیدکی ہے اوراسے اپنے زمانہ کے امام اورمختلف علوم میں بے مثال شمار کیا ہے اورعلم حدیث میں اسے خطیب بغدادی کے ہم پلہ اورعلم رجال میں یحیی بن معین کے مانند قراردیاہے اور اس کی سچائی وسیع معلو مات نیز،کثرت خشوع وعبادت اورتہجدکا پابندہونے سے متصف کیاہے۔مناقب،ابن شہرآشوب،ج۳،ص۱۱۱،ذوی القربی

۳۔اصول کافی،ج۱،ص۲۰۸،مکتبۃالصدق

"ابن اذینہ نے برید بن معاویہ عجلی سے روایت کی ہے انھوں نے کہا: میں نے خداوند متعال کے قول (اتقوالله وکونوامع الصادقین) کے بارے میں امام باقر (علیہ السلام) سے سوال کیا، حضرت (ع) نے فرمایا: خداوند متعال نے اس سے صرف ہمارے) اہل بیت پیغمبر علیہم السلام کے) بارے میں قصد کیا ہے۔"

اہل سنّت کے ایک بہت بڑے محدث جوینی نے ایک روایت میں یوں نقل کیا ہے:

"ثمّ قال علیّ (علیه السلام): أنشدکم الله أتعلمون أنّ الله أنزل (یا أیّهاالّذین آمنوااتّقواالله وکونوامع الصادقین) فقال سلمان:

یارسول الله، عامّة هذاأم خاصّة؟ قال: أمّا المؤمنون فعامّة المؤمنین أمروابذلک، وأمّاالصادقون فخاصّة لأخی علیّ وأوصیائی من بعد إلی یوم القیامة قالوا: اللّهمّ نعم"[1]

"اس کے بعد علی (علیہ السلام) نے فرمایا: تمھیں خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں۔ کیا تم جانتے ہو، جب یہ آیہء یا ایّہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین نازل ہوئی، تو سلمان نے آنحضرت سے کہا: یارسول اللہ! (ص) کیا یہ آیت اس قدر عمومیت رکھتی ہے تمام مؤمنین اس میں شامل ہو جائیں یا اس سے کچھ خاص افراد مراد ہیں؟ پیغمبر (ص) نے فرمایا: جنہیں یہ حکم دیا گیا ہے اس سے مراد عام مؤمنین ہیں، لیکن صادقین سے مراد میرے بھائی علی (علیہ السلام) اور اس کے بعد قیامت تک آنے والے میرے دوسرے اوصیاء ہیں؟ انہوں نے جواب میں کہا: خدا شاہد ہے، جی ہاں۔"

البتہ اہل سنت کی حدیث وتفسیر کی بعض کتابوں میں چند دوسری ایسی روایتیں بھی نقل

۱۔ فرائد السبطین، ج ۱، ص، ۳۱۷، مؤسسہ المحمودی للطباعة والنشر، بیروت، کما الدین، ص ۲۶۴۔ بحار الانور، ج ۳۳ ص ۱۴۹۔ مصباح الہدایة، ص ۹۱ طبع سلمان الفارسی۔ قابل ذکر ہے کہ مؤخر الذکر مدرک میں بجائے "انشدکم اللہ" "اسالکم باللہ" آیا ہے۔

ہوئی ہیں، جن میں "صادقین" سے مراد کے بارے میں ابوبکر و عمریا پیغمبر ﷺ کے دوسرے اصحاب کو لیا گیا ہے۔ البتہ یہ روایتیں سند کے لحاظ سے قابل اعتماد نہیں ہیں۔ ہم ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ ابن عساکر نے ضحاک سے روایت کی ہے کہ: (یاایّھاالذین آمنوااتقواالله وکونوامع الصادقین) قال: مع ابی بکروعمراصحابھما[1]"

آیہء شریفہ میں "صادقین" سے ابوبکر، عمر اور ان کے اصحاب کا قصد کیا گیا ہے ۲۔ طبری نے سعید بن جبیر سے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ "صادقین" سے مراد ابوبکر و عمر ہیں۔[2]

ان احادیث کا جواب:

پہلی حدیث کی سند میں جویبر بن سعید ازدی ہے کہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب[3] میں علم رجال کے بہت سارے علما، جیسے ابن معین، ابن داؤد، ابن عدی اور نسائی کے قول سے اسے ضعیف بتایا ہے، اور طبری[4] نے اسی روایت کو ضحاک سے نقل کیا ہے کہ اس کی سند میں بھی جویبر ہے۔

دوسری روایت کی سند میں اسحاق بن بشر کاہلی ہے کہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں[5] ابن ابی شیبہ، موسی بن ہارون، ابوذرعہ اوردارقطنی کی روایت سے اسے جھوٹا اور حدیث روایت سے اسے جھوٹا اور حدیث جعل کرنے والا بتایا ہے۔

دوسرے یہ کہ: اس کے بعد کہ ہم نے خود آیہء شریفہ اور اس کے شواہد سے جان لیا کہ آیت میں "صادقین" سے مراد وہ معصوم ہیں جن کے ساتھ ہونے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، اور یہ بات ہم جانتے ہیں کہ جو بھی مسلمانوں کے اتفاق نظر سے معصوم نہ ہو وہ اس آیت) صادقین کے دائرے) سے خارج ہے۔

۱۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ج ۳۰، ص ۳۱۰ دار الفکر

۲۔ جامع البیان، ج ۱۱، ص ۴۶

۳۔ تہذیب التہذیب، ج ۲ ص ۱۰۶ دار الفکر۔

۴۔ جامع البیان، ج ۱۱، ص ۴۶

۵۔ میزان الاعتدال، ج ۱، ص ۱۸۶، دار الفکر

چھٹاباب :

امامت آیہء تطہیر کی روشنی میں

(إنّمايريدالله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهّركم تطهرا) (سورہئہ احزاب/۳۳)

"بس اللہ کا ارادہ یہ ہے اے اہل بیت! تم سے ہر قسم کی برائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک وپاکیزہ رکھے جو پاک وپاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔"

ایک اورآیت جو شیعوں کے ائمہء معصومین(ع) کی عصمت پر دلالت کرتی ہے وہ آیہ تطہیر ہے۔یہ آیہء کریمہ پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپکے اہل بیت علیہم السلام،یعنی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور شیعہ امامیہ کے بارہ معصوم اماموں کی عصمت پردلالت کرتی ہے۔

آیہء کریمہ کی دلالت کو بیان کرنے کے لئے اس کے چند پہلو قابل بحث ہیں:

۱۔آیہء کریمہ میں لفظ "إنّما"فقط اورانحصارپردلالت کرتاہے۔

۲۔آیہء کریمہ میں ارادہ سے مرادارادہ،تکوینی ہے نہ ارادہ تشریعی۔

۳۔آیہء کریمہ میں "اہل بیت" سے مرادصرف حضرت علی،فاطمہ،وحسن وحسین)علیہم السلام)اوران کے علاوہ شیعوں کے دوسرے ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں اورپیغمبراسلام ﷺ کی بیویاں اس سے خارج ہیں۔

۴۔آیہء کریمہ کے بارے میں چند سوالات اوران کے جوابات

"اِنّما" حصر کا فائدہ دیتا ہے

جیسا کہ ہم نے آیہء ولایت کی تفسیر میں اشارہ کیا کہ علمائے لغت و ادبیات نے صراحتاً بیان کیا ہے لفظ "اِنّما" حصر پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا اس سلسلہ میں جو کچھ ہم نے وہاں بیان کیا اس کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس سلسلہ میں فخررازی کے اعتراض کا جواب بھی آیہ ولایت کے اعتراضات کے جوابات میں دے دیا گیا ہے۔

آیہء تطہیر میں ارادے سے مراد ارادہ تکوینی ہے نہ تشریعی

آیہ ء شریفہ کے بارے میں بحث کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ: آیہ ء شریفہ میں جو ارادہ ذکر کیا گیا ہے، اس سے مراد ارادہ تکوینی ہے نہ ارادہ تشریعی۔ خداوند متعال کے ارادے دو قسم کے ہیں:

۱۔ ارادہ تکوینی: اس ارادہ میں ارادہ کا متعلق اس کے ساتھ ہی واقع ہوتا ہے، جیسے، خداوند متعال نے ارادہ کیا کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام پر آگ ٹھنڈی اور سالم (بے ضرر) ہو جائے تو ایسا ہی ہوا۔

۲۔ ارادہ تشریعی: یہ ارادہ انسانوں کی تکالیف سے متعلق ہے۔ واضح رہے کہ اس قسم کے ارادہ میں ارادہ اپنے مراد اور مقصود کے لئے لازم و ملزوم نہیں ہے۔ خداوند متعال نے چاہا ہے کہ تمام انسان نماز پڑھیں، لیکن بہت سے لوگ نماز نہیں پڑھتے ہیں۔ تشریعی ارادہ میں مقصود اور مراد کی خلاف ورزی ممکن ہے، اس کے برعکس تکوینی ارادہ میں ارادے کی اپنے مراد اور مقصود سے خلاف ورزی ممکن نہیں ہے۔

اس آیہ شریفہ میں ارادے سے مراد ارادہ تکوینی ہے نہ تشریعی اور اس کے معنی یہ ہے کہ: خداوند متعال نے ارادہ کیا ہے کہ اہل بیت) علیہم اسلام) کو ہر قسم کی ناپاکی من جملہ گناہ و معصیت سے محفوظ رکھے اور انھیں پاک و پاکیزہ قرار دے۔

خداوند متعال کے اس ارادہ کے ساتھ ہی اہل بیت اطہار سے ناپاکیاں دور نیز معنوی طہارت اور پاکیزہ گی محقق ہو گئی ،خداوند متعال نے یہ ارادہ نہیں کیا ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو گناہ کی پلیدی اور ناپاکی سے محفوظ رکھیں اور خداوند متعال کے حکم اور فرائض پر عمل کر کے اپنے آپ کو پاک و پاکیزہ بنائیں۔

آیہ تطہیر میں ارادہ کے تکوینی ہونے کے دلائل:

۱۔ارادہ تشریعی فریضہ شرعی کے مانند،دوسروں کے امور سے متعلق ہوتا ہے، جبکہ آیہ شریفہ میں ارادہ کا تعلق ناپاکی اور پلیدی کو دور کرنے سے ہے جو ایک الٰہی فعل ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس آیہ شریفہ میں ارادے سے مراد ارادہ،تشریعی نہیں ہے۔

۲۔ انسانوں کو پلیدی اور ناپاکیوں سے دور رہنے اور پاک و پاکیزہ ہونے کے بارے میں خداوند متعال کا تشریعی ارادہ پیغمبر اکرم (ص) کے اہل بیت (ع) سے مخصوص نہیں ہے بلکہ خدا وند متعال کا یہ ارادہ ہے کہ تمام انسان ناپاکیوں سے محفوظ رہیں اور طہارت و پاکیزگی کے مالک بن جائیں۔جبکہ آیہ تطہیر سے استفادہ ہوتا ہے کہ یہ ارادہ صرف پیغمبر اکرم (ص) کے اہل بیت علیہم السلام سے مخصوص ہے اور یہ اس کلمہ حصر کی وجہ سے ہے کہ جو آیہ شریفہ کی شروع میں آیا ہے۔ اس سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ ارادہ کا متعلق)جو ناپاکیوں سے دوری اور خدا کی جانب سے خاص طہارت ہے)خارج میں متحقق ہے۔

۳۔آیہ شریفہ شیعوں اور سنیوں کے تفسیر و احادیث کی کتابوں میں مذکور بے شمار احادیث اور روایتوں کے مطابق اہل بیت پیغمبر (ص)کی فضیلت و ستائش کی ضامن ہے۔ اگر آیہ شریفہ میں ارادہ الٰہی سے مراد، ارادہ تشریعی ہوتا تو یہ آیت فضیلت و ستائش کی حامل نہیں ہوتی۔اس بنا پر، جو کچھ ہمیں اس آیہ شریفہ سے معلوم ہوتا ہے، وہ اہل بیت پیغمبر (ص) سے مخصوص طہارت و پاکیزگی اور ان کا پلیدی اور ناپاکیوں سے دور ہونا ارادہ الٰہی کے تحقق سے مربوط ہے۔اور یہ ان منتخب انسانوں کے بارے میں خدا کی جانب سے عصمت ہے۔ اس ارادہ الٰہی کے تکوینی ہونے کا ایک اور ثبوت وہ احادیث ہیں جو خاص طور سے خدا وند متعال کی طرف سے اہل بیت علیہم السلام کی طہارت پر دلالت کرتی ہیں۔ہم یہاں پر ان احادیث میں سے دو حدیثوں کو نمونہ کے طور پر ذکر کرتے ہیں:

'' واخرج الحکیم الترمذی والطبرانی وابن مردویه وابونعیم والبیهقی معاً فی الدلائل عن ابن عباس رضی الله عنهما قال رسول الله - (ص) - انّ الله قسّم الخلاق قسمیں فجعلنی فی خیرهما قسماً، فذلک قوله (واصحاب الیمین) [1] (واصحاب الشمال) [2] فأنامن أصحاب الیمین وأناخیرأصحاب الیمین ثمّ جعل القسمین أثلاثاً،فجعلنی فی خیرها ثلثاً،فذلک قوله : (وأصحاب المیمنة ماأصحاب المیمنةوأصحاب المشئمة ماأصحاب المشئمةالسابقون) [3] فأنامن السابقین وأناخیرالسابقین، ثمّ جعل الأثلاث قبائل،فجعلنی فی خیرها قبیلة،وذلک قوله: (وجعلناکم شعوباًوقبائل لتعارفواإنّ أکرمکم عندالله أتقاکم) [4] وأناأتقی ولدآدم وأکرمهم عندالله تعالی ولافخر،ثمّ جعل القبائل بیوتاًوجعلنی فی خیرها بیتاً،فذلک قوله: ا (ِنّما یریدالله لیذهب عنکم الرجس أهل البیت ویطهّرکم تطهیراً) [5] فأناوأهل بیتی مطهّرون من الذنوب'' [6]

۱ـ سورۂ واقعه/۲۷ ۲ـ سورۂ واقعه/ ۴۱ ۳ـ سورۂ واقعه/۸ـ۱۰ ۴ـ سورۂ حجرات/۱۳ ۵ـ سورۂ/احزاب/۳۳

۶ـ الدرالمنثور، ج ۵، ص ۳۷۸، دارالکتاب، العلمیه، بیروت، فتح، القدیر، شوکانی، ج ۴، ص ۳۵۰ دارالکتاب العلمیه. بیروت ـ المعروفه و التاریخ، ج ۱، ص ۲۹۸

"حکیم ترمذی، طبرانی، ابن مردویہ، ابو نعیم اور بیہقی نے کتاب "الدلائل'میں ابن عباس سے روایت نقل کی ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) نے فرمایا: خداوند متعال نے اپنی مخلوقات کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے اور مجھ کو ان میں سے برتر قرار دیا ہے اور خداوند متعال کا قول یہ ہے: (و اصحاب الیمین) (واصحاب الشمال) اور میں اصحاب یمین میں سے سب سے افضل ہوں۔ اس کے بعد مذکورہ دو قسموں) اصحاب یمین اور اصحاب شمال) کو پھر سے تین حصوں میں تقسیم کیا اور مجھ کو ان میں افضل ترین لوگوں میں قرار دیا اور یہ ہے خداوند کریم کا قول: (وأصحاب المیمنةماأصحاب المیمنة وأصحاب المشئمة ماأصحاب المسئمةوالسابقون السابقون) اور میں سابقین اور افضل ترین لوگوں میں سے ہوں۔ اس کے بعد ان تینوں گروہوں کو کئی قبیلوں میں تقسیم کردیا، چنانچہ فرمایا:

(وجعلناکم شعوباًوقبائل لتعارفوإنّ اکرمکم عندالله أتقاکم)

"اور پھر تم کو خاندان اور قبائل میں بانٹ دیا تاکہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو بیشک تم میں سے خدا کے نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے" اور میں فرزندان آدم میں پرہیزگار ترین اور خدا کے نزدیک محترم ترین بندہ ہوں اور فخر نہیں کرتا ہوں۔

"اس کے بعد قبیلوں کو گھرانوں میں تقسیم کر دیا اور میرے گھرانے کو بہترین گھرانہ قرار دیا اور فرمایا (انمّا یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهّرکم تطهیراً) "بس اللہ کا ارادہ یہ ہے اے اہل بیت! تم سے ہر طرح کی آلودگی و برائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے"پس مجھے اور میرے اہل بیت کو)برائیوں) گناہوں سے پاک قرار دیا گیا ہے۔"

۲ ‘‘ حدثني الحسن بن زيد، عن عمربن علي، عن ا ٔبيه عليّ بن الحسين قال خطب الحسن بن علي الناس حين قتل عليّ فحمدالله و ا ٔثنى عليه ثمّ قال:لقد قبض في هذه الليلة رجل لايسبقه الا ٔوّلون بعمل و لايدركه الآخرون، و قدكان رسول الله ﷺ يعطيه رايته فيقاتل وجبرئيل عن يمينه وميكائيل عن يساره حتى يفتح الله عليه، وما ترک على ا ٔهل الا ٔرض صفراء ولابيضاء إلّا سبع مائة درهم فضلت عن عطاياه ا ٔراد ا ٔن يبتاع بهاخادماً لا ٔهله

ثمّ قال: ا ٔيّها الناس! من عرفني فقد عرفني ومنُ لم يعرفنيفا ٔنا الحسن بن علي وا ٔنا ابن النبيّ وا ٔنا ابن الوصيّ وا ٔناابن البشير، وا ٔنا ابن النذير، وا ٔناابن الداعي إلى الله باذنه، وا ٔنا ابن السراج المنير، و ا ٔنا من ا ٔهل البيت الّذى كان جبرئيل ينزل إليناويصعدمن عندنا، و ا ٔنامن ا ٔهل البيت الّذى كان جبرئيل ينزل إلينا و يصعدمن عندنا، وا ٔنا من ا ٔهل البيت الّذى ا ٔذهب الله عنهم الرجس وطهّرهم تطهيراً و ا ٔنا من ا ٔهل البيت الّذى افترض الله مودّتهم على كلّ مسلم، فقال تبارک و تعالى لنبية: (قل لاا ٔسئلكم عليه ا ٔجراً،إلّاالمودّة فى ا لقربى و من يقترف حسنة نزدله فيهاحسناً) [1]فاقتراف الحسنة مودّتناا ٔهل البيت [2]’’

۱۔ سورہ شوریٰ/۲۳

۲۔ مستدرک الصحیحین، ج۳،ص۱۷۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت

"عمر بن علی نے اپنے باپ علی بن حسین (علیہ السلام) سے روایت کی ہے انہوں نے کہا: حسن بن علی (علیہ السلام) نے) اپنے والد گرامی) حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد لوگوں کے درمیان ایک خطبہ دیا جس میں ۔ حمد وثنائے الہی کے بعد فرمایا:

آج کی شب ایک ایسا شخص اس دنیا سے رحلت کر گیا کہ گزشتہ انسانوں میں سے کسی نے ان پر سبقت حاصل نہیں کی اور نہ ہی مستقبل میں کوئی اس کے مراتب و مدارج تک پہونچنے والا ہے۔

پیغمبر اسلام (ص) اسلامی جنگوں میں ان کے ہاتھ پر پرچم اسلام تھما کر انہیں جنگ کے لئے روانہ کرتے تھے، جبکہ اس طرح سے کہ جبرئیل) امور تشریعی میں فیض الٰہی کے وسیلہ) ان کی دائیں جانب اور میکائیل) امور ارزاق میں فیض الٰہی کے ذریعہ) ان کی بائیں جانب ہوا کرتے تھے۔ اور وہ جنگ سے فتح کامرانی کے حاصل ہونے تک واپس نہیں لوٹتے تھے۔

انھوں نے اپنے بعد زر وجواہرات میں سے صرف سات سودرہم بہ طور "ترکہ" چھوڑے جو صدقہ و خیرات کے بعد باقی بچ گئے تھے اور وہ اس سے اپنے اہل بیت کے لئے ایک خادم خریدنا چاہئے تھے۔

اس کے بعد فرمایا: اے لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے، وہ پہنچاتا ہے اور جو نہیں پہچانتا وہ پہچان لے کہ میں حسن بن علی (ع) ہوں، میں پیغمبر کا فرزند ہوں، ان کے جانشین کا فرزند، بشیر) بشارت دینے والے) ونذیر) ڈرانے والے) کا فرزند ہوں، جو خدا کے حکم سے لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیتا تھا، میں شمع فروزان الٰہی کا بیٹا ہوں، اس خاندان کی فرد ہوں کہ جہاں ملائکہ نزول اور جبرئیل رفت وآمد کرتے تھے۔ میں اس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں کہ خدائے متعال نے ان سے برائی کو دور کیا ہے اور انھیں خاص طور سے پاک وپاکیزہ بنایا ہے۔ میں ان اہل بیت میں سے ہوں کہ خداوند متعال نے ان کی دوستی کو ہر مسلمان پر واجب قرار دیا ہے اور خدا وند متعال نے اپنے پیغمبر سے فرمایا: " اے پیغمبر! کہدیجئے کہ میں تم سے اس تبلیغ رسالت کے بدلے کسی اجرت کا مطالبہ نہیں کرتا ہوں سواء اس کے کہ میرے قرابتداروں سے محبت کرو اور جو شخص بھی کوئی نیکی دے گا ہم اس کی نیکیوں کی جزا میں اضافہ کردیں گے " لہذا نیک عمل کا کام انجام دینا ہی ہم اہل بیت (ع) کی دوستی ہے۔"

ان دواحادیث سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں خدا کی مخصوص طہارت کے خارج میں متحقق ہونے سے مراد ان کی عصمت کے علاوہ کوئی اورچیز نہیں ہے۔اور یہ بیان واضح طور پر اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ آیہء شریفہ میں ارادہ سے مراد ارادہ،تکوینی ہے۔

آیہء تطہیر میں اہل بیت علیہم السلام

اس آیہء شریفہ کی بحث کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ آیہء کریمہ میں "اہل البیت" سے مراد"کون ہیں؟اس بحث میں دوزاویوں سے توجہ مبذول کرنا ضروری ہے:

۱۔اہل بیت کا مفہوم کیا ہے؟

۲۔اہل بیت کے مصادیق کون ہیں؟

اگر لفظ"اہل"کا استعمال تنہا ہوتو یہ مستحق اور شائستہ ہونے کا معنی دیتا ہے اوراگراس لفظ کی کسی چیز کی طرف اضافت ونسبت دی جائے تو اس اضافت کے لحاظ سے اس کے معنی ہوں گے۔مثلاً"اہل علم"اس سے مرادوہ لوگ ہیں جن میں علم ومعرفت موجود ہے اور"اہل شہر وقریہ"سے مرادوہ لوگ ہیں جو اس شہر یا قریہ میں زندگی بسر کرتے ہیں،اہل خانہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس گھر میں سکونت پذیر ہیں،مختصر یہ کہ:"اہل"کا مفہوم اضافت کی صورت میں مزید اس شی کی خصوصیت پردلالت کرتا ہے کہ جس کی طرف اس کی نسبت دی گئی ہے۔۔۔

لفظ "بیت "میں ایک احتمال یہ ہے کہ بیت سے مراد مسکن اور گھر ہو اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ بیت سے مراد حسب و نَسَب ہو کہ اس صورت میں "اہل بیت "کا معنی خاندان کے ہوں گے۔ ایک اور احتمال یہ ہے کہ " اہل بیت "میں "بیت " سے مراد، خانہ نبوت ہو اور یہاں پر قابل مقبول احتمال یہی موخر الذکر احتمال ہے، اس کی وضاحت انشاء اللہ آیندہ چل کر آئے گی۔

ان صفات کے پیش نظر "اہل بیت " سے مراد وہ افراد ہیں جو اس گھر کے محرم اسرار ہوں اور جو کچھ نبی (ص) کے گھر میں واقع ہوتا ہے اس سے واقف ہوں۔

اب جبکہ "اہل بیت "کا مفہوم واضح اور معلوم ہوگیا تو ہم دیکھتے ہیں کہ خارج میں اس کے مصادیق کون لوگ ہیں اور یہ عنوان کن افراد پر صادق آتا ہے؟

اس سلسلہ میں تین قول پائے جاتے ہیں:

۱۔ "اہل بیت " سے مراد صرف پیغمبر اکرم (ص) کی بیویاں ہیں۔[1]

۲۔ "اہل بیت " سے مراد خود پیغمبر، علی و فاطمہ، حسن و حسین) علیہم السلام) نیز پیغمبر (ص) کی بیویاں ہیں۔[2]

۳۔ شیعہ امامیہ کا نظریہ یہ ہے کہ "اہل بیت " سے مراد پیغمبر (ص) آپکی دختر گرامی حضرت فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا) اور بارہ ائمہ معصومین) علیہم السلام) ہیں۔

بعض سنی علماء جیسے: طحاوی نے "مشکل الآثار "میں اور حاکم نیشابوری نے "المستدرک "میں "اہل بیت " سے صرف پنجتن پاک) علہیم السلام) کو مراد لیا ہے۔

"اہل بیت "کو واضح کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس سلسلہ میں دو جہات سے

۱۔ تفسیر ابن کثیر، ج۳، ص ۲۹۱

۲۔ تفسیر ابن کثیر، ج۳، ص ۴۹۲

بحث کریں:

۱۔آیہء شریفہ کے مفاد کے بارے میں بحث۔

۲۔آیہء شریفہ کے ضمن میں نقل کی گئی احادیث اورروایات کے بارے بحث۔

آیت کے مفاد کے بارے میں بحث

آیت کے مفہوم پر بحث کے سلسلہ میں درج ذیل چند نکات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے:

اول یہ کہ:لغوی اورعرفی لحاظ سے "اہل بیت"کا مفہوم پنجتن پاک کے عنوان کوشامل ہے۔

دوسرے یہ کہ آیہء شریفہ میں ضمیر "عنکم)جوجمع مذکر کے لئے ہے)کی وجہ سے اہل بیت کے مفہوم میں پیغمبراکرم ﷺ کی بیویاں شامل نہیں ہیں۔

تیسرے یہ کہ:بہت سی ایسی روایتیں موجودہیں جن میں "اہل بیت"کے مرادسے پنجتن پاک) علیہم السلام)کو لیاگیاہے۔لہذا یہ قول کہ اہل بیت سے مرادصرف پیغمبراکرم (ص)کی بیویاں ہیں،ایک بے بنیادبلکہ برخلاف دلیل قول ہے۔یہ قول عکرمہ سے نقل کیا گیاہے وہ کہتاتھا:

"جوچاہتاہے،میں اس کے ساتھ اس بابت مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہوں کہ آیہ شریفہ میں "اہل بیت کا مفہوم "پیغمبر(ص)کی بیویوں سے مختص ہے[1]"

اے کاش کہ اس نے)اس قول کی نسبت اس کی طرف صحیح ہونے کی صورت میں)مباہلہ کیاہوتا اورعذاب الٰہی میں گرفتار ہواہوتا!کیونکہ اس نے پنجتن پاک(ع)کی شان میں نقل کی گئی ان تمام احادیث سے چشم بستہ انکار کیا ہے جن میں آیہء تطہیرکی شان نزول بیان کی گئی ہے۔

۱۔روح المعانی،ج۲۲،ص۱۳،داراحیائ التراث العربی،بیروت

لیکن دوسرے قول کہ جس کے مطابق "اہل بیت کے مفہوم "میں پیغمبر ﷺ کی بیویاں نیز علی، فاطمہ، حسن اور حسین) علیہم السلام) شامل ہیں کو بہت سے اہل سنت، بلکہ ان کی اکثریت نے قبول کیا۔

اور انھوں نے، اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے آیات کے سیاق سے استدلال کیا ہے۔اس کی وضاحت یوں کی ہے کہ آیہء تطہیر سے پہلے والی آیتیں اور آیت تطہیر کے بعد والی آیتیں پیغمبر اکرم ﷺ کی بیویوں سے متعلق ہیں۔چونکہ آیہء تطہیر ان کے درمیان میں واقع ہے، اس لئے مفہوم اہل بیت کی صلاحیت اور قرینہء سیاق کے لحاظ سے، اس میں پیغمبر اکرم (ص) کی بیویاں شامل ہیں۔

ابن کثیر نے اپنی تفسیر، قرینہء سیاق کے پیش نظر آنحضرت ﷺ کی بیویوں کو یقینی طور پر اہل بیت کی فہرست میں شامل جانا ہے۔

سیاق آیہء تطہیر

کیا آیہء تطہیر کے سیاق کے بارے میں کیا گیا دعویٰ قابل انعقاد ہے؟ اور پیغمبر (ص) کی بیویوں کے اہل بیت کے زمرے میں شامل ہونے کو ثابت کر سکتا ہے؟ مطلب کو واضح کرنے کے لئے درج ذیل چند نکات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے:

اول یہ کہ: چند آیات کے بعد صرف ایک آیت کا واقع ہونا سیاق کے واقع ہونے کا سبب نہیں بن سکتا ہے اور دوسری طرف سے یہ یقین پیدا نہیں کیا جا سکتا ہے کہ یہ آیتیں ایک ساتھ ایک مرتبہ نازل ہوئی ہیں، کیونکہ سیاق کے واقع ہونے کے سلسلہ میں شرط یہ ہے کہ آیات کا نزول ایک دوسرے کے ساتھ انجام پایا ہو۔ لہذا ہم شک کرتے ہیں اور ممکن نہیں ہے کہ ہم سیاق کو احراز) متعین) کر سکیں جبکہ موجودہ قرآن مجید کی ترتیب نزول قرآن کی ترتیب کے متفاوت ہے، اس لئے اس مسئلہ پر کبھی اطمینان پیدا نہیں کیا جا سکتا ہے کہ آیہء تطہیر کا نزول پیغمبر (ص) کی بیویوں سے مربوط آیات کے بعد واقع ہوا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ: اگرچہ یہ آیتیں ایک ساتھ نازل نہیں ہوئی ہیں، لیکن ہرآیہ اورسورئہ کو پیغمبر ﷺ کی موجودگی میں ان کی نظروں کے سامنے ایک خاص جگہ پرانھیں رکھا گیا ہے، اس لئے آیات کا ایک دوسرے کے ساتھ معنوی رابطہ کے پیش نظر ان آیات میں سیاق واقع ہوا ہے لہذا پیغمبر ﷺ کی بیویاں پنجتن پاک علیہم السلام کے ساتھ اہل بیت کے زمرے میں شامل ہوں گی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ: اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ آیہء تطہیر کا اس خاص جگہ پر واقع ہونا آیات کے معنوی پیوند کے لحاظ سے ہے اور وہ چیز کہ جس پر دلیل قائم ہے صرف یہ ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے کسی مصلحت کے پیش نظر اس آیت کو اپنی بیویوں سے مربوط آیات کے درمیان قراردیا ہے، لیکن یہ کہ مصلحت صرف آیات کے درمیان معنوی رابطہ کی وجہ سے ہے اس پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ ممکن ہے اس کی مصلحت آنحضرت ﷺ کی بیویوں کے لئے ایک انتباہ ہو کہ تمہارا اہل بیت " کے ساتھ ایک رابطہ اور ہے ، اس لئے اپنے اعمال کے بارے میں ہوشیار رہنا، نہ یہ کہ وہ خود "اہل بیت "کی مصداق ہیں۔

دوسرے یہ کہ: آیہء کریمہ میں کئی جہتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آیہء تطہیر کا سیاق اس کی قبل اور بعد والی آیات کے سیاق سے متفاوت ہے اور یہ دو الگ الگ سیاق ہیں اور ان میں سے ہر ایک ، ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے جس کا دوسرے سے کوئی ربط نہیں ہے۔ وہ جہتیں حسب ذیل ہیں:

پہلی جہت: پیغمبر ﷺ کی بیوں سے مربوط آیات کا سیاق سرزنش کے ساتھ ہے)چنانچہ آیت۲۸ کے بعد غورکرنے سے معلوم ہو تا ہے)اوران آیات میں پیغمبراکرم (ص)کی بیویوں کی کسی قسم کی ستائش اور تعریف نہیں کی گئی ہے، جبکہ آیہء تطہیر کے سیاق میں فضیلت وبزرگی اورمدح و ستائش ہے اورآیہ تطہیر کے ذیل میں ذکر ہونے والی احادیث سے یہ مطلب اور بھی زیادہ روشن و نمایاں ہو جاتا ہے۔

دوسری جہت: یہ کہ آیہء تطہیر کی شان نزول مستقل ہے اورآنحضرت (ص)کی بیویوں سے مربوط آیات کی شان نزول بھی مستقل ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ کی بیویوں نے اپنے حق سے زیادہ نفقہ کا تقاضا کیا تھا لہذا مذکورہ آیتیں اسی مناسبت سے نازل ہوئی ہیں۔ اس شان نزول کے بارے میں مزید آگاہی حاصل کرنے کے لئے شیعہ وسنی تفسیروں کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

اس سلسلہ میں پہلے ہم آنحضرت ﷺ کی بیویوں سے مربوط آیات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اور اس کے بعد اس حدیث کا ترجمہ پیش کریں گے جسے ابن کثیر نے ان آیات کی شان نزول کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے:

(ياأيّهاالنبيّ قل لازواجک ان کنتنّ تردن الحيوةالدنيا وزينتها فتعالين أُمّتعکنّ وأُسرّحکنّ سراحاًجميلاًوإن کنتنّتردن الله ورسوله والدار الآخرة فإنّ الله أعدّ للمحسنات منکنّ أجراً عظيماًيانساء النبيّ من يأت منکنّ بفاحشة مبيّنة يضاعف لها العذاب ضعفين وکان ذلک علی الله يسيراًً ومن يقنت منکنّ لله ورسوله وتعمل صالحاً نؤتهااجرهامرّتين وأعتد نا لهارزقاً کريماًيانساء النبيّ لستنّ کأحد من النساء إن اتقيتنّ فلا تخضعن بالقول فيطمع الذی فی قلبه مرض وقلن قولاً معروفاًوقرن فی بيوتکنّ ولا تبرّجن الجا هلية الأُولی وأقمن الصلوة وء اتين الزکوة وأطعن الله ورسوله إنّما يريد الله ليذهب عنکم الرجس أهل البيت ويطهّرکم تطهيراًواذکرن مايتلی فی بيوتکنّ من آيات الله والحکمةإنّ الله کان لطيفاًخبيرا) (احزاب/۲۸۔۳۴)

"پیغمبر!آپ اپنی بیویوں سے کہد جئے کہ اگر تم سب زندگانی دنیا اوراس کی زینت کی طلبگار ہوتوآؤمیں تمہارامہر تمھیں دیدوں اور خوبصورتی کے ساتھ رخصت کردوں اوراگراللہ اور رسول اورآخرت کی طلبگار ہو تو خدا نے تم میں سے نیک کردار عورتوں کے لئے اجر عظیم قرار دیا ہے ۔اے زنان پیغمبر جو بھی تم میں سے کھلی ہوئی برائیوں کا ارتکاب کرے گااس کو دھرا عذاب کر دیا جائے گا اور یہ بات خدا کے لئے بہت آسان ہے۔اورجو بھی تم میں سے خدااوررسول کی اطاعت کرے اورنیک عمل انجام دے اسے دہرا اجر عطا کیا جائے گا اورہم نے اس کے لئے بہترین رزق فراہم کیا ہے ۔اے زنان پیغمبر!تم اگر تقویٰ اختیار کرو تو تمھارامرتبہ عام عورتوں کے جیسا نہیں ہے، لہذا کسی آدمی سے نازکی)دل لبھانے والی کیفیت) سے بات نہ کرو کہ بیمار دل افراد کوتمہاری طمع پیدا ہو اور ہمیشہ شائستہ و نیک باتیں کیا کرواور اپنے گھروں میں بیٹھی رہواور جاہلیت کے زمانہ کی طرح بناؤ سنگار نہ کرواور نماز قائم کرو اورزکوۃادا کرو اوراللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرو۔بس اللہ کا ارادہ ہے اے اہل بیت!کہ تم سے ہر طرح کی برائی کو دور رکھے اوراس طرح پاک وپاکیزہ رکھے جوپاک وپاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔اورازواج پیغمبر!تمھارے گھروں میں جن آیات الٰہی اور حکمت کی باتوں کی تلاوت کی جاتی ہے انھیں یادرکھو خدا لطیف اور ہرشے سے آگاہ ہے۔"

ابن کثیر نے ابی الزبیر سے اور اس نے جابر سے روایت کی ہے:

"لوگ پیغمبر (ص) کے گھر کے سامنے بیٹھے تھے، اسی حالت میں ابوبکر اور عمر آگئے اور داخل خانہ ہونے کی اجازت چاہی۔ پہلے انھیں اجازت نہیں دی گئی۔ جب انھیں اجازت ملی اور وہ خانہ رسول میں ہوئے تو انہوں نے کیا دیکھا کہ آنحضرت (ص) بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کی بیویاں بھی آپکے گرد بیٹھی ہوئی ہیں اور آنحضرت ﷺ، خاموش تھے۔ عمر نے آنحضرت (ص) کو ہنسانے کے قصد سے کہا: یارسول اللہ! اگر آپ دیکھتے کہ بنت زید) اس سے مراد عمر کی زوجہ ہے) نے جب مجھ سے نفقہ کا تقاضا کیا تو میں نے کیسی اس کی پٹائی کی! یہ سن کر پیغمبر اکرم (ص) ایسا ہنسے کہ آپکے دندان مبارک ظاہر ہوگئے۔ پیغمبر (ص) نے فرمایا: یہ) میری بیویاں) میرے گرد جمع ہوئی ہیں اور مجھ سے) بیشتر) نفقہ کا تقاضا کرتی ہیں۔ اس وقت ابوبکر عائشہ کو مارنے کے لئے آگے بڑھے اور عمر بھی اٹھے اور دونوں نے اپنی اپنی بیٹیوں سے نصیحت کرتے ہوئے کہا: تم پیغمبر (ص) سے ایسی چیز کا مطالبہ کرتی ہو جو پیغمبر کے پاس نہیں ہے؟ آنحضرت (ص) نے انھیں مارنے سے منع فرمایا۔ اس قضیہ کے بعد آنحضرت (ص) کی بیویوں نے کہا: ہم آج کے بعد سے پیغمبر (ص) سے کبھی ایسی چیز کا تقاضا نہیں کریں گے، جو ان کے پاس موجود نہ ہو۔ خداوند متعال نے مذکورہ آیات کو نازل فرمایا جس میں آنحضرت (ص) کی بیویوں کو پیغمبر کی زوجیت میں باقی رہنے یا انھیں طلاق کے ذریعہ آنحضرت کو چھوڑ کے جانے کا اختیار دیا گیا ہے۔[1]"

یہ تھی، آنحضرت (ص) کی ازواج سے مربوط آیات کی شان نزول۔ جبکہ آیہء تطہیر کی شان نزول پنجتن آل عبا اور ائمہ معصومین (علیہم السلام) سے متعلق ہے۔ اس سلسلہ میں شیعہ و سنی تفسیر اور حدیث کی کتابوں میں کافی تعداد میں روایتیں نقل ہوئی ہیں۔ ہم ان میں سے چند ایک کا ذکر احادیث کے باب میں کریں گے۔

۱۔ تفسیر ابن کثیر، ج۳، ص۴۹۱

اس شان نزول اور پیغمبر اکرم (ص) کی ازواج سے مربوط آیات کی شان نزول میں احتمالاً کئی سالوں کا فاصلہ ہے۔ اب کیسے ان آیات کے درمیان وحدت سیاق کے قول کو تسلیم کیا جا سکتا ہے اور کیا ان دو مختلف واقعات کو ایک سیاق میں ضم کر کے آیت کے معنی کی توجیہ کی جا سکتی ہے؟

تیسری جہت: یہ کہ سیاق کے انعقاد کو مختل کرنے کا ایک اور سبب پیغمبر اکرم (ص) کی بیویوں سے مربوط آیات اور آیہء تطہیر کے ضمیروں میں پایا جا نے والا اختلاف ہے۔ مجموعی طور پر مذکورہ آیات میں جمع مونث مخاطب کی ۲۲ ضمیریں ہیں۔ ان میں سے ۲۰ ضمیریں ایہء تطہیر سے پہلے اور دو ضمیریں ایہء تطہیر کے بعد استعمال ہوئی ہیں، جبکہ آیہء تطہیر میں مخاطب کی دو ضمیریں ہیں اور دونوں مذکر ہیں۔ اس اختلاف کے پیش نظر کیسے سیاق محقق ہو سکتا ہے؟

اعتراض: آیہء تطہیر میں ''عنکم'' اور ''یطھّرکم'' سے مراد صرف مرد نہیں ہیں، کیونکہ عورتوں کے علاوہ خود پیغمبر (ص) علی، حسن وحسین (علیہم السلام) بھی اس میں داخل تھے۔ اس لئے ''کم'' کی ضمیر آئی ہے اور عربی ادبیات میں اس قسم کے استعمال کو ''تغلیب'' کہتے ہیں اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کسی حکم کا ذکر کرنا چاہیں اور اس میں دو جنس کے افراد شامل ہوں، تو مذکر کو مونث پر غلبہ دے کر لفظ مذکر کو ذکر کریں گے اور اس سے دونوں جنسوں کا ارادہ کریں گے۔

اس کے علاوہ، مذکر کی ضمیر کا استعمال ایسی جگہ پر کہ جہاں مونث کا بھی ارادہ کیا گیا ہے قرآن مجید میں اور بھی جگہوں پر دیکھنے میں آیا ہے، جیسے درج ذیل آیات میں (قالو اا تعجبین من أمراللهرحمت اللهوبركاته عليكم أهل البيت) [1] کہ حضرت ابراھیم) علیہ السلام) کی زوجہ سے خطاب کے بعد جمع مذکر حاضر کی ضمیر اور اہل بیت کا عنوان ذکر ہوا ہے۔

(قال لاهله امكثوا) [2] کہ حضرت موسی علیہ اسلام کے اہل خاندان) کہ جس سے

۱۔ ہود/۷۳

۲۔قصص/۲۹

مراد ان کی زوجہ ہے) کے ذکر کے بعد ضمیر جمع مذکر حاضر کے ذریعہ خطاب کیا گیا ہے۔

جواب: ہر کلام کا اصول یہ ہے کہ الفاظ کو اس کے حقیقی معنی پر حمل کیا جائے اور "اصالۃ الحقیقۃ" ایک ایسا عقلائی قاعدہ ہے کہ جس کے ذریعہ ہر لغت وزبان کے محاورات و مکالمات میں استناد کیا جاتا ہے۔

اس عقلائی قاعدے کی بنیاد پر جس لفظ کے بارے میں یہ شک پیدا ہو کہ وہ اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے یا نہیں، اسے اس کے حقیقی معنی پر حمل کرنا چاہیے۔ اس لحاظ سے آیہء تطہیر میں دو جگہ پر استعمال ہوئی "کم" کی ضمیر سے مراد اس کے حقیقی معنی ہیں اور یہ کہ آیہ شریفہء مذکور میں تمام افراد اہلبیت مذکر تھے، صرف قرینہ خارجی اور آیت کی ذیل میں روآیت کی گئی احادیث کی وجہ سے قطعی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت کی فہرست میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا بھی شامل ہیں، اور ان کے علاوہ کوئی مونث فرد اہل بیت میں شامل نہیں ہے۔ اور آیہ شریفہ میں قاعدئہ "اقرب المجازات" جاری ہوگا۔

لیکن شواہد کے طور پر پیش کی گئی آیات میں قرینہ کی وجہ سے مونث کی جگہ ضمیر مذکر کا استعمال ہوا ہے اور یہ استعمال مجازی ہے اور ایک لفظ کا مجازی استعمال قرینہ کے ساتھ دلیل نہیں بن سکتا ہے کہ قرینہ کے بغیر بھی یہ عمل انجام دیا جائے اور جیسا کہ کہا گیا کہ اصل استعمال یہ ہے کہ لفظ اس کے حقیقی معنی میں استعمال ہو اور ایسا نہ ہونے کی صورت میں قاعدہ "اقرب المجازات" کی رعآیت کی جانی چاہیئے۔

آیہ تطہیر کے بارے میں احادیث

ش یعہ اور اہل سنت کے منابع میں بڑی تعداد میں ذکر ہونے والی احادیث سے واضح طور پر یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ آیہ تطہیر میں "اہل بیت" سے مراد صرف پنجتن پاک) علیہم السلام) ہیں اور ان میں پیغمبر اسلام ﷺ کی بیویاں کسی جہت سے شامل نہیں ہیں۔ اس سلسلہ میں مذکورہ

منابع میں اتنی زیادہ حدیثیں نقل ہوئی ہیں کہ حاکم حسکانی [1] نے اپنی کتاب "شواہد التنزیل" کے صفحہ ۱۸ سے لیکر ۱۴۰ تک انہی احادیث سے مخصوص کیا ہے۔[2] ہم ذیل (حاشیہ) میں اہل سنت

۱۔ذہبی،تذکرۃ الحافظ،ج۲،ص۱۲۰۰پر کہتا ہے:حاکم حسکانی علم حدیث کے کامل عنایت رکھنے والا ایک محکم اور متقن سند ہے۔

۲۔ اسد الغابۃ/ج۵ص ۵۲۱/داراحیائ التراث العربی ،بیروت، الاصابۃ/ج۲/ص۵۰۹/دارالفکر، اضوائ البیان /ج۶/ص۵۷۸/عالم الکتب بیروت، انساب الاشراف/ج۲/ص۳۵۴/دارالفکر، بحار الانوار،ج۳۵،ازص۲۰۶،باب آیۃ تطہیر تاص ۲۳۲ مؤسسۃ الوفائ بیروت، تاریخ بغداد /ج۹/ص ۱۲۶/ وج۱۰/ص۲۷۸/دارالفکر، تاریخ مدینہ دمشق/ج۱۳/ص۲۰۳و ۲۰۶و۲۰۷وج۱۴/ ص۱۴۱و۱۴۵، تفسیر ابن ابی حاتم /ج۹/ص۳۱۲۹/المکتبۃ المصریۃ بیروت، تفسیر ابی السعود/ ج۷/ ص۱۰۳/دارالحیائ التراث العربی بیروت، تفسیر البیضاوی/ج۲۳/ص ۳۸۲/دارالکتاب العلمیۃ، تفسیر فرات الکوفی/ج۱/ص۳۳۲تا۳۴۲/مؤسسۃ النعمان، تفسیر القرآن العظیم ابن کثیر/ج۳/ص۵۴۸/دارالکتب العلمیۃ بیروت، تفسیر اللباب ابن عادل دمشقی/ج۱۵/ص۵۴۸/ دارالکتاب العلمیۃ بیروت، تفسیر الماوردی/ج۴/ص۴۰۱/دارالمعرفۃ بیروت، التفسیر المنیر/ج۲۳/ص۱۴/دارالفکر المعاصر، تھذیب التھذیب/ج۲/ص۲۵۸/دارالفکر، جامع البیان/ طبری/ج۲۲/ص۵/دارالمعرفۃ بیروت، جامع احکام القرآن/ قرطبی/ج۱۴/ص۱۸۳/دارالفکر، الدار المنثور/ج۶/ص۶۰۴/دارالفکر، ذخائر العقبی/ص۲۱تا۲۴، روح البیان/ج۷/ص۱۷۱/داراحیائ التراث العربی، روح المعانی/آلوسی/ج۲۲/ص۱۴/داراحیائ التراث العربی/الریاض النضرۃ/ج۲)۴-۴)/ص۱۳۵/دار الندوۃ الجدیدۃ بیروت، زاد المسیر/ ابن جوزی/ج۶/ص۱۹۸/ دارالفکر، سنن الترمذی/ج۵/ص۳۲۷-۳۲۸و ۶۵۶/ دارالفکر، السنن الکبری / بیھقی/ج۲ / ص۱۴۹/ دارالمعرفۃ بیروت، سیر اعلام النبلاء/ ذہبی/ج۳/ص۲۵۴و ۲۸۳/ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، شرح السنۃ بغوی/ج۱۴/ص۱۱۶/المکتب الاسلامی بیروت، شواہد التنزیل/ج۲/ص۱۴۰-۸۱/ موسسۃ الطبع و النشر لوزارۃ الارشاد، صحیح ابن حبان/ج۱۵/ص۴۴۲ الی ۴۴۳/موسسۃ الرسالۃ بیروت، صحیح مسلم/ج۵/ص۳۷/ کتاب الفضائل باب فضائل / مؤسسۃ عزالدین بیروت، فتح القدیر/ شوکانی/ج۴/ص۳۴۹تا۳۵۰/ دار الکتاب العلمیۃ بیروت، فرائد السمطین/ جوینی/ج۱/ص۳۶۷/ مؤسسۃ المحمودی بیروت، کفایۃ الطالب/ص۳۷۱تا۳۷۷/داراحیاء تراث اہل البیت، مجمع الزوائد/ج۹/ص۱۶۹-۱۶۶/دارالکتب العربی بیروت، المستدرک علی الصحیحین /ج۲/ص۴۱۶وج۳/ص۱۴۷/دارالمعرفۃ بیروت، مسند ابی یعلی/ج۱۲/ ص۳۴۴و۴۵۶/ دار الھامون للتراث، مسند احمد/ج۴/ص۱۰۷وج۶/ص۲۹۲/دارصادر بیروت، مسند اسحاق بن راھویہ/ج۳/ص۶۷۸/مکتبۃ الایمان مدینۃ المنورۃ، مسند طیالسی/ص۲۷۴/ دارالکتب اللبنانی، مشکل الآثار/ طحاوی/ج۱/ص۳۳۵/دارالباز، المعجم الصغیر/طبرانی/ج۱/ص ۱۳۵/ دارالفکر، المعجم الاوسط/طبرانی/ج۲/ص۴۹۱/ مکتبۃ المعارف ریاض، المعجم لکبیر/طبرانی/ج۲۳/ ص۲۴۵و۲۸۱و ۲۸۶و ۳۰۸و۳۲۷و۳۳۰و۳۳۳و۳۳۴و۳۳۷و۳۵۷و۳۹۳و۳۹۶، المعرفۃ و التاریخ بسوی/ج۳۹۸/۱، المنتخب من مسند عبد بن حمید/ص۱۷۳ و ۳۶۷/عالم الکتب قاہرہ مناقب ابن مغازلی/ص۳۰۲-۳۰۱/ المکتبۃ الاسلامیۃ

کے بعض منابع کا ذکر کرتے ہیں کہ جن میں مذکورہ احادیث یا درج ہوئی ہے یا ان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ان احادیث کے رادیوں کا سلسلہ جن اصحاب پر منتہی ہوتا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام

۲۔ حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا

۳۔ حسن بن علی علیہ السلام

۴۔ انس بن مالک

۵۔ براء بن عازب انصاری

۶۔ جابربن عبد اللہ انصاری

۷۔ سعد بن ابی وقاص

۸۔ سید بن مالک)ابو سعید خدومی)

۹۔ عبد اللہبن عباس

۱۰۔ عبداللہ بن جعفر طیار

۱۱۔ عائشہ

۲۱۔ ام سلمہ

۱۳۔ عمربن ابی سلم

۱۴۔ واثلۃبن اسقع

۱۵۔ ابی الحمرائ

اس کے علاوہ شیعوں کی حدیث اور تفسیر کی کتابوں اور بعض اہل سنت منابع میں درج کی گئی احادیث اور روایتوں سے استفادہ ہوتا ہے کہ " اہل بیت " سے مراد پیغمبر اسلام (ص) علی، فاطمہ نیز شیعوں کے گیارہ ائمہ معصومین) علیہم السلام)ہیں۔

آیہ تطہیر کے بارے میں احادیث کی طبقہ بندی

آیہ تطہیر سے مربوط احادیث کو اہل سنت کے مصادر میں مطالعہ کرنے اور شیعوں کے منابع میں موجود ان احادیث کا سرسری جائزہ لینے کے بعد انھیں چند طبقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ وہ حدیثیں جن میں "اہل بیت" کی تفسیر علی و فاطمہ، حسن وحسین علیہم السلام کے ذریعہ کی گئی ہے۔

۲۔ وہ حدیثیں جن کا مضمون یہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے علی، وفاطمہ، حسن و حسین علیہم السلام کو کساء کے نیچے قرار دیا پھر آیہ تطہر نازل ہوئی، اور یہ واقعہ "حدیث کساء" کے نام سے مشہور ہے۔ ان میں سے بعض احادیث میں آیا ہے کہ ام سلمہ یا عائشہ نے سوال کیا کہ: کیا ہم بھی اہل بیت میں شامل ہیں؟

۳۔ وہ حدیثیں جن میں پیغمبر اکرم ﷺ ہرروز صبح کو یا روزانہ پانچوں وقت حضرت علی و فاطمہ علیہما السلام کے گھر کے دروازے پر تشریف لے جاتے تھے اور سلام کرتے تھے نیز آیہ تطہیر کی تلاوت فرماتے تھے۔

۴۔ وہ حدیثیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آیہ تطہیر پنجتن پاک علیہم السلام یا پنجتن پاک علیہم السلام نیز جبرئیل و میکائیل کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

یہاں پر مناسب ہے کہ احادیث کے مذکورہ چار طبقات میں سے چند نمونوں کی طرف اشارہ کیا جاے:

۱۔ "اہل بیت "کی پنجتن پاک سے تفسیر

ذیل میں چند ایسی احادیث بیان کی جاتی ہیں جن میں آیہء تطہیر میں "اہل بیت "کی تفسیر پنجتن پاک) علیہم السلام)سے کی گئی ہے:

الف:کتاب "المستدرک علی الصحیحین"میں عبداللہ بن جعفر سے روایت کی گئی ہے:

لما نظر رسول اللہ ﷺ إلی الرحمة هابطة قال: أُدعوالی، أُدعوالی فقالت صفية: من يا رسول اللہ؟ قال:أهل بیتی:علیاً وفاطمه والحسن و الحسين - عليهم السلام - فجیئی بهم،فألقی علیهم النبیّ ﷺ كساء ه ثم رفع یدیه ثمّ قال: "اللّهمّ هؤلاء آلی فصل علی مُحَمَّد و علی آل مُحَمَّد" و أنزل اللہ عزّوجلّ (: إنّما يريد اللہ ليذهب عنكم الرجس اهل البيت و يطهّركم تطهيراً) هذا حديث صحيح الاسناد۔[1]

"جب پیغمبر خدا (ص) نے رحمت الٰہی)جو آسمان سے نازل ہوئی تھی) کا مشاہدہ کیا تو فرمایا: میرے پاس بلاؤ!میرے پاس بلاؤ!صفیہ نے کہا:یارسول اللہ کس کو بلاؤں؟آپ نے فرمایا:میرے اہل بیت،علی وفاطمہ، حسن وحسین) علیہم السلام)کو۔ جب ان کو بلایا گیا،تو پیغمبر اکرم (ص) نے اپنی کساء)ردا) کو ان پر ڈال دیا اور اپنے ہاتھ پھیلا کر یہ دعا کی:خدایا!"یہ میرے اہل بیت ہیں۔ محمد اور ان کے اہل بیت پر دورد ورحمت نازل کر۔"اس وقت خداوند متعال نے آیہء شریفہ إنّما یرید اللہ۔۔۔ نازل فرمائی۔

اس حدیث کے بارے میں حاکم نیشاپوری کا کہنا ہے:

"هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه۔"

"اس حدیث کی سند صحیح ہے اگرچہ بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحین میں سے نقل نہیں

۱۔المستدرک علی الصحیحین،ج۳،ص۱۴۸

کیا ہے۔"[1]

قابل غوربات ہے کہ حاکم نیشاپوری کا خود اہل سنت کے حدیث ورجال کے بزرگ علماء اور امام میں شمار کیا جاتا ہے۔

ب:عن ابی سعید الخدری عن أُم سلمة قالت: "نزلت هذه الآية فی بيتی: (إنّما يريد اللّٰه ليذهب عنكم الرجس أهل البيت و يطهّركم تطهيراً) قلت: يا رسول الله، ألست من أهل البيت؟ قال: إنّک إلی خير، إنّک من أزواج رسول الله ﷺ قالت: و أهل البيت رسول الله و عليّ و فاطمة والحسن والحسن"[2]

"ابی سعید خدری نے ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: یہ آیت:

(إنّما يريد الله ليذهب عنكم الرّجس اهل البيت و يطهّركم تطهيرا) میرے گھر میں نازل ہوئی میں نے عرض کی یارسول اللہ! کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟ فرمایا: تمھارا انجام بخیر ہے، تم رسولکی بیوی ہو پھر ام سلمہ نے کہا: "اہل بیت" رسول اللہ ﷺ علی و فاطمہ، حسن وحسین (علیہم السلام) ہیں۔

۱۔حاکم نیشاپوری نے اپنی کتاب "المستدرک علی الصحیحین" میں ان احادیث کودرج کیا ہے جو بخاری کے نزدیک صحیح ہونے کی شرط رکھتی تھیں، لیکن انہوں نے انھیں اپنی کتابوں میں درج نہیں کیا ہے۔جو کچھ ذہبی اس حدیث کے خلاصہ کے ذیل میں۔ اس کے ایک راوی ۔ ملیکی کے بارے میں کہتا ہیں کہ: "قلت: المليكی ذاهب الحديث" اس کے عدم اعتماد کی دلیل نہیں ہو سکتی ہے۔کیونکہ اس کے بارے میں جیسا کہ ابن حجر نے "تہذیب التہذیب" ج ۶، ص ۱۳۲ پر "ساجی" سے نقل کر کے "صدوق" کی تعبیر کی ہے۔ اس کی صداقت اور سچ کہنے کی دلیل ہے۔اوراس کی مدح میں جو تعبیرات نقل کی گئی ہے وہ اس کی حدیث کے بارے میں ہے اور خود صحیح بخاری و مسلم میں بھی ہم بہت سے ابواب میں ان کے راویوں کو پاتے ہیں کہ بہت سی تعرفیں کی گئی ہیں۔

۲۔تاریخ مدینۃ دمشق، ج ۱۳، ص ۲۰۶

۲۔آیہء تطہیر کی تفسیر میں حدیث کساء کی تعبیر

ش یعہ اور اہل سنت کی تفاسیر و احادیث کی کتابوں میں اس مضمون کی فراون حدیثیں موجود ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہل بیت علیہم السلام کو ایک کساء کے نیچے جمع کیا اور اس کے بعد ان کے بارے میں آیہ تطہیر نازل ہوئی۔ ہم اس کتاب میں ان احادیث میں سے چند ایک کو نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

قابل توجہ بات ہے کہ ش یعہ امامیہ کے نزدیک حدیث کساء ایک خاص اہمیت و منزلت کی حامل ہے۔ یہ حدیث مرحوم بحرانی[1] کی کتاب، "عوالم العلوم "میں حضرت فاطمہ زہرا)سلام اللہ علیہا) سے روآیت کی گئی ہے اور مختلف زمانوں میں ش یعوں کے نا مور علماء اور فقہا کے نام سے مزّین اسناد کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔ نیزیہ حدیث ش یعوں کی مجلسوں اور محفلوں میں پڑھی جاتی ہے اور توسّل اور تبرّک کا ذریعہ قرار دی گئی ہے۔

احادیث کے اس گروہ میں درجہ ذیل تعبیریں توجہ کا باعث ہیں اور ان تعبیروں میں سے ہر ایک "اہل بیت " کے دائرے کو پنجتن پاک)علیہم اسلام) کی ذات میں متعین کرتی ہیں:

۱۔"إنّک الی خیر" یا جملہء"انّک من ازواج النبّی" سے ضمیمہ کے ساتھ[2]

۲۔"تنحّی، فإنّک علی خیر۔"[3]

۳۔"فجذبہ من یدی۔"[4]

۴۔"ماقال إنّک منٍ ھل البیت۔"[5]

۵۔"لا،وأنت علی خیر۔"[6]

۱۔ عوام العوم، جلد حضرت زہراء علیہماسلام۔ ج ۱۱، ص ۶۳۸موسسہ الامام مھدی علیہ اسلام

۲۔الدر المنثور،ج۶،ص۶۳۸،موسسۃ الامام مھدی

۳۔تفسیر ابن کثیر،ج۳،ص۴۹۳

۴۔الدر المنثور،ج۶،ص۶۰۴۔۱المعجم الکبیرج،۲۳،ص۳۳۶ ۵۔تاریخ مدینۃ دمشق ج۱۴، ص۱۴۵

۶۔تاریخ مدینۃ دمشق،ج۱۳،ص۲۰۶

۶۔"فواللہ ماأنعم۔"[1]

۷۔"مکانک،أنت علی خیر۔"[2]

۸۔"فوددت أنّہ قال:نعم۔۔۔"[3]

۹۔"تنحیّ لی عن أھل بیتی۔"[4]

۱۰۔"إنّک لعلی خیر،ولم ید خلنی معھم۔"[5]

۱۱۔"فواللہ ماقال:أنت معھم۔"[6]

۱۲۔"اجلسی مکا نک،فانک علی خیر۔"[7]

۱۳۔"إنّک لعلی خیر،وھؤلاء أھل بیتی۔"[8]

۱۔"إنک إلی خیر"کی تعبیر

"أخرج ابن جریر و ابن حاتم و الطبرانی و ابن مردویہ عن أمّ سلمة زوج النبیّ ﷺ إنّ رسول اللہ (ص) کان ببیتھا علی منامة لہ علیہ کساء خیبریّ! فجا ء ت فاطمة - رضی اللہ عنھا - ببرمة فیھا خزیرہ فقال رسول اللہ (ص): أُدعی زوجک و ابنیک حسناً و حسیناً فدعتھم، فبینما ھم یأکلون إذنزلت علی رسول اللہ (ص): (إنّما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس أھل البیت و یطھّرکم تطھیراً) فأخذ النبیّ ﷺ بفضلة ازارہ فشّاھم إیاّھا، ثمّ أخرج یدہ من الکساء و أومابھا إلی السماء ثمّ قال: "اللّھمَّ ھؤلاء

۱۔تفسیرابن کثیر،ج۳،ص۴۹۲،تفسیر طبری ج،۲۲ص،۵

۲۔تاریخ مدینة دمشق،ج۱۴،ص۱۴۱ ۳۔مشکلا آثار،ج۱،ص۳۳۶

۴۔تاریخ مدینة دمشق،ج۱۳،ص۲۰۳

۵۔شواہد التنزیل،ج۲،ص۶۱

۶۔شواہد التنزیل،ج۲،ص۱۳۴

۷۔شواہد التنزیل،ج۲،ص۱۹

۸۔المستدرک علی الصحیحین،ج۲،ص۴۱۶

أهل بيتی و خاصّتی، فأذهب عنهم الرجس و طهّرهم تطهيراً''، قالها ثلاث مرّات

قالت أُم سلمة - رضی الله عنها -: فأدخلت رأسی إلی الستر فقلت: يا رسول الله، و أنا معکم؟ فقال: ''إنّک إلی خير''مرّتين''[1]

اس حدیث میں ، حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے توسط سے ایک کھانا حاضر کرنے کے بعد پیغمبر اکرم ﷺ ان سے فرماتے ہیں کہ تم اپنے شوہر علی اوراپنے بیٹے حسن وحسین علیہم السلام کو بلاؤ اور وہ حضرات تشریف لاتے ہیں۔کھانا تناول کرتے وقت آیہء تطہیرنازل ہوتی ہے اور پیغمبر خدا ﷺ فرماتے ہیں:"خداوندا!یہ میرے اہل بیت اور میرے خواص ہیں۔تو ان سے ہر طرح کی برائی کو دورکر اورانھیں پاک وپاکیزہ رکھ۔ام سلمہ کہتی ہیں:میں نے بھی سر اٹھاکر کہا:یارسول اللہ کیامیں بھی آپ کے ساتھ ہوں؟حضرت نے دومرتبہ فرمایا:تم نیکی پر ہو۔

یہ نکتہ قابل غور ہے کہ اگر اس آیہء شریفہ کے مطابق حضرت ام سلمہ"اہل بیت"میں ہوتیں،توآنحضرت ﷺ صراحتاً انھیں مثبت جواب دیتے۔لیکن قرآن مجید میں موردتائید قرار پایا گیاآپکا خلق عظیم ہرگزآپکو اس بات کی اجازت نہیں دیتاکہ آپ ام سلمہ کو صراحتاً منفی جواب دیں۔مذکورہ جملہ جو متعدد احادیث میں آیا ہے،اس نکتہ کے پیش نظر پیغمبر اکرم ﷺ کی بیویوں کے "اہل بیت"کے دائرہ سے خارج ہونے کی واضح دلیل ہے۔

۱۔الدرّالمنثور،ج۶،ص۶۰۳،دارالفکر

۲۔"تنحی فإنّک الی الخیر"کی تعبیر

"عن العوام یعنی ابن حوشب،عن ابن عم له قال:دخلت مع أبی علی عائشةفسألتها عن علیّفقالت:تسألنی عن رجل کان من أحبّ الناس إلی رسول الله (ص)وکانت تحته ابنته وأحبّ الناس إلیهلقد رأیت رسول الله (ص)دعا علیّاً و فاطمه و حسناً وحسیناً - رضی الله عنهم - فألقی علیهم ثوباً فقال: اللّهم هؤلائ أهل بیتی، فأذهب عنهم الرجس و طهّرهم تطهیراً قالت: فدنوت منهم و قلت: یا رسول الله، و أنا من أهل بیتک؟ فقال (ص):تنحیّ،فإنّک علی خیر۔"[1]

"عوام بن حوشب نے اپنےچچازاد بھائی سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا:میں اپنے باپ کے ہمراہ عائشہ کے پاس گیا۔میں نے ان سے علی کے بارے میں سوال کیا۔عائشہ نے کہا:تم مجھ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھتے ہو،جو پیغمبر خدا (ص) کے نزدیک محبوب ترین فرد ہے۔پیغمبر اکرم (ص)کی عزیز ترین بیٹی ان کی شریک حیات ہے۔

میں نے رسول خدا (ص)کو دیکھا کہ آپنے علی وفاطمہ، حسن وحسین) علیہم السلام)کو بلایا اوران کے اوپر ایک کپڑے سے سایہ کیا اورفرمایا:خداوندا!یہ میرے اہل بیت ہیں۔ان سے برائی کو دور رکھ اورانھیں خاص طور سے پاک وپاکیزہ قرار دے۔عائشہ نے کہا:میں ان کے نزدیک گئی اورکہا:یارسول اللہ! کیا میں آپ کے اہل بیت میں سے ہوں؟فرمایا:تم خیرونیکی پر ہو۔"

۱۔تفسیر ابن کثیر،ج۳،ص۲۹۳،دارالمعرفة،بیروت

۳۔"فجذبه من یدی"کی تعبیر

"عن اُم سلمة أن رسول الله ﷺ قال لفاطمة: ایتینی بزوجک و ابنیه فجائت بهم، فألقی رسول الله ﷺ علیهم کساءً فدکیّاً ثمّ وضع یده علیهم ثمّ قال: اللّهمّ إنّ هؤلاء اهل محمّد - و فی لفظ آل محمّد - ، فاجعل صلواتک و برکاتک علی آل محمّد، کما جعلتها علی آل ابراهیم إنّک حمید مجید قالت اُم سلمة: فرفعت الکساء لأدخل معهم، فجذبه من یدی و قال: إنّک علی خیر۔"[1]

"ام سلمہ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا (ص) نے فاطمہ (سلام اللہ علیہا) سے فرمایا: اپنے شوہر اور بیٹوں کو میرے پاس بلاؤ۔ فاطمہ (سلام اللہ علیہا) نے انھیں بلایا۔ پیغمبر خدا (ص) نے فدکی کساء) ایک لباس جو فدک میں بنتا تھا) کو ان پر ڈال دیا اور اس کے بعد اپنا ہاتھ ان پر رکھ کر فرمایا:

خدا وندا! یہ آل محمدہیں۔ تو ان پر درود و برکتوں کا نزول فرما، جس طرح آل ابراھیم پر نازل فرمایا ہے، بیشک تو لائق حمد و ستائش ہے۔

ام سلمہ نے کہا: میں نے کساء کا سرا اٹھایا تاکہ زیر کساء ان کے ساتھ ملحق ہو جاؤں۔ پس پیغمبر (ص) نے اسے میرے ہاتھ سے کھیچ لیا اور فرمایا: تم خیر و نیکی پر ہو۔"

۴۔"ماقال: إنّک من اهل البیت"کی تعبیر

"عن عمرة بنت أفعیٰ، قالت: سمعت اُم سلمة تقول: نزلت هذه

۱۔الدر المنثور ج۶، ص۶۰۴، دار الفکر۔المعجم الکبیر، ج۲۳، ص۳۳۶

الآية فی بیتی: (إنّمایریداللّه) و فی البیت سبعة: جبریل و میکائیل و رسول اللّه ﷺ و علی و فاطمه و الحسن و الحسین قالت: و أنا علی باب البیت فقلت: یا رسول اللّه، ألستُ من أهل البیت؟ قال: إنّک علی خیر! إنّک من أزواج النبی ''وماقال:''إنّک من أهلالبیت''[1]

" عمرہ بنت افعی سے روایت ہے کہ اس نے کہا: میں نے ام سلمہ سے سنا ہے کہ وہ کہتی تھیں: یہ آیت انّما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت میرے گھر میں اس وقت نازل ہوئی، جب گھر میں سات افراد تھے: جبرئیل، میکائیل، پیغمبر خدا (ص)، علی وفاطمہ، حسن و حسین) علیہم السلام)۔ ام سلمہ نے کہا: میں گھر کے دروازہ کے پاس کھڑی تھی اور میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟ فرمایا: تم نیکی پر ہو، تم پیغمبر کی بیویوں میں سے ہو " اور آپ نے نہیں فرمایا:" تم اہل بیت میں سے ہو۔ "

۵۔" لا، وانت علی خیر "کی تعبیر

'' عن عطیة، عن أبي سعید، عن أمّ سلمة أن النبیّ (ص)غطّی علی علیّ و فاطمه و حسن وحسین کساءً، ثمّ قال: هؤلاء أهل بیتی، إلیک لا إلی النار قلت امّ سلمة:فقلت: یا رسول اللّه، و أنا معهم؟ قال: لا، وأنت علی خیر''[2]

۱۔ مشکل الآثار، ج ۱، ص۳۳۳، دار الباز۔ تاریخ مدینۃ دمشق ج ۱۴، صفحہ ۱۴۵ دار الفکر

۲۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ج ۱۳، ص ۲۰۶، دار الفکر۔ حدیث کی سندیوں:

اخبرنا ابو عبد اللّه الفراوی و ابو المظفر الفشیری، قالا: انا ابوسعد الادیب، انا ابو عمرو بن حمدان ، و اخبرتنا امّ المجتبی العلویّه، قالت: قریئ علی إبراهیم بن منصور انا ابوبکر بن المقریء قالا:انا ابوبعلی، نا مُحّد بن اسماعیل بن ابي سمینة، نا عبداللّه بن داوود، عن فضیل عن عطیة

عطیہ، ابی سعید، ام سلمہ سے روایت ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) نے ایک کساء کو علی وفاطمہ، حسن وحسین علیہم السلام پر ڈال دیا اور فرمایا: خداوندا! یہ میرے
اہل بیت ہیں تیری بارگاہ میں نہ کہ آگ کی طرف۔ ام سلمہ نے کہا: میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا میں بھی ان کے ساتھ) اہل بیت میں شامل) ہوجاؤں؟ فرمایا: نہیں، تم نیکی پر ہو۔"

سند حدیث کی تحقیق:

"ابو عبداللہ فراوی محمدبن فضیل بن احمد" ذہبی کا اس کے بارے میں کہنا ہے:" شیخ، امام، فقہ، مفتی، مسند) علم حدیث کے معروف عالم) خراسان اور فقیہ حرم" سمعانی کہتے ہیں: میں نے عبدالرشید طبری سے مرو میں سنا کی وہ کہتے تھے: الفراوی ہزار راویوں کے برابر ہے۔) سیر اعلام النبلاء ج ۱۸، ص۷۳موسسہ الرسالہ) " ابوسعد ادیب کنجرودی"، ذہبی اس کے بارے میں کہتے ہیں: شیخ، فقیہ، امام، ادیب، نحوی طبیب، مسند خراسانی) سیر اعلام النبلاء، ج۱۸، ص ۱۰۱) سمعانی اس کے بارے میں کہتے ہیں: " وہ ادیب، فاضل، عاقل، خوش رفتار، باوثوق اور سچا تھا") الانساب ،ج۵، ص۱۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔)

"ابو عمرو بن حمدان" ذہبی اس کے بارے میں کہتا ہے:" شیخ صالح ، قابل وثوق ہے) سیر اعلام النبلاء، ج۱۸، ص۷۳)

"ابو بکر بن المقری، محمد بن ابراھیم "اس کے بارے میں ذھبی کہتے ہیں: شیخ حافظ اور سچا ہے") سیر اعلام النبلاء، ج۱۶، ص۳۹۸)

"ابویعلی "صاحب مسند، احمد بن علی بن مثنی، محدث موصل) سیر اعلام النبلاء، ج۱۴۰، ص۱۷۴)

"محمد بن اسماعیل بن ابی سمینہ" ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں ابوحاتم وصالح بن محمد سے نقل کیا ہے کہ وہ ثقہ اور قابل اعتماد ہے۔) تہذیب التہذیب، ج۹، ص۵۰، دار الفکر)

"عبداللہ بن داؤد" مزی نے اس کے بارے میں محمد بن سعد سے طبقات میں نقل کیا ہے کہ وہ ثقہ اور عابد تھا) تہذیب الکمال، ج۴، ص۴۵۸)

"فضل بن غزوان" ابن حجر نے اس کے بارے میں کہا ہے: احمد اور ابن معین نے کہا ہے: وہ ثقہ ہے۔ اور ابن حبان نے "کتاب الثقات" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ تہذیب التہذیب، ج۸، ص۲۶۷) "عطیہ) بن سعد) اس کے بارے میں تہذیب التہذیب ج۷، ص۲۰۰ سے استفادہ ہوتا ہے کہ: وہ ابن سعد کی طرف سے قابل وثوق قرار پایا ہے۔ اور ابن معین نے) ایک روایت میں) اسے شائستہ جانا ہے اور علم رجال کے بعض علماء نے اس کی تعریفیں کی ہیں اور اس کی حدیثوں کی تائید کی ہے اس کا جرح کرنے والے جیسے نسائی جرح کرنے میں سخت گیر ہیں اہل سنت کے اہل فن ودرایت اور علم حدیث کے علماء جیسے تہانوی نے کتاب "قواعد فی علوم الحدیث" ص۱۱۷ میں، اس قسم کی جرح کرنے والے افراد کو نا قابل اعتبار جانا ہے اور عطیہ ان افراد میں سے ہیں کہ جنھیں امیر المؤمنین علی بن ابیطالب کے خلاف سب وشتم سے انکار کرنے پر حجاج کی طرف سے چار سو کوڑے مارے گئے ہیں جو دین کے معاملہ میں اس طرح ثابت قدم اور پائیدار ہو، وہ کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے اہل رجال کی اس کے بارے میں جرح و تنقید اس کے شیعہ ہونے کی وجہ سے ہو۔

۶۔"فوالله ما انعم"کی تعبیر

"۔۔۔عن الاعمش عن حکیم بن سعدقال:ذکرنا علیّ بن ابی طالب - رضی اللہؑعنہ - عندامّ سلمة!قالت:فیہ نزلت: إنّمایرید اللہؑ۔۔۔!

"قالت:أُم سلمة:جاء النبیّ ﷺ إلی بیتیفجلّلهم نبیّ الله بکساءفنزلت هذه الآیةفقلت:یارسول الله، وأنا؟ قالت:فوالله ماأنعم، وقال:إنّک إلی خیر۔"[1]

اس حدیث میں ،پیغمبراسلام (ص)نے جب علی وفاطمہ، حسن وحسین (علیہم السلام) کوکساء کے نیچے قرار دیا پھر آیہء تطہیر نازل ہوئی۔ام سلمہ نے سوال کیا:یارسول اللہ !کیا میں بھی ہوں ؟لیکن انھوں نے مثبت جواب نہیں سنا،پریشان ہوئیں اوراپنی پریشانی کاان الفاظ میں اظہار کیا:"فواللہ،ماانعم "یعنی:خدا کی قسم پیغمبرخدا (ص)نے نہیں فرمایا:"ہاں "بلکہ صرف یہ فرمایا:"تم نیکی پر ہو۔"

۷۔"مکانک،انت علی خیر"کی تعبیر

"عن شهر بن حوشب، عن أُم سلمة:إن رسول الله (ص)أخذ ثوباً فجلّله علی علیّ وفاطمةوالحسن والحسین ثمّ قرأت هذه الآیة: (إنّما یرید الله لیذهب عنکم الرجس أهل البیت ویطهّرکم تطهیراً) قالت:فجئت لأدخل معهم، فقال:مکانک،أنت علی

۱۔جامع البیان طبری،ج۲۲،ص۷،دارالمعرفة،بیروت۔تفسیرابنکثیرج۳ص۴۹۳،دارالمعرفة،بیروت

خیر"[1]

اس حدیث میں ام سلمہ کہتی ہیں: پیغمبر خدا ﷺ نے علی وفاطمہ، حسن و حسین) علیہم اسلام) کو ایک پارچہ کے نیچے قرار دیا اور اس کے بعد آیہ تطہیر ک قرات فرمائی۔ جب میں اس پارچہ کے نزدیک گئی تا کہ اس کے نیچے داخل ہو جاوں، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اپنی جگہ پر بے ٹھی رہو، تم خیر و نیکی پر ہو۔

۱۔تاریخ مدینۃ دمشق، ج۱۴، ص۱۴۱، دارالفکر۔ اس حدیث کی سندیوں ہے: "اخبرنا ابوطالب بن ابی عقیل: انا ابو الحسن الخلعی: انا ابو مُحَمَّد النحاس: انا ابوسعید بن الآعرابی: نابو سعید عبدالرحمن بن مُحَمَّدبن منصور: ناحسین الآشقر: نا منصور بن ابی الآسود، عن الآعمش، عن حبیب بن ابی ثابت، عن شہر بن حوشب، عن ام سلمة"

سند کی تحقیق:

"ابوطالب بن ابی عقیل بن عبدالرحمن ذہبی" نے اسے ایک دیندار بزرگ جانا ہے۔)سیر اعلاما لنبلاء،ج۲۰،ص۱۰۸، موسۃالرسالۃ)

"ابوالحسن الخلمی علی بن الحسین "ذہبی نے اس کی شیخ امام،فقیہ،قابل اقتداء اور مسند الدیار المصریۃ جیسے القاب سے تعریف کی ہے)سیر اعلام النبلاء،ج۱۹،ص۷۴)

"ابومحمد النحاس اورذہبی "کا اس کے بارے میں کہنا ہے: شیخ امام،فقیہ،محدث، سچا اورمسندالدیار المصریہ تھا)سیر اعلام النبلاء ج۱۷،ص۳۱۳)

"ابو سعیدابن الآعرابی احمدبن محمدبن زیاد"اورذہبی نے اس کے بارے میں یہ تعبیرات استعمال کی ہیں:امام،محدث،قدوۃ)یعنی رہبری اور قیادت کے لئے شائستہ)سچا،حافظ اور شیخ الاسلام)سیر اعلام النبلاء ج۱۵،ص۴۰۷

"ابوسعید عبدالرحمن بن محمدبن منصور"ابن حبان نے کتاب الثقات ج۸،ص۳۸۳ موسۃالکتب الثقافیۃ میں اس کا نام لیا ہے۔

"حسین الآشقر الغزاری"ابن حبان نے اس کا نام کتاب الثقات میں لایا ہے۔اور احمدبن حنبل نے اس کے بارے میں کہا ہے:وہ میرے نظر میں جھوٹ بولنے والوں میں سے نہیں ہے اورابن معین سے اس کے سچے ہونے کے بارے میں سوال کیا۔اس نے جواب میں کہا:جی ہاں)تہذیب التہذیب،ج۲ص۹۱دارالفکر)

اس کے بارے میں بعض مذمتیں کی گئی ہیں،وہ اس کے مذہب کے بارے میں ہیں اور حجت نہیں ہیں۔"منصوربن ابی الآسود"ابن حجر نے اس توثیق)مورد اعتماد ہونے)کو ابن معین سے نقل کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں)مورد اعتماد افراد کے زمرہ میں ذکر کیا ہے۔)تہذیب التہذیب ،ج،۱۰ص۲۷۱،دارالفکر،

"الآعمش "کے موثق اورسچے ہونے میں کلام نہیں ہے اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں اس سے کافیاحادیث نقل کی گئی ہیں اور اس کی راستگوئی کا یہ عالم تھا کہ بعض اہل سنت علمائے حدیث نے اس کے سچے ہونے کو مصحف سے تشبیہ دیدی ہے)تہذیب التہذیب ج،۴،ص۱۹۶،دارالفکر"حبیب بن ابی ثابت "اس کے موثق اور راستگو ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے اور صحاح میں اس سے بہت ساری حدیثیں نقل ہوئی ہیں)تہذیب التہذیب ج۲،ص۱۵۶)

"شہربن حوشب"ابن حجر نے،معین، عجلی اوریعقوب بن شیبۃ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اسے موثق)قابل اعتماد وثوق) تعبیر کیا ہے)تہذیب التہذیب ج۴،ص۳۲۵،دارالفکر۔)

ایک دوسری حدیث میں یہ تعبیر نقل ہوئی ہے: ''أنت بمکانک وانت خیر''[1] ایک اور تعبیر میں آیا ہے ''اجلسی مکانک، فانک علی خیر''[2] اپنی جگہ پر بیٹھی رہو، تم خیر پر ہو۔

۸۔''فوددت أنة قال :نعم''کی تعبیر

''عن عمرة الھمد انیة قالت: أتیت أ مّ سلمة فسلمت علیھا،فقالت: من أنت ؟ فقلت :عمرة: یا أم المومنین أخبرینی عن ھذا الرّجل الذّی قتل بین اظھرنا، فمحبٌ و مبغض ترید علیّ بن أبی طالب قالت أمّ سلمة:أتحبّینه أم تبغضیبه؟ قالت ما أحبّه ولا أبغضه فأنزل الله ھذه الآیة (انما یرید الله) ... إلی آخرھا، ومافی البیت إلا جبرئیل ورسول الله ﷺ وعلیّ وفاطمه و الحسن والحسین علیھم السلام فقلت : یا رسول الله، أنا من أھل البیت؟ فقال: إنّ لک عنداللھخیراً، فوددت أنه قال: ''نعم'' فکان أحبّ إلی من تطلع علیه الشمس و تغربه''[3]

'' عمرہ ہمدانیہ سے روآیت ہے کہ اس نے کہا : میں ام سلمہ کی خدمت میں گئی اور ان سے سلام کیا: انھوں نےپوچھا : تم کون ہو؟ میں نے کہا: میں عمرہ ہمدانیہ ہوں۔ عمرہ نے ام سلمہ سے کہا:اے ام المئومنین مجھے اس شخص کے بارے میں کچھ بتایئے جسے کچھ مدت پہلے قتل کردیا گیا)مراد علی بن ابے طالب علیہ السلام ہیں) بعض لوگ انھیں دوست رکھتے ہیں اور بعض دشمن۔

ام سلمہ نے کہا: تم انھیں دوست رکھتی ہو یا دشمن؟ عمرہ نے کیا: میں نہ انھیں دوست

۱-تاریخ مدینہ دمشق ،ج ۱۴،ص۱۴۵، دارالفکر

۲-شواہد التنذیل، ج۲،ص۱۱۹

۳-مشکل الاثار،ج ۱، ص ۳۳۶، طبع مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ بالھند

رکھتی ہوں اور نہ دشمن) بظاہر یہاں پر آیہ تطہیر کے نزول کے بارے میں چند جملے چھوٹ گئے ہیں اور اس کے بعد کی عبارت یہ ہے) اور خداوند متعال نے یہ آیت (إنما يريد الله) اس حالت میں نازل فرمائی کی جب گھر میں جبرئل، پیغمبر خدا (ص)، علی وفاطمہ، حسن و حسین) علیہم السلام) کے علاوہ کوئی موجود نہ تھا۔

میں نے کہا: یا رسول اللہ: کیا میں اہل بیت میں ہوں؟ آنحضرت (ص) نے فرمایا: تیرے لئے خدا کے پاس خیر و نیکی کی صورت میں جزا ہے۔

میری آرزو یہ تھی کہ) میرے سوال کے جواب میں) آنحضرت ﷺ فرماتے: "جی ہاں" اور وہ میرے لئے اس سے بہتر تھا جس پر سورج طلوع و غروب کرتا ہے۔"

"فتنحّي لي عن أهل بيتي" کی تعبير

" عن ابى المعدل عطية الطفاوي عن أبيه، أنّ امّ سلمة، حدثتة قالت: بينارسول الله ﷺ في بيتي، إذقال الخادم : إن عليا وفاطمه بالسدَّة: قالت: فقال لي: قوميفتنحّي ليعن أهل بيتي فدخل عليّ و فاطمة و معهما الحسنوالحسين قالت: فقلت و أنا يا رسول الله؟ فقال: وأنت"[1]

اس حدیث میں ام سلمہ سے روآیت ہے، انھوں نے کہا: رسول خدا (ص) میرے گھر میں تشریف فرما تھے کہ خادم نے کہا: علی اور فاطمہ) علیہما السلام) دروازہ پرہیں۔ پیغمبر ﷺ نے فرمایا: اٹھو اور میرے اہل بیت سے دور ہو جاؤ اس کے بعد علی او رفاطمہ حسن اور حسین (علیہم السلام) داخل ہوئے اور پیغمبر ﷺ نے ان کے حق میں دعا کی: " خدا وندا! میرے اہل بیت تیری طرف ہیں نہ کہ آگ کی

۱-تاریخ مدینۃ دمشق، ج ۱۳، ص ۲۰۲-۲۰۳، دارلفکر

طرف "ام سلمہ نے کہا: یا رسول اللہ! میں بھی ؟فرمایا: تم بھی۔

واضح رہے کہ پیغمبر خدا ﷺ پہلے ام سلمہ کو)حدیث میں)اپنے اہل بیت کے مقابلہ میں قرار دیتے ہیں جو ان کے اہل بیت سے خارج ہونے کا واضح ثبوت ہے۔ اس کے بعد انھیں دعا میں یعنی آگ سے دور رہنے میں شریک فرماتے ہیں۔

۱۰۔"إنک لعلی خیر، ولم یدخلنی معهم"کی تعبیر

'' عن العوام ین حوشب، عن جمیع: التیمی انطلقت مع امّي، إلی عائشة، فد خلت اُمّي، فذهبت لاُدخل فحجتني، و سأَلتها اُمّي عن عليّ فقالت: ماظنّک بر جل کانت فاطمة والحسن و الحسین إبناه، و لقد رآیت رسول الله التفع علیهم بثوب و قال: ''اللّهم هولائ اُهلیأذهب عنهم الرجس و طهرهم تطهیراً'' قلت: یا رسول الله، اُلست من اُهلک؟ قال:'' انّک لعلی خیر''،''لم ید خلنیمعهم''[1]

''جم یع تیمی سے روآیت ہے کہ اس نے کہا: میں اپنی والدہ کے ہمراہ عائشہ کے پاس گیا میری والدہ نے ان سے علی)علیہ السلام) کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے جواب میں کہا: تم کیا خیال کرتی ہو اس شخص کے بارے میں جس کی شریک حیات فاطمہ (علیہما السلام) اورجس کے بیٹے حسن و حسین)علیہما السلام) ہوں۔میں نے دیکھا کہ پیغمبر ﷺ نے ایک کپڑے کے ذریعہ ان پر سایہ کیا اور فرمایا: یہ میرے اہل بیت ہیں۔ خداوندا! ان سے برائی کو دور رکھ اور انھیں خاص

۱۔شواھدالتنزیل،ج۲،ص۶۲۔۶۱

طریقہ سے پاک و پاکیزہ قرار دے۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میں آپ کے اہل سے نہیں ہوں؟ فرمایا: تم نیکی پر ہو۔ اور مجھے ان میں داخل نہیں کیا۔

۱۱۔"فواللہ ماقال :انت معھم"کی تعبیر

''عن أُم سلمة فجمعهم رسول اللّٰه حوله و تحته کسائ خیبریّ، فجلّلهم رسول اللّٰه جمیعاً، ثمّ قال: اللّهمّ هؤلاء أهل بیتی فأذهب عنهم الرجس وطهّرهم تطهیراً فقلت: یارسول اللّٰه،وأنا معهم؟ فواللّٰه ما قال: ''و أنت معهم'' و لکنّه قال: '' إنّک علی خیر و إلی خیر'' فنزلت علیه: (إنّما یرید اللّٰه) [1]

"اس حدیث میں بھی کہ جو ام سلمہ سے روایت ہے،پیغمبراکرم (ص) نے علی و فاطمہ، حسن و حسین(علیہم السلام) کو کساء کے نیچے قراردیا اوران کے حق میں دعاکی۔ام سلمہ نے کہا:یارسول اللہ! کیا میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟)چونکہ مثبت جواب نہیں سنا اس لئے کہا:)خدا کی قسم آپ نے نہیں فرمایا:"تم بھی ان کے ساتھ ہو"لیکن فرمایا:"تم نیکی پر ہواورنیکی کی طرف ہو"۔اس کے بعد آیہء (إنّما یریداللّٰه) نازل ہوئی۔"

۱۲۔إنّک لعلی خیر،وھؤلائ اھل بیتی"کی تعبیر

''عن عطائ بن یسار،عن أُمّ سلمة -رضی اللّٰه عنها - أنّها قالت: فی بیتی نزلت هذه الآیة: (إنّما یرید اللّٰه) فأرسل رسول اللّٰه (ص)إلی علی و فاطمة والحسن والحسین

۱۔شواھد التنزیل،ج۲،ص۱۳۴۔۱۳۳

فقال: اللّھمّ ھؤلائ أھل بیتی قالت أُمّ سلمة: یارسول اللہ،ماأنامن أھل البیت ؟قال:إنّک لعلی خیر،وھؤلائ أھل بیتی اللّھمّ أھلی أحق"ھذا حدیث صحیح علی شرط البخاری،ولم یخرجاہ۔[1]

یہ حدیث بھی ام سلمہ نے روایت کی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے علی وفاطمہ ، حسن وحسین) علیہم السلام)کو بلاوابھیجا اوران کے آنے کے بعد فرمایا:

خدا وندا! یہ میرے اہل بیت ہیں ۔ام سلمہ نے کہایا رسول اللہ! کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟فرمایا: تم خیر ونیکی پر ہواوریہ میرے اہل بیت ہیں۔خداوندا! میرے اہل بیت سزاوار تر ہیں۔

حدیث کو بیان کرنے کے بعدحاکم نیشاپوری کا کہنا ہے: بخاری کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے، لیکن اس نے اسے ذکر نہیں کیا ہے۔

درعلی و فاطمہ پر آیہ ء تطہیر کی تلاوت

بعض حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرروز صبح یاروزانہ نمازپنچگانہ کے وقت درعلی و فاطمہ) علیہما السلام) پر آکر آیہ ء تطہیر کی تلاوت فرماتے تھے۔یہ حدیثیں بھی چند مختلف گرہوں میں منقسم ہیں کہ موضوع کے طولانی ہونے کے باعث ہم صرف ان کے عنا وین کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

بعض احادیث دلالت کرتی ہیں کہ یہ کام ایک ماہ[2]تک جاری رہا اور بعض احادیث اس

۱۔المستدرک علی الصحیحین،تفسیر سورئہ احزاب ،ج۲،ص۴۱۶،دارالمعرفة،بیروت

۲۔مندابی داؤدطیالسی ،ص۲۷۴،دارالکتاب اللبنانی

کی مدت چالیس[1] روز، بعض چھ مہینے، [2]بعض سات مہینے[3]، بعض آٹھ مہینے[4]، بعض نو مہینے[5]، بعض دس مہینے اور بعض احادیث میں اس کی مدت سترہ مہینے[6] بتائی گئی ہے۔

ان احادیث کے بارے میں دو نکتے قابل توجہ ہیں:

۱۔یہ حدیثیں) کہ ہرایک ان میں سے ایک خاص مدت کی طرف اشارہ کرتی ہے) ایک دوسرے سے منافات نہیں رکھتی ہیں کیونکہ ہر صحابی جتنی مدت آنحضرت صلی للہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھا، اس نے اسی مدت کو بیان کیا ہے اوراحیاناً اگرایک صحابی نے دو مختلف احادیث میں دو مختلف مدتیں بیان کی ہیں،تو ممکن ہے اس نے ایک مرتبہ کم مدت اوردوسری مرتبہ زیادہ مدت کا مشاہدہ کیا ہوگا۔

مثلاً ابوالحمراء نے ایک حدیث میں مذکورہ مدت کوچھ مہینے اوردوسری حدیث میں سات مہینے اورتیسری حدیث میں آٹھ مہینے،یادس مہینے یاسترہ مہینے کی مدت بیان کی ہے ان میں سے کوئی حدیث بھی ایک دوسرے سے منافات نہیں رکھتی ہے۔

۲۔پیغمبرخدا ﷺ کا اتنی طولانی مدت تک اس عمل کاپے درپے انجام دینا اس حقیقت کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے کہ لفظ"اہل بیت کہ"جو اس وقت عرفی معنی میں استعمال ہوتا تھا اب اس کے جدید اوراصطلاحی معنی میں یعنی علی وفاطمہ، حسن وحسین علیہم السلام کے لئے یا

۱۔ مجمع الزوئد،ج۹،ص۲۶۴،ح۱۴۹۸۷،دارالفکر۔الدرالمنثورج۶،ص۶۰۶شواہدالتنزیل ،ج۲،ص۴۴،موسۃ الطبع والنشر لوزرارۃ الارشاد الاسلامی

۲۔جامع البیان طبری، ج۲۲، ص۵۔۶، دارالمعرفۃ،بیروت۔ مجمع الزوائد، ھیثمی ،ج۹، ص۲۶۶، ح۱۴۹۸۵۔انساب الاشراف،ج۲،ص۳۵۴۔۳۵۵دارالفکر،المنتخب من مسند احمد،ج ۳،ص۴۹۲، دارالمعرفۃ،بیروت اوردوسری کتابیں۔

۳۔جامع البیان ،طبری،ج۲۲،ص۶،دارالمعرفۃ،بیروت۔تفسیرابن کثیر،ج۳ص۲۹۲،دارالمعرفۃ، بیروت۔ فتح القدیر،ج۴،ص۳۵۰،دارالکتب العلمیہ،بیروت

۴۔الدرالمنثور،ج۵،ص۶۱۳،وج۶،ص۶۰۶،دارالفکر۔

۵۔المنتخب من مسندبن حمید،ص۱۷۳،عالم المکتب۔ذخائرالمقبی ص۲۵،موسۃالوفاء، بیروت۔ الدرالمنثور،ج۶،ص۶۰۲،دارالفکر۔شوھدالتنزیل، ج۲،ص۲۷

۶۔ مجمع الزوائد،ج۹،ص۲۶۷،ح۱۴۹۸۶،دارالفکر،شواھد التنزیل ،ج۲،۸۷

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ضمیمہ کے ساتھ استعمال ہو کردر حقیقت ایک نئی حالت پیدا کرچکا ہے۔اس لفظ کے بارے میں یہ انتہائی مہم نکتہ آیہء تطہیر کے ذیل میں بیان کی گئی تمام احادیث مثلاًحدیث ثقلین وحدیث سفینہ اوران جیسی دوسری حدیثوں میں بہت زیادہ روشن و نمایاں ہے۔

آیہء تطہیر کا پنجتن پاک (علیہم السلام) کے بارے میں نازل ہونا

احادیث کا ایک اورگروہ ہے جن میں آیہء تطہیر کے نزول کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی وفاطمہ، حسن وحسین علیہم السلام کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ان میں سے بعض احادیث میں یہ مطلب خود پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے، جیسے یہ حدیث:

"عن ابی سعید الخدری قال: قال رسول الله (ص) نزلت هذه الآية فی خمسة:فیّ و فی علی و حسن وحسین وفاطمة (إنّما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهّركم وتطهيراً) [1]

۱۔جامع لبیان ،طبری،ج۲۲،ص۵،دارالمعرفۃ۔بیروت میں اس حدیث کی سندیوں ہے:حدثنی محمّد بن المثنی قال:ثنابکر بن یحیی بن زبان العنزی قال:ثنا)حدثنا) مندل،عن الآعمش عن عطية عن ابی سعيد الخدری۔

اس سند میں "بکربن یحیی بن زبان" ہے۔چنانچہ ان کا نام تہذیب التہذیب، ۱،ص۴۲۸ دارالفکر،میں درج ہے۔ابن حبان نے اسے "کتاب ا لثقات ")جس میں ثقہ راوی درج کئے گئے ہیں)میں درج کیا ہے۔

ابن حجر نے "مندل")بن علی) کے بارے میں تہذیب التہذیب ،ج۱۰،ص۲۶۵،میں ذکر کیا ہے کہ یعقوب بن شیبہ اوراصحاب یحیی)بن معین)اور علی بن مدینی نے اسے حدیث میں ضعیف جانا ہے جبکہ وہ خیر،فاضل اور راستگوہیں اوراسی کے ساتھ ساتھ وہ ضعیف الحدیث بھی ہیں ۔اس بیان سے واضح طورپر معلوم ہوتا ہے کہ جومذمتیں اس کے بارے میں ہوئی ہیں وہ اس کی احادیث کے جہت سے ہے اورجیسا کہ عجلی نے اس کے بارے میں کہا ہے،۔اس کے شیعہ ہونے کی وجہ سے ہیں۔

حدیث کا ایک اورراوی "اعمش ")سلیمان بن مہران) ہے کہ اس کے موثق ہونے کے بارے میں رجال کی کتابوں میں کافی ذکرآیا ہے،من جملہ یہ کہ وہ راستگوئی میں مصحف کے مانند ہے)تہذیب التہذیب،ج۴،ص۱۹۶،دارالفکر)

حدیث کا ایک اورراوی "عطیہ بن سعد عرفی "ہے کہ اس کے بارے میں "لا و انت علی خير "کی تعبیر کی تحقیق کے سلسلہ میں بیان کی گئی ۔

۔۔۔ابی سعید خدری سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: یہ آیت پنجتن پاک (علیہم السلام) کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جس سے مراد ہیں، علی، حسن، حسین اور فاطمہ) علیہم السلام) ہیں۔

دوسری احادیث میں بھی ابو سعید خدری سے ہی روایت ہے اس نے اس آیت کے نزول کو پنجتن پاک علیہم السلام سے مربوط جانا ہے۔ جیسے یہ حدیث:

"عن أبی سعید قال: نزلت الآیة فی خمسة نفر - و سمّاهم - (إنّما یرید الله لیذهب عنکم الرجس أهل البیت و یطهّرکم تطهیراً) فی رسول الله و علیّ و فاطمة و الحسن و الحسین علیهم السلام"[1]

ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ اس نے کہا: آیہء ا (ِنّمایرید الله) پانچ افراد کے بارے میں نازل ہوئی ہے: رسول اللہ (ص) علی وفاطمہ، حسن وحسین (علیہم السلام) "

ابو سعید خدری سے اور ایک روایت ہے کہ)عطیہ نے) کہا: میں نے اس سے سوال کیا: اہل بیت کون ہیں؟) ابو سعید نے جواب میں) کہا: اس سے مراد پیغمبر (ص)، علی وفاطمہ، حسن وحسین (علیہم السلام) ہیں۔[2]

اس سلسلہ کی بعض احادیث ام سلمہ سے روایت ہوئی ہیں کہ آیہء شریفہ پنجتن پاک کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جیسے مندرجہ ذیل حدیث:

" عن أم سلمة قالت: نزلت هذه الآیة فی رسول الله ّّٰ ﷺ و علیّ و فاطمة و حسن و حسین - علیهم السلام-: (إنّما یرید الله لیذهب عنکم الرجس أهل البیت ویطهّرکم تطهیراً) [3]

۱۔تاریخ مدینۃ دمشق، ج۱۳، ص۲۰۶، دار الفکر

۲۔تاریخ مدینۃ دمشق، ج۱۳، ص۲۰۷، دار الفکر ۳۔تاریخ مدینۃ دمشق، ج۱، ص۳۳۲

"ام سلمہ سے روایت ہے کہ اس نے کہا: یہ آیت) آیہء تطہیر) پیغمبر خدا ﷺ علی و فاطمہ، حسن و حسین) علیھم السلام) کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔"

آیہء تطہیر اوراس سے مربوط احادیث کے بارے میں دونکتے

اس سلسلہ میں مزید دواہم نکتے قابل ذکر ہیں:

١۔ اب تک جوکچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے یہ مطلب واضح ہوجاتا ہے کہ لفظ "اہل بیت"میں "بیت" سے مراد رہائشی بیت) گھر) نہیں ہے۔ کیونکہ بعض افراد جیسے: ابی الحمراء، واثلہ، ام ایمن اورفضہ اس گھر میں ساکن تھے، لیکن ان میں سے کوئی بھی "اہل بیت"کی فہرست میں شامل نہیں ہے۔

نیزاس کے علاوہ "بیت" سے مراد نَسَب بھی نہیں ہے۔ کیونکہ پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کےچچا عباس اوران کے فرزند،جن میں بعض نَسَب کے لحاظ سے علی علیہ السلام کی نسبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب تھے وہ بھی اہل بیت میں شامل نہیں ہیں) البتہ عباس کے بارے میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ سوالات کے باب میں اس پر بحث کریں گے)۔

بلکہ اس بیت) گھر) سے مرادنبوت کا "بیت" ہے۔ کہ جس میں صرف "پنجتن آل عبا داخل" ہیں اور وہ اس بیت) گھر) کے اہل اورمحرم اسرارہیں۔ اس سلسلہ میں آیہء شریفہ (فی بیوت اذن اللہ أن ترفع ویذکرفیھااسمہ)[1] نور خدا ان گھروں میں ہے جن کے بارے میں خداکی طرف سے اجازت ہے کہ ان کی بلندی کا اعتراف کیا جائے اوران میں خداکانام لیا جائے) کے ذیل میں بیان کی گئی سیوطی[2] کی درجہ ذیل حدیث قابل توجہ ہے:

" أخرج ابن مردویہ عن أنس بن مالک و بریدہ قال: قرأ رسول اللہ ھذہ الآیة (: فی بیوت أذن اللہ أن ترفع) فقام إلیہ رجل

١۔ سورۂ نور/٣٦

٢۔ الدرالمنثور،ج ۶،ص٢٠٢،دارالفکر

فقال قال: أيّ بيوتٍ هذه يا رسول الله؟ قال: بيوت الآنبياء فقام إليه أبوبكر فقال: يا رسول الله هذا البيت منها؟ البيت علی وفاطمة؟ قال: نعم من أفا ضلها۔"

"ابن مردویہ نے انس بن مالک اوربریدہ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر ﷺ نے اس آیت: فی بیوت أذن اللہ ۔۔۔کی قرات فرمائی۔ایک شخص نے اٹھ کرسوال کیا:یہ جوبیوت)گھر(اس آیت میں ذکر ہوئے ہیں ان سے مراد کونسے گھر ہیں؟پیغمبر اکرم ﷺ نے جواب میں فرمایا:انبیاء)علیہما السلام(کے گھر ہیں ۔ابوبکر اٹھے اور کہا:یارسول اللہ!کیا ان میں علی و فاطمہ)علیہا السلام(کا گھر بھی شامل ہے؟آنحضرت (ص)نے فرمایا:جی ہاںوہ ان سے برتر ہے۔"

۲۔ان احادیث پر غورو خوض کرنے سے واضح ہوجاتا ہے کہ ان میں ایک حصر کا استعمال کیا گیاہے اور وہ حصر، حصر اضافی کی ایک قسم ہے۔یہ حصر پیغمبر اکرم (ص)کی بیویوں اورآپکے دوسرے رشتہ داروں)جیسے عباس اوران کے فرزندوں(کے مقابلہ میں ہے یہ حصران احادیث کے منافی نہیں ہے،جن میں اہل بیت سے مرادچودہ معصومین علیہم السلام یعنی پیغمبر، علی وفاطمہ، حسن وحسین اوراوردوسرے نوائمہ معصومین)علیہم السلام(کو لیا گیا ہے ۔اول خودآیہء تطہیر کی دلیل سے کہ اس میں صرف (لیذهب عنكم الرجس ويطهركم) ۔۔۔پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے بلکہ موضوع کا عنوان"اہل بیت "قراردیاگیا ہے۔ حدیث کساء میں صرف پنجتن پاک کا زیرکساء آنااورپیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسط سے ان کے لئے دعا کیا جانا اس بناپر تھا کہ اس وقت اس محترم خاندان سے صرف یہی پانچ افراد موجود تھے ورنہ شیعوں کے تمام ائمہ معصومین علیہم السلام، من جملہ حضرت مہدی علیہ السلام "اہل بیت " کے مصداق ہیں۔

چوتھے امام حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے ایک حدیث میں اپنے آپ کو "اہل بیت "کا مصداق جانتے ہوئے آیہء تطہیر سے استناد کیا ہے۔[1]نیز شیعہ واہل سنت سے حضرت مہدی) عج) کے بارے میں نقل کی گئی بہت سی احادیث کے ذریعہ ان کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت میں شمار کیا گیا ہے۔[2]

حدیث ثقلین)جس کے معتبر ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے نیز متواتر ہے)میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید اوراپنے اہل بیت کے بارے میں فرمایا ہے:

"۔۔۔فانّھا لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض[3]"

"یہ دو)قرآن مجیداوراہل بیت) ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک حوض کوثر پر مجھ سے ملیں گے۔"

اس بیان سے استفادہ ہوتا ہے قرآن مجید اور اہل بیت کے درمیان لازم وملزم ہونے کا رابطہ قیامت تک کے لئے قائم ہے اور یہ جملہ اہل بیت کی عصمت پردلالت کرتا ہے اور اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ ہرزمانے میں اہل بیت طاہرین میں سے کم ازکم ایک شخص ایسا موجود ہوگا کہ جو اقتداء اور پیروی کے لئے شائستہ وسزاوار ہو۔

اہل سنت کے علماء میں بھی بعض ایسے افراد ہیں کہ جنہوں نے حدیث ثقلین سے استدلال کرتے ہوئے اس مطلب کی تائید کی ہے کہ ہرزمانہ میں اہل بیت معصومین (ع)میں سے کوئی نہ کوئی ضرور موجود ہوگا۔[4]

جن احادیث میں اہل بیت کی تفسیرچودہ معصومین(ع) سے کی گئی ہے، ان میں سے ہم

۱۔تفسیر ابن کثیر،ج۳،ص۴۹۳

۲۔کتاب منتخب الاثرکی طرف رجوع کیا جائے۔

۳۔حدیث کے مختلف طریقوں سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے "کتاب اللہ واہل البیت فی حدیث الثقلین"کی طرف رجوع کیا جائے۔

۴۔جواھر العقدین، سمھودی،ص۲۴۴،دارالکتب العلمیہ البیروت۔"الصواعق المحرقۃ" فصل "اہل بیت حدیث ثقلین میں "ابن حجر۔

ایک ایسی حدیث کو نمونہ کے طور پر پیش کررہے ہیں، جس کو شیعہ ۱ اور سنی دونوں نے نقل کیا ہے:

ابراھیم بن محمد جوینی نے "فرائد السمطین ۲" میں ایک مفصل روایت درج کی ہے۔چونکہ یہ حدیث امامت سے مربوط آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں دوسری کتابوں میں درج کی گئی ہے، اس لئے ہم یہاں پر اس سے صرف آیہء تطہیر سے مربوط چند جملوں کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

اس حدیث میں حضرت علی علیہ السلام مہاجر وانصار کے بزرگوں کے ایک گروہ کے سامنے اپنے فضائل بیان کرتے ہوئے اپنے اوراپنے اہل بیت کے بارے میں نازل ہوئی قرآن مجید کی چندآیتوں کی طرف اشارہ فرماتے ہیں، من جملہ آیہء تطہیرکی طرف کہ اس کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام نےیوں فرمایا:

"أیّهاالنّاس أتعلمون أنّ الله أنزل فی کتابه: (إنّما یرید الله لیذهب عنکم الرجس أهل البیت و یطهّرکم تطهیراً) فجمعنی و فاطمة و ابنییّ الحسن و الحسین ثمّ ألقی علینا کساءً و قال: اللّهمّ هؤلاء أهل بیتی و لحمی یؤلمنی ما یؤلمهم، و یؤذینی ما یؤذیهم، و یحرجنی ما یحرجهم، فأذهب عنهم الرجس و طهّرهم تطهیراً۔

فقالت أُمّ سلمة: و أنا یا رسول الله؟ فقال: أنت إلی خیر إنّما أُنزلت فی)و فی ابنتی) و فی أخی علیّ بن أبی طالب و فی ابنیَّ و

۱۔کمال الدین صدوق، ص۲۷۴

۲۔مؤلف اور کتاب کے اعتبار کے بارے میں تفسیر آیہء "اولوالامر" کا آخر ملاحظ ہو۔

فی تسعة من ولد ابنی الحسین خاصّة لیس معنا فیها لأحد شرک

فقالوا کلّهم: نشهد أنّ أمّ سلمة حدّثتنا بذلک فسألنا رسول الله فحدّثنا کما حدّثتنا أمّ سلمة[1]''

"اے لوگو!کیا تم جانتے ہو کہ جب خدا وند متعال نے اپنی کتاب سے آیہء: (إنّما یرید الله) ۔۔۔۔ کو نازل فرمایا پیغمبر اکرم (ص) نے مجھے،فاطمہ اورمیرے بیٹے حسن وحسین)علیہم السلام)کو جمع کیا اور ہم پر ایک کپڑے کا سایہ کیا اورفرمایا:خداوندا! یہ میرے اہل بیت ہیں۔جس نے انھیں ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا اورجس نے انھیں اذیت پہنچائی اس نے مجھے اذیت پہنچائی ہے جس نے ان پر سختی کی اس نے گویا مجھ پر سختی کی ۔)خداوندا!)ان سے رجس کو دور رکھ اورانھیں خاص طورپرپاک وپاکیزہ قرار دے۔

ام سلمہ نے کہا:یارسول اللہ!میں بھی؟)رسول خدا (ص)نے)فرمایا:تم خیر ونیکی پرہو، لیکن یہ آیت صرف میرے اورمیری بیٹی)فاطمہ زہرا)میرے بھائی علی بن ابیطالب(علیہ السلام) اور میرے فرزند) حسن و حسین علیہما السلام) اور حسین (علیہ السلام)کی ذریت سے نوائمہ معصومین کے بارے میں نازل ہوئی ہے اورکوئی دوسرااس آیت میں ہمارے ساتھ شریک نہیں ہے ۔اس جلسہ میں موجود تمام حضار نے کہا:ہم شہادت دیتے ہیں کہ ام سلمہ نے ہمارے سامنے ایسی حدیث بیان کی ہے اورہم نے خود پیغمبر ﷺ سے بھی پوچھا توانھوں نے بھی ام سلمہ کے مانند بیان فرمایا۔"

۱۔فرائد السمطین،ج۱،ص۳۱۶،موسۃالمحمودی للطباعۃوالنشر،بیروت

آیہء تطہیر کے بارے میں چند سوالات اور ان کے جوابات

اس بحث کے اختتام پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ آیہء تطہیر کے بارے میں کئے گئے چند سوالات کے جوابات پیش کریں:

پہلا سوال

گزشتہ مطالب سے جب یہ معلوم ہوگیا کہ اس آیہء کریمہ میں ارادہ سے مراد ارادہ تکوینی ہے۔ اگر ارادہ تکوینی ہوگا تو یہ دلالت کرے گا کہ اہل بیت کی معنوی طہارت قطعی اورناقابل تغیر ہے۔کیا اس مطلب کو قبول کرنے کی صورت میں جبر کا قول صادق نہیں آتا ہے؟

جواب

خدا وند متعال کا ارادہ تکوینی اس صورت میں جبر کا سبب بنے گا جب اھل بیت کا ارادہ و اختیار ان کے عمل انجام دینے میں واسطہ نہ ہو لیکن اگر خداوند متعال کا ارادہ تکوینی اس سے متعلق ہو کہ اہل بیت اپنی بصیرت آگاہی نیز اختیار سے گناہ اور معصیت سے دور ہیں،تو ارادہ کا تعلق اس کیفیت سے نہ صرف جبر نہیں ہوگا بلکہ مزید اختیار پر دلالت کرے گا اورجبر کے منافی ہوگا، کیونکہ اس فرض کے مطابق خدا وند متعال کے ارادہ کا تعلق اس طرح نہیں ہے کہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں، اپنے وظیفہ انجام دیں گے، بلکہ خدا وند متعال کے ارادہ کا تعلق ان کی طرف سے اطاعت کی انجام دہی اور معصیت سے اجتناب ان کے اختیار میں ہے اور ارادہ و اختیار کا پایا جانا ہی خلاف جبر ہے۔

اس کی مزید وضاحت یوں ہے کہ: عصمت در حقیقت معصوم شخص میں پائی جانے والی وہ بصیرت اور وہ وسیع و عمیق علم ہے، جس کے ذریعہ وہ کبھی اطاعت الہیٰ سے منحرف ہو کر معصیت و گناہ کی طرف تمائل پیدا نہیں کرتا ہے اور اس بصیرت اور علم کی وجہ سے اس کے لئے گناہوں کی برائیاں اور نقصانات اس قدر واضح اور عیاں ہو جاتے ہیں کہ اس کے بعد اس کے لئے محال ہے کہ وہ گناہ کا مرتکب ہو جائے۔

مثال کے طور پرجب کوئی ادنی شخص یہ دیکھتا ہے کہ وہ پانی گندا اور بدبو دار ہے، تو محال ہے وہ اسے اپنے اختیار سے پی لے بلکہ اس کی بصیرت و آگاہی اسے اس پانی کے پینے سے روک دے گی۔

دوسرا سوال

آیہء شریفہ میں آیا ہے: (انّما یریدا للهلیذهب عنکم الرّجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا) " اذهاب " کے معنی لے جانا ہے اور اسی طرح "تطہیر" کے معنی پاک کرنا ہے اور یہ اس جگہ پر استعمال ہوتا ہے جہاں پر پہلے سے رجس وکثافت موجود ہو اور انھیں پاک کیا جائے ۔ اسی صورت میں "اذهابکا اطلاق، رجس کو دور کرنا اور تطہیر" کا اطلاق "پاک کرنا"حقیقت میں صادق آسکتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل بیت پہلے گناہوں سے آلودہ تھے لہذا اس آلودگی کو ان سے دور کیا گیا ہے اور انھیں اس آلودگی سے پاکیزہ قرار دیا گیا ہے۔

جواب

جملہء (لیذهب عنکم الرجس) میں لفظ "اذهاب ''لفظ "عن" سے متعدی ہوا ہے۔ اس کا معنی اہل بیت سے پلیدی اور رجس کو دور رکھنا ہے اور یہ ارادہ پہلے سے موجود تھا اور اسی طرح جاری ہے،نہ یہ کہ اس کے برعکس حال و کیفیت اہل بیت میں موجود تھی اور خداوند متعال نے ان سے اس حال و کیفیت)برائی) کو دور کیا ہے۔ اسی طرح اس سلسلہ میں تطہیر کا معنی کسی ناپاک چیز کو پاک کرنے کے معنی میں نہیں ہے بلکہ اہل بیت کے بارے میں اس کا مقصد ان کی خلقت ہی سے ہی انھیں پاک رکھنا ہے۔ اس آیہء کریمہ کے مانند (ولهم فیهاازواج مطهرة) [1] "اور ان کے لئے وہاں)بہشت میں) ایسی بیویاں ہیں جو پاک کی ہوئی ہوں گی"

"اذهاب "اور"تطهیر" کے مذکورہ معنی کا یقینی ہونا اس طرح ہے کہ اہل بیت کی نسبت خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف یقینی ہے اوریہ بھی معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابتداء ہی سے معصوم تھے نہ یہ کہ آیہ تطہیر کے نازل ہونے کے بعد معصوم ہوئے ہیں۔جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں مطلب اس طرح ہے اور لفظ "اذهاب" و "تطهیر" آپ میں سابقہ پلیدی اور نجاست کے موجود ہونے کا معنی نہیں ہے، اہل بیت کے دوسرے افراد کے بارے میں بھی قطعی طورپر اسی طرح ہونا چاہئے۔ ورنہ "اذهاب" و "تطهیر" کے استعمال کا لازمہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خاندان کے بارے میں مختلف معنی میں ہوگا۔

تیسرا سوال

اس آیہء شریفہ میں کوئی ایسی دلالت نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ طہارت ، اہل بیت میں)آیہء تطہیر کے نازل ہونے سے پہلے) موجود تھی بلکہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ خدا وند متعال اس موضوع کا ارادہ کرے گا کیونکہ "یرید" فعل مضارع ہے اور مستقبل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

۱۔بقرہ/۲۵

جواب

اول یہ کہ:کلمہ "یرید" جو خداوند متعال کا فعل ہے، وہ مستقبل پردلالت نہیں کرتا ہے اور دوسری آیات میں اس طرح کے کا استعمالات اس مطلب کو واضح کرتے ہیں کہ جیسے کہ یہ آیات: (يريدالله ليبين لكم ويهديكم سنن الّذين من قبلكم) [1]اور (والله يريد أن يتوب عليكم) [2]

اس وصف کے پیش نظر آیت کے معنی یہ نہیں ہے کہ خداوند متعال ارادہ کرے گا، بلکہ یہ معنی ہے کہ خداوند متعال بدستور ارادہ رکھتا ہے اور ارادہ الہیٰ مسلسل جاری ہے۔

دوسرے یہ کہ اس ارادہ کا پیغمبر اکرم (ص) سے مربوط ہونا اس معنی کی تاکید ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایسا نہیں تھا کہ پہلے تطہیر کا ارادہ نہیں تھا اور بعد میں حاصل ہوا ہے۔ بلکہ آنحضرت ﷺ پہلے سے اس خصوصی طہارت کے حامل تھے اور معلوم ہے کہ آنحضرت (ص) کے بارے میں "یرید" کا استعمال ایک طرح اور آپ کے اھل بیت کے لئے دوسری طرح نہیں ہوسکتا ہے۔

چوتھا سوال

احتمال ہے کہ " لیذھب" میں "لام" لام علت ہو اور "یرید" کے مفعول سے مراد کچھ فرائض ہوں جو خاندان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مربوط ہوں۔ اس حالت میں ارادہ تشریعی اور آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ خداوند متعال نے آپ اہل بیت سے مربوط خصوصی تکالیف اور فرائض کے پیش نظر یہ ارادہ کیا ہے تاکہ برائی اور آلودگی کو آپ سے دور کرے اور آپ کو پاک و پاکیزہ قرار دے، اس صورت میں آیت اہل بیت کی عصمت پر دلالت نہیں کرے گی۔

۱۔ سورہ نساء /۲۶

۲۔ سورہ نساء /۲۷

جواب

پہلے یہ کہ: "یرید" کے مفعول کا محذوف اور پوشدہ ہونا خلاف اصل ہے اور اصل عدم پوشیدہ ہونا ہے۔ صرف دلیل اور قرینہ کے موجود ہونے کی صورت میں اس اصل کے خلاف ہونا ممکن ہے اور اس آیت میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ : "لےذھب" کے لام کے بارے میں چند احتمالات ہیں ان میں سے بعض کی بنا پر ارادہ کا تکونےی ہونا اور بعض کی بنا پر ارادہ کا تشریعی ہونا ممکن ہے لیکن وہ احتمال کہ جو آیت میں متعین ہے وہ ارادہ تکوینی سے ساز گار ہے۔ اس کی دلیل وہ اسباب ہیں جو ارادہ تکوینی کے اسبات کے سلسلہ میں پیش کئے گئے ہیں من جملہ یہ کہ ارادہ تشریعی کا لازمہ یہ ہے اس سے اہل بیت کی کوئی فضیلت ثابت نہیں ہوتی، جبکہ آیہ ء کریمہ نے اہل بیت کی عظیم اور گراں بہا فضیلت بیان کی ہے جیسا مذکورہ احادیث اس کی دلیل ہیں۔

اس بنا پر آیہ شریفہ میں لام سے مراد" لام تعدیہ " اور مابعدلام "یرید"کا مفعول ہے۔ چنانچہ ہم قرآن مجید کی دوسری آیات میں بھی مشاہدہ کرتے ہیں کہ "یرید" کبھی لام کے ذریعہ اور کبھی لام کے بغیر مفعول کے لئے متعدی ہوتا ہے ۔ قرآن مجید میں اس قسم کے متعدد مثالیں پائی جاتی ہیں۔ ہم یہاں پر ان میں سے دو آیتوں کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں :

۱۔ (فلا تعجبک أموالھم ولااولادھم،إنّمایریداللهلیعذبھم بھافی الحیوةالدّنیا) ۔۔۔[1] اورآیہ (ولا تعجبک اموالھم إنّمایریداللهأن یعذّبھم بھا فی الدّنیا) [2]۔ اس سورہ مبارکہ میں ایک مضمون کے باوجود "یرید" ایک آیت میں " ان یعذبھم " سے بلا واسطہ اور دوسری آیت میں لام کے ذریعہ متعدی ہوا ہے۔

۱۔ سورہء توبہ/۵۵ ۲۔ سورہ توبہ/۸۵

۲۔ (يريد ون أن يطفئوانوراللهبأفواههم ويأبی اللهإلّا أن يتم نوره ولوكره الكافرون) [1]اورآیہء (يريد ون ليطفئوانورالله بافواههم واللهمتم نوره ولوكره الكافرون) [2]ایک آیت میں "یریدون"، "ان سے طفئو" پربلا واسطہ اوردوسری آیت میں لام کے واسطہ سے متعدی ہوا ہے۔

پانچواں سوال

آیہ شریفہ میں "اھل البیت" سے مراد فقط پنجتن نہیں ہیں بلکہ اس میں پیغمبر)صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دوسرے رشتہ دار بھی شامل ہیں۔ کیونکہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا عباس اور ان کے فرزندوں کو بھی ایک کپڑے کے نیچے جمع کیا اور فرمایا: "ھو لاء اھل بیتی" اور ان کے بارے میں دعا کی۔

جواب

اہل بیت کی تعداد کو پنجتن پاک یا چودہ معصومین علیھم السلام میں منحصر کرنے کے حوالے سے اس قدر احادیث وروایات مو جودہیں کہ اس کے سامنے مذکورہ حدیث کا کوئی اعتبار نہیں رہ جاتاہے۔

اس کے علاوہ وہ حدیث سند کے لحاظ سے بھی معتبر نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں "محمدبن یونسی" ہے کہ جس کے بارے میں ابن حجر نے ابن حبان سے نقل کیا ہے کہ وہ حدیث جعل کرتا تھا۔ شائد اس نے ایک ہزار سے زیادہ جھوٹی حدیثیں جعل کی ہیں۔ ابن عدی نے اس
پر حدیث گھڑنے کا الزام لگایا ہے۔[3]

۱۔ سورہ توبہ/۳۲

۲۔ سورہ صف/۸

۳۔ تہذیب،ج،ص۵۴۲،طبع ھندوستان

اس کے علاوہ حدیث کی سند میں " مالک بن حمزہ" ہے کہ بخاری نے اپنی کتاب " ضعفا" میں اسے ضعیف راویوں کے زمرہ میں درج کیا ہے۔ [1]

اس کے علاوہ اس کی سند میں " عبداللہ بن عثمان بن اسحاق" ہے کہ جس کے بارے میں ابن حجر نے عثمان کا قول نقل کیا ہے اور کہا ہے: میں نے ابن معین سے کہا: یہ راوی کیسا ہے؟ اس نے کہا: میں اسے نہیں پہچانتا ہوں اور ابن عدمی نے کہا: وہ مجہول اور غیر معروف ہے۔

اس صورت حال کے پیش نظر یہ حدیث کسی صورت میں مذکورہ احادیث کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتی ہے۔

چھٹا سوال

ام سلمہ جب پیغمبر اکرم ﷺ سے سوال کرتی ہیں کہ: کیا میں بھی آپ کے اہل بیت میں شامل ہوں؟ تو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: " انت الیٰ خیر" یا " انت علیٰ خیر" اس کے معنی یہ ہیں کہ تمھیں اس کی ضرورت نہیں ہے کہ تمھارے لئے دعا کروں، کیونکہ تمھارے لئے پہلے ہی سے قرآن مجید میں آیت نازل ہوچکی ہیں اور جملہ " انت علی خیر" کے معنی یہ ہیں کہ تمھاری حالت بہتر ہے۔ یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ام سلمہ اہلبیت میں داخل نہیں ہیں۔

جواب

سیاق آیت کے بارے میں کی گئی بحث سے نتیجہ حاصل کیا جاسکتا ہے کہ آیہ ء تطہیر کا سیاق اس سے پہلی والی آیتوں کے ساتھ یکساں نہیں ہے اور پیغمبر ﷺ کی بیویاں اہل بیت میں داخل نہیں ہیں۔

۱۔ میزان الاعتدال، ج۲، ص۳۲۵، دار المعرفہ، بیروت

جملہء "علی خیر" یا "الیٰ خیر" اس قسم کے موارد میں افضل تفضیل کے معنی میں نہیں ہے اور اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کی بیویاں پنجتن پاک) علیہم السلام) سے افضل وبہتر ہوں۔ اس کے علاوہ خود ان احادیث میں اس مطلب کے بارے میں بہت سے قرآئن موجود ہیں، من جملہ ام سلمہ آرزو کرتی ہیں کہ کاش انھیں بھی اجازت ملتی تاکہ اہل بیت کے زمرہ میں داخل ہوجاتیں اور یہ اس کے لئے ان تمام چیزوں سے بہتر تھا جن پر سورج طلوع و غروب کرتا ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی بیویوں سے مربوط قرآن مجید کی آیتوں، من جملہ آیہ ء تطہیر سے پہلی والی آیتوں اور سورۂ تحریم کی آیتوں کی شان نزول پر غور کرنے سے مذکورہ مطلب کی مکمل طورپر وضاحت ہوجاتی ہے۔ نمونہ کے طورپر سورہ تحریم کی درج ذیل آیتیں بیشتر تامل کی سزاوار ہیں۔

(إن تتو با إلى الله فقد صغت قلو بكما) [1] (عسى ربه إن طلقكنّ أن يبد له أزواجاً خيراً منكنّ مسلمات مئومنات قانتات تائبات عبادات سائحات ثيبات وأ بكاراً) [2] (ضرب الله مثلاً للّذين كفرواامرأة نوح و امرأة لوط كانتا تحت عبدين من عبادنا صالحين فخانتا هما فلم يغنيا عنهما من الله شيئاً و قيل اد خلا النار مع الداخلين) [3]

ساتواں سوال

احادیث میں آیا ہے کہ پیغمبر خدا (ص) نے آیہ تطہیر کے نازل ہونے کے بعد اپنے خاندان کے حق میں یہ دعا کی: " (اللّهم أ ذهب عنهم الرّجس و طهّرهم تطهّيرا) " "خداوندا: ان سے رجس وپلیدی کو دور کر اور انھیں خاص طور سے پاک و پاکیزہ قرار

۱۔ سورہ تحرم/۴

۲۔ سورہ تحریم/۵

۳۔ سورہ تحریم/۱۰

دے "آیہ کریمہ سے عصمت کا استفادہ کرنے کی صورت میں اس طرح کی دعا منافات رکھتی ہے، کیونکہ آیہ کریمہ عصمت پر دلالت کرتی ہے اور عصمت کے حاصل ہونے کے بعد ان کے لئے اس طرح دعا کرنا تحصیل حاصل اور بے معنی ہے۔

جواب

اول یہ کہ: یہ دعا بذات خود اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ان کے لئے اس طہارت کے بارے میں خداوند متعال کا ارادہ ارادہ تکوینی تھا نہ تشریعی ۔ کیونکہ " اذھاب رجس " اور "تطہیر " کا خدا سے جو مطالبہ کیا گیا ہے وہ قطعاً ایک تشریعی امر نہیں ہے اور آنحضرت ﷺ کی دعا یقینا مستجاب ہے۔ اس لئے مذکورہ دعا آیہء تطہیر کے مضمون پر تاکید ہے۔

دوسرے یہ کہ عصمت ایک فیض اور لطف الہیٰ ہے جو خداوند متعال کی طرف سے ان مقدس شخصیات کو ان کی زندگی کے ہر ہر لمحہ عطا ہوتی رہتی ہے کیونکہ وہ بھی دوسری مخلوقات کے مانند ہر لمحہ خدا کے محتاج ہیں اور ایسا نہیں ہے کہ ایک لمحہ کی نعمت اور فیض الہیٰ انھیں دوسرے لمحہ کے فیض و عطیہ الہیٰ سے بے نیاز کردے۔

یہ اس کے مانند ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ جملہ " (إهد نا الصراط المستقيم) "کو ہمیشہ تلاوت فرماتے تھے اور اس ہدآیت کو خداوندمتعال سے طلب کرتے رہتے تھے ،باوجود اس کے کہ وہ اس ہدآیت کے اعلیٰ ترین درجہ پر فائز تھے اور یہ تحصیل حاصل نہیں ہے بلکہ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ بندہ چاہے جس مقام پر بھی فائز ہو وہ ذاتی طور پر خدا کا محتاج ہوتا ہے اور اس احتیاج کا اظہار کرنا اور خداوندمتعال سے دوسرے لمحات میں نعمت و الطاف الہیٰ کی درخواست کرنا بندہ کے لئے بذات خود ایک کمال ہے۔

اس بات کا علم کہ خدا وند متعال مستقبل میں اس نعمت کو عطا کرے گا ، دعا کے لئے مانع نہیں بن سکتا ہے، کیونکہ خدا وندمتعال "اولوا الباب" کی دعا کو بیان کرتا ہے کہ وہ کہتے ہیں : (ربّنا وآتنا ما و عدتنا علی رسلک و لا تخذنا یوم القیامة إنّک ولا تخلف المیعاد) [1] "پروردگار جو تو نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہم سے وعدہ کیا ہے اسے ہمیں عطا کر اور روز قیامت ہمیں رسوانہ کر کیونکہ تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا " ہم دیکھتے ہیں اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ خدا وند متعال وعدہ خلافی نہیں کرتا اور مو منین کو دیا گیا وعدہ حتماً پور کرے گا ، پھر بھی اس سے اس طرح دعا کرتے ہیں۔

پیغمبر اکرم ﷺ کی اہل بیت کے حق میں دعا بھی اسی طرح ہے کہ طہارت اور عصمت الہیٰ اگر چہ انھیں حاصل تھی اور آئندہ بھی یہ نعمت ان کے شامل حال رہتی، لیکن یہ دعا اس کی طرف توجہ مبذول کرانے کے لئے ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ اہل بیت (ع) اس عظمت و منزلت پر فائزہیں لیکن ہمیشہ اپنے کو خدا کا محتاج تصور کرتے ہیں اور یہ خدا وندمتعال ہے کہ جو ہر لمحہ عظیم اور گرانقدر نعمت انھیں عطا کرتا ہے۔

اس لئے آنحضرت ﷺ کی دعا خواہ آیہ ءتطہیر نازل ہونے سے پہلے ہو یا اس کے بعد ، ان کی عصمت کے منافی نہیں ہے ۔

آٹھواں سوال

انبیاء علیہم السلام کی عصمت وحی کے تحفظ کے لئے ہے، انبیاء کے علاوہ کیا ضرورت ہے کہ ہم کسی کی عصمت کے قائل ہو ں؟

۱۔ ۷۱ سورہ آل عمران/۱۹۴

جواب

اول یہ کہ: ش یعہ عقیدہ کے مطابق مسئلہ امامت، نبوت ہی کا ایک سلسلہ ہے اور یہ عہدہ نبوت کے ہم پلہ بلکہ اس سے بالاتر ہے۔[1] امام، مسئلہ وحی کے علاوہ بالکل وہی کردار ادا کرتا ہے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادا کرتے تھے۔

اس لحاظ سے ش یعہ امامیہ کے نزدیک امام میں عصمت کا ہونا عقلی او ر نقلی دلیلوں کی بنیاد پر شرط ہے۔

دوسرے یہ کہ: عصمت کے لئے ملزم عقلی کا نہ ہونا اس کے عدم وجود کی دلیل نہیں بن سکتی ہے۔ اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ: نبی اور امام کے لئے، عقل لزوم عصمت کا حکم کرتی ہے اور ان کے علاوہ کسی اور کے لئے یہ حکم ثابت نہیں ہے۔ عصمت خدا کی ایک خاص نعمت ہے، خدا وندمتعال جسے چاہتا ہے اسے عطا کرتا ہے۔ انبیاء اور ائمہ کی عصمت کے وجودپربرھان عقلی قائم ہے اور ان کے علاوہ اگر کسی کے لئے قرآن وسنت کی دلیل عصمت کو ثابت کرے تو اس پر یقین کرنا چاہئے اور آیہء تطہیر پیغمبر اسلام (ص)، ائمہ علیہم السلام اور حضرت زہراء سلام اللہ علیہا کی عصمت کی دلیل ہے۔

نواں سوال

حدیث ثقلین کے بارے میں صحیح[2] مسلم کی روآیت کے مطابق پیغمبر ﷺ کے صحابی زید بن ارقم نے پیغمبر اکرم (ص) سے روآیت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "أنا تارک فیکم الثقلین: کتاب اللہ و اھل بیتی "زیدبن ارقم سے سوال ہوتا ہے: آنحضرت (ص)

۱۔ اس سلسلہ میں مصنف کی کتابچہ " امامت، حدیث غدیر، ثقلین اور منزلت کی روشنی میں" کی طرف رجوع کیا جائے

۲۔ صیحع مسلم، کتاب فضائل، باب فضائل علی بن ابطالب-

کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا عورتیں) ازواج پیغمبر) بھی آنحضرت ﷺ کے اہل بیت میں شامل ہیں؟جواب دیتے ہیں کہ: نہیں، سوال کرتے ہیں: پس آنحضرت کے اہل بیت کون ہیں؟جواب میں کہتے ہیں: آنحضرت ﷺ کے اہل بیت وہ لوگ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ وہ علی، عباس، جعفر اور عقیل کی اولاد ہیں۔ اس بات کے پیش نظر اہل بیت کو کیسے پنجتن یا چودہ معصومین(ع) میں محدود کیا جا سکتا ہے؟

جواب

اول یہ کہ: یہ حدیث پیغمبر ﷺ کی بیویوں کو اہل بیت علیہم السلام کی فہرست سے خارج کرتی ہے۔

دوسرے یہ کہ: یہ حدیث بہت سے طرق سے نقل ہونے کے باوجود یزید بن حیان پر اس حدیث کی سند کا سلسلہ منتہی ہوتا ہے اور یہ حدیث آیہ شریفہ اور دوسری بہت سی آحادیث کی دلالت سے مقابلہ کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے۔

تیسرے یہ کہ: بالفرض اگر اس کا صدور ثابت بھی ہو جائے تو بھی یہ ایک صحابی کا اجتہاد ہے اور یہ حجت نہیں بن سکتا۔

چوتھے یہ کہ: حدیث ثقلین بہت طریقوں سے زید بن ارقم سے نقل ہوئی ہے اور اس میں جملہء: "ماإن تمسكتم لن تضلّواا أبداً وإنّهمالن يفترقا حتّى يردا عليّ الحوض" موجود ہے جو اہل بیت کی رہبری اور ان کے قرآن مجید سے لازم و ملزوم ہونے کو بیان کرتا ہے جو زید بن ارقم کی مذکورہ تفسیر سے کسی بھی طرح سازگار نہیں ہے، کیونکہ مذکورہ تفسیر کی بنا پر خلفائے بنی عباس بھی اپنے تمام تر ظلم و جرائم کے مرتکب ہونے کے باوجود اہل بیت کے زمرے میں شامل ہوجائیں گے اور یہ حدیث ثقلین کے الفاظ کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔

دسواں سوال

بعض احادیث میں آیا ہے کہ جب ام سلمہ نے سوال کیا کہ : "کیا میں بھی اہل بیت میں داخل ہوں ؟" یا "مجھے بھی ان کے زمرہ میں شامل کرلیجئے "تو پیغمبر ﷺ نے جواب دیا: "ہاں انشاء اللہ "یایوں فرمایا: " انت من اھلی" اس لئے نہیں کہا جاسکتا ہے کہ : اہل بیت پنجتن پاک میں منحصرہیں؟

جواب

بیان کی گئی بہت سی حدیثوں سے کلمہ " اہل بیت "کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کے مطابق صرف پنجتن پاک کا ان میں شامل ہونا اوردوسروں کی اس میں عدم شمولیت ثابت ہوتی ہے ۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ سوال میں اشارہ کی گئی احادیث میں "اھل "یا "اہل بیت" سے مراد اس کے لغوی معنی ہوں گے جس میں آنحضرت ﷺ کی بیویاں بھی شامل ہیں۔

ہم سوال میں اشارہ کی گئی احادیث کے بارے میں اہل سنت کے فقہ و حدیث کے ایک امام، ابو جعفر طحاوی کے نظریہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں ۔ طحاوی ان افراد میں سے ہیں جو آیہء شریفہ تطہیر میں " اہل بیت "کو پنجتن پاک علیہم السلام سے مخصوص جانتے ہیں اور پیغمبر اکرم ﷺ کی ازواج کو اس آیہء شریفہ سے خارج جانتے ہیں ۔ انھوں نے اپنی کتاب "مشکل آلاثار"[1] میں ایک ایسی حدیث نقل کی ہے جو اس بات پردلالت کرتی ہے کہ ام سلمہ نے کہا:"مجھے ان)اہل بیت) کے ساتھ شامل کرلیجئے تو"پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: " انت من اھلی" "تم میرے اہل میں سے ہو" اس کے بعد طحاوی کہتے ہیں:

" فکان ذالک ممّا قد یجوز أن یکون إرادة أ نّھا من أھله، لأنّھا من

۱۔ مشکل الاثار، ج ۱، ص۳۳۳۔ ۳۳۲

أزواجه و ازواجه اهله"

ممکن ہے پیغمبر اکرم ﷺ کا مقصد یہ ہو کہ ام سلمہ آپ کی بیویوں میں سے ایک ہے اور آنحضرت ﷺ کی بیویاں آپ کے اہل ہیں۔

اس کے بعد طحاوی اس سلسلہ میں شاہد کے طور پر آٹھ حدیثیں نقل کرتے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ام سلمہ آیہء تطہیر میں " اہل بیت" میں سے نہیں ہیں۔وہ مزید لکھتے ہیں :

" فدلّ ماروينا فی هذه الآثار ممّا كان رسول الله (ص)إلى أمّ سلمة، ممّا ذكر نا فيهالم يردأنهاكانت ممّاأُريدبه ممّافی الآية المتلوة فی هذاالباب،وأن المراد بما فيهاهم رسول الله ﷺ و عليّ و فاطمة والحسن والحسين دون ماسواهم"[1]

یہ حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ ام سلمہ ان اہل بیت میں سے نہیں ہیں کہ جن کی طرف آیہء تطہیر اشارہ کرتی ہے ۔اورآیہء تطہیر میں موجود" اہل بیت " سے مراد صرف رسول خدا ﷺ ، علی وفاطمہ، حسن و حسین) علیہم السلام) ہیں۔

طحاوی کی نظر میں ایک اوراحتمال یہ ہے کہ "انت اهلی"کا مقصد یہ ہے کہ تم میرے دین کی پیروی کرنے کی وجہ سے میرے اہل میں شمار ہوتی ہو، کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کی داستان میں ان کا بیٹا ان کی اہل سے خارج ہے اور اس کے بارے میں کہا گیا : إنّه ليس من أهلک إنّه عمل غير صالح [2] اس سے استفادہ کیاجاسکتا ہے کہ جو صاحب)ایمان اور) عمل صالح ہوں وہ ان کے اہل ہیں۔

۱۔ مشکل الآثار، ج ۱،ص ۳۳۶

۲۔ سورئہ ہود/ ۴۶

طحاوی نے اس احتمال کو واثلہ کی حدیث بیان کرنے کے بعد پیش کیا ہے۔ واثلہ بھی ان صحابیوں میں سے ایک ہے، جس نے حدیث کساء کی روآیت کی ہے۔ وہ اپنی روآیت میں پنجتن پاک کے کساء کے نیچے جمع ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے اور پیغمبر خدا ﷺ کے بیان کو نقل کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا: "اَللّٰهم هولاء اهل بيتى واهل بيتى احق" اس کے بعد کہتا ہے: میں نے کہا: یا رسول اللہ کیا میں بھی آپ کے اہل بیت میں شامل ہوں ؟ فرمایا: "تم میرے اہل سے ہو"۔

طحاوی اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں:

"واثلہ کا ربط، ام سلمہ کی بہ نسبت پیغمبر اکرم ﷺ سے بہت دور کا ہے۔ کیونکہ واثلہ)پیغمبر خدا ﷺ کے گھر کا ایک خادم ہے)بنی لیث کا ایک شخص ہے اور قریش میں شمار نہیں ہوتا ہے اور ام سلمہ)پیغمبر ﷺ کی بیوی) قریش سے ہیں۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت (ص)واثلہ سے فرماتے ہیں : "تم میرے اہل میں سے ہو" لہذا اس کے یہ معنی ہیں کہ تم میرے دین کی پیروی کرنے کی خاطر اور مجھ سے ایمان رکھنے کے سبب ہم اھل بیت کے زمرہ میں داخل ہو۔

بیہقی نے بھی "السنن الکبریٰ "[1] میں واثلہ کی حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے:

"وكانّه جعل فى حكم الأهل، تشبيها بمن يسحق هذاالابسم لا تحقيقاً"

"گویا اس حدیث میں واثلہ کو تشبیہ کے لحاظ سے آنحضرت ﷺ کے اہل کے حکم میں قرار دیا گیا ہے نہ اس لئے کہ وہ حقیقی طور پر اہل بیت کا مصداق تھا۔"

اس لئے بہت سی حدیثیں کہ جو اہل بیت کے دائرہ کو منحصر کرنے کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

۱-السنن الکبریٰ، ج۲،ص۵۲،دارالمعرفۃ،بیروت

گیارہواں سوال

آیہء (إنّما یرید الله) اس آیت کے مانند ہے: (مایریدالله لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطهّرکم ولیتمّ نعمتة علیکم) [1] یعنی: " خدا تمھارے لئے کسی طرح کی زحمت نہیں چاہتا ، بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک و پاکیزہ بنادے اور تم پر اپنی نعمت کو تمام کردے "اور اسی طرح آیہء (إنّما یرید الله) اس آیت کے مانند ہے: (لیطهّرکم ویذهب عنکم رجز الشیطان) [2] یعنی "تاکہ تمھیں پاکیزہ بنادے اور تم سے شیطان کی کثافت کو دور کردے "

اگر آیہء تطہیر عصمت پر دلالت کرتی ہے تو مذکورہ دو آیتوں کی بناپر ہمیں بہت سارے اصحاب کی عصمت کے قائل ہونا چاہئیے۔

جواب

پہلافقرہ وہ ہے جو وضو کی آیت کے آخر میں آیا ہے۔ آیہ شریفہ یوں ہے:

(یا إیهاالّذین آمنواإذا قمتم إلی الصلوٰة فاغسلوا وجوهکم و أ یدیکم إلی المرافق و أمسحوا برء وسکم و أرجلکم إلی الکعبین وإن کنتم جنباً فاطهّروا فتیمموا صعیداً طیباً فأمسحوا بو جوهکم وأیدیکم منه مایرید الله لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطهِّرکم و لیتم نعمته علیکم لولعلکم تشکرون) [3]

---

۱ ۔ سورہ مائدہ/ ۶

۲۔سورہ انفال/ ۱۱

۳۔ سورئہ مائدہ/ ۶

اس آیہء کریمہ میں خدا وند متعال وضو، غسل اور تیمم کا حکم بیان کرنے کے بعد فرماتا ہے: "خدا وندمتعال) ان احکام کی تشریع سے) تمھارے لئے کسی طرح کی زحمت نہیں چاہتا ہے، بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمھیں)وضویا غسل یا تیمم سے) پاک و پاکیزہ بنادے"۔ یہ حدث پاک کرنا ہے جو وضویا غسل یا تیمم سے حاصل ہوتاہے ، اور اس کا آیہ ء تطہیر کی مطلق طہارت تکوینی سے کوئی ربط نہیں ہے۔

دوسری آیت میں بھی "رجز اللشیطان "یعنی شیطان کی نجاست سے مرادوہ جنابت ہے جس سے جنگ بدر میں مسلمان دوچار ہوئے تھے اور خدا وندمتعال نے ان کے لئے بارش نازل کی اور انہوں نے بارش کے پانی سے غسل کیا اوراپنے جنابت کے حدث کو غسل سے برطرف کیا۔ اس آیت میں ایک خاص طہارت .بیان کی گئی ہے اور اس طہارت کا تعلق ان صحابہ سے ہے جو جنگ بدر میں موجود تھے اور جنھوں نے بارش کے پانی سے غسل کرکے یہ طہارت حاصل کی تھی لہذا آیہ تطہیر سے استفادہ ہونے والی مطلق تکوینی طہارت سے اس کا کوئی ربط نہیں ہے۔

ساتواں باب:

امامت آیہ "علم الکتاب" کی روشنی میں

(و یقول الّذین کفرو الست مرسلاً قل کفی باللہ شھیداً بینی و بینکم ومن عندہ علم الکتاب)

سورہ رعد/۴۳

" اور یہ کافر کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں تو کہدے جئے کہ ہمارے اور تمھارے درمیان رسالت کی گواہی کے لئے خدا کافی ہے اور وہ شخص کافی ہے جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے۔"

یہ آیہ شریفہ ان آیتوں میں سے ہے جن میں امیرالمئومنین حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں ایک بڑی فضیلت بلکہ احتجاج[1] کی روآیت کے مطابق سب سے بڑی فضیلت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس لئے مناسب ہے اس کے معنی میں مزید غور وخوض کیا جائے۔

اس آیت میں پہلے کفار کی طرف سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا انکار بیان کیا گیا ہے ۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے دو گواہ ذکر کئے گئے ہیں ایک خداوند عالم کی ذات اور دوسرے وہ کہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔

آیت کی دلالت کو واضح کرنے کے لئے ضروری ہے کہ بحث کو درج ذیل دو محوروں پر جاری رکھا جائے

۱۔ خداوندمتعال کی گواہی کس طرح سے ہے؟

۲۔ من عندہ علم الکتاب سے مراد کون ہے؟

۱-مصباح الھدایۃ، ص ۴۳

خدا وند عالم کی گواھی:

اس آیہء شریفہ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے پہلے گواہ کے طور پر خدا وند متعال کا ذکر ہوا ہے۔ خدا وند متعال کی اس گواہی کے دو فرض ہیں:

۱۔ ممکن ہے یہ گواہی قولی ہو اور گفتگو و کلام کے مقولہ سے ہو اس صورت میں وہی آیتیں جو آنحضرت کی رسالت کو بیان کرتی ہیں خداوند متعال کی اس گواہی کی مصداق ہوں گی، جیسے: (والقران الحکیم انّک لمن المرسلین) [1] "قرآن حکیم کی قسم آپ مرسلین میں سے ہیں"

۲۔ ممکن ہے یہ گواہی فعلی ہو اور خدا وند متعال نے اسے معجزہ کی صورت میں پیغمبر اکرم ﷺ کے ذریعہ ظاہر کیا ہو، یہ معجزے آنحضرت ﷺ کی رسالت کے سلسلہ میں دعویٰ کے لئے ایک قوی سند، واضح دلیل اور گویا گواہ ہیں، خاص کر قرآن مجید، جو آنحضرت ﷺ کا ایک لافانی معجزہ ہے اور ہر زمانہ میں باقی رہنے والا ہے اور ان معجزات کی حیثیت ایک طرح سے خداوند متعال کے فعل کی سی ہے جو پیغمبر خدا ﷺ کی رسالت پر گواہ ہیں۔

من عندہ علم الکتاب - سے مراد کون ہے؟

دوسرے محور میں بحث اس جہت سے ہوگی کہ "کتاب" سے مراد کیا ہے؟ اور جس کے پاس "کتاب کا علم" ہے، وہ کون ہے؟ اس سلسلہ میں چند احتمالات پائے جاتے ہیں کہ ہم ان پر بحث کریں گے:

پہلا احتمال: "کتاب" سے مراد قرآن مجید سے پہلے نازل ہونے والی آسمانی کتابیں ہیں اور کتاب کے عالم سے مراد علمائے یہود و نصاریٰ ہیں:

اس صورت میں اس آیہ شریفہ کے معنی یوں ہوں گے: "کہدے جئے اے پیغمبر! ہمارے

۱-۔ سورہ یاسین/ ۱-۲

اور تمھارے درمیان رسالت کی گواہی کے لئے کافی ہے خداوندمتعال اور وہ لوگ جن کے پاس گزشتہ آسمانی کتابوں کا علم ہے جیسے علمائے یہودونصاری چونکہ ان کتابوں میں پیغمبر)صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نام آیا ہے اور آنحضرت کی رسالت بیان ہوئی ہے ۔ اسی لئے علمائے یہودو نصاری اس مطلب سے آگاہی رکھتے ہیں اور اس پر گواہ ہیں۔

یہ احتمال صحیح نہیں ہے، کیونکہ اگرچہ علمائے یہودونصاری اپنی آسمانی کتابوں کے عالم تھے ، لیکن وہ کافر تھے اور ہرگزاپنے خلاف گواہی دینے کے لئے حاضر نہیں تھے۔

دوسرا احتمال : "کتاب " سے مراد وہی قرآن مجید سے پہلے نازل ہونے والی آسمانی کتابیں ہیں اور ان کے عالم سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا شمار پہلے علمائے یہودونصاری ٰ میں ہوا کرتا تھا لیکن بعد میں اسلام قبول کرکے وہ مسلمان ہوگئے تھے، جیسے : سلمان فارسی ، عبداللہ بن سلام اور تمیم الداری۔ یہ لوگ ایک جہت سے توریت اور انجیل جیسی گزشتہ آسمانی کتابوں کا علم رکھتے تھے اور ایک جہت سے آمادہ تھے تاکہ اسلام کی حقانیت اور پیغمبر اسلام ﷺ کی رسالت کے بارے میں جو کچھ انہیں معلوم ہے اس کی گواہی دیں۔

یہ احتمال بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ سورہ رعد اور من جملہ زیر بحث آیہء شریفہ جو اس سورہ کی آخری آیت ہے ، مکہ میں نازل ہوئی ہے اور مذکورہ افراد مدینہ میں مسلمان ہوئے ہیں۔ اس لئے اس کا کوئی مفہوم نہیں ہے جو ابھی کافرہیں اور مسلمان نہیں ہوئے ہیں اپنے دین کے خلاف گواہی دینے کے لئے مدعو ہوجائیں۔

شبعی اور سعید بن جبیر سے نقل ہوئی روآیت کے مطابق انہوں نے بھی مذکورہ احتمال یعنی " من عندہ علم الکتاب " سے عبداللہ بن سلام کو مراد لینا اس کو مسترد کردیا ہے ۔ اس کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ یہ سورہ مکی ہے اور عبداللهبن سلام مدینہ میں مسلمان ہوا ہے۔[1]

تیسرا احتمال: " من عنده علم الکتاب " سے مقصود خداوندمتعال اور

۱۔ معالم التنزیل، ج ۳-، ص ۴۶۴، ۴۶۵-۔ الاتقان، ج ۱، ص ۳۶، دار ابن کثیر بیروت

"کتاب" سے مرادلوح محفوظ ہے اور "من عند ه علم الکتاب" کا "اللہ" پر عطف ہونا صفت کا اسم ذات پر عطف ہونے کے باب سے ہے۔ اس صورت میں معنی یوں ہوتا ہے: خداوندمتعال اور وہ شخص جو لوح محفوظ)جس میں تمام کائنات کے حقائق ثبت ہیں) کا علم رکھتا ہے، وہ تمہاری رسالت پر گواہ ہے۔

اول یہ کہ: جملہء (قل کفی باالله شهیداً بینی و بینکم و من عنده علم الکتاب) میں بظاہر عطف یہ ہے کہ "من عنده علم الکتاب" خداوندمتعال کے علاوہ ہے کہ جس کا ذکر ابتداء میں پہلے گواہ کے طور پر آیا ہے۔

دوسرے یہ کہ: عربی ادبیات میں صفت کا عطف، صفت پر موصوف کے سلسلہ میں مشہور اور رائج ہے۔ قرآن مجید میں بھی اس قسم کا استعمال پایاجاتا ہے، جیسے :آیہء شریفہ : (تنزیل الکتاب من اللهالعزیز العلیم غافر الذّنب وقابل التوب) [1] میں "غافرالذّ نب")گناہ کو بخشنے والا) اور "قابل التوب")توبہ کو قبول کرنے والا) دوصفتیں ہیں جو حرف عطف کے فاصلہ سے ایک دوسرے کے بعدہیں اور خداوندمتعال کے لئے بیان ہوئی ہیں۔ لیکن جن مواقع پر پہلے اسم ذات ذکر ہوا ہے، کبھی بھی مشہور اور رائج استعمالات میں صفت اس پر عطف نہیں ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ: آیہ کریمہ میں "من عنده علم الکتاب" سے مرادخداوندمتعال ہے۔

چوتھا احتمال: کتاب سے مراد "لوح محفوظ" ہے اور "جس کے پاس کتاب کا علم ہے اس سے مراد امیرلمومنین علی علیہ السلام ہیں۔

اب ہم اس احتمال پر بحث و تحقیق کرتے ہیں۔

۱۔ سورہ غافر/۲

لوح محفوظ اور حقائق هستی

قرآن مجید کی متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کے تمام حقائق ایک مجموعہ کی شکل میں موجود ہیں کہ قرآن مجید نے اسے "کتاب مبین"[(1)] یا "امام مبین"[(2)] یا "لوح محفوظ"[(3)] کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ من جملہ سورہ نمل میں فرماتا ہے: (وما من غائبة فی السّماء والارض إلّا فی کتاب مبین)[(4)] یعنی: اور آسمان و زمین میں کوئی پوشیدہ چیز ایسی نہیں ہے جس کا ذکر کتاب مبین) لوح محفوظ) میں نہ ہو۔

اس بنا پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا لوح محفوظ میں درج شدہ حقائق سے آگاہی حاصل کی جاسکتی ہے؟ اور اگر یہ ممکن ہے تو کون لوگ ان حقائق سے با خبر اور آگاہ ہیں اور کس حد تک؟

مطھّرون اور لوح محفوظ سے آگاہی

اس سلسلہ میں ہم سورہ واقعہ کی چند آیتوں پر غور وخوض کرتے ہیں:

(فلا أُ قسم بمواقع النجوموإنّه لقسم لوتعلمون عظیم إنّه لقرآن کریمفی کتاب مکنون لایمسّه إلّا المطهّرون))

سورہ واقعہ / ۷۵۔--۷۹)

ان آیات میں ، پہلے ستاروں کے محل و مدار کی قسم کھائی گئی ہے۔ اس کے بعد اس قسم کی عظمت و اہمیت پر زور دیا گیا ہے اور اس کی نشاندھی کی گئی ہے۔ اس نکتہ پر توجہ کرنا ضروری ہے کہ قسم کا معیار اور اس کی حیثیت اس حقیقت کے مطابق ہونا چاہئیے کہ جس کے متعلق یا جس کے

۱-۔ سورہ یونس/ ۶۱، سورہ سبا/ ۱۳، سورہ نمل/ ۷۵

۲۔ سورہ یسین/ ۱۲

۳۔ سورہ بروج/ ۲۲

۴۔ سورہ نمل/ ۷۵

اثبات کے لئے قسم کھائی جارہی ہے ۔ اگر قسم با عظمت اور بااہمیت ہے تو یہ اس حقیقت کی اہمیت کی دلیل ہے کہ جس کے لئے قسم کھائی گئی ہے۔

جس حقیقت کے لئے یہ عظیم قسم کھائی گئی ہے، وہ یہ ہے: - اِنّہ لقرآن کریم فی کتاب مکنون لایمسّہ الّا المطھرون یعنی بیشک یہ بہت ہی با عظمت قرآن ہے جسے ایک پوشیدہ کتاب میں رکھاگیا ہے اسے پاک و پاکیزہ افراد کے علاوہ کوئی چھو بھی نہیں سکتا ہے۔) اس کے ساتھ رابطہ نہیں کرسکتا ہے۔)آیہ شریفہ کا یہ جملہ لایمسّہ الّا المطھرون بہت زیادہ قابل غور ہے۔

ابتدائی نظر میں کہاجاتا ہے کہ بے طہارت لوگوں کا قرآن مجید سے مس کرنا اور اس کے خط پرہاتھ لگانا حرام ہے، لیکن اس آیہ شریفہ پر عمیق غور وفکر کرنے سے یہ اہم نکتہ واضح ہو جاتا ہے کہ مس سے مراد مس ظاہری نہیں ہے اور" مطھرون" سے مراد باطہارت)مثلاً باوضو) افراد نہیں ہیں ۔ بلکہ مس سے مراد مس معنوی)رابطہ) اور"مطھرون " سے مرادوہ افرادہیں جنہیں خدا وندمتعال نے خاص پاکیزہ گی عنآیت کی ہے، اور "لایمسہ "کی ضمیر کتاب مکنون)لوح محفوظ) کی طرف پلٹتی ہے ۔

آیہ کریمہ سے یہ معنی)مس معنوی) استفادہ کرنے کے لئے چند نکات کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے:

۱۔ جملہء "لایمسہ "کا ظہور اخبار ہے نہ انشاء ، کیونکہ بظاہریہ جملہ دوسرے اوصاف کے مانند کہ جو اس سے قبل ذکر ہوئے ہیں، صفت ہے اور انشاء صفت نہیں بن سکتا ہے، جبکہ آیت میں غیر مطہرون کے مس سے حکم تحریم)حرمت) کا استفادہ اس بنا پر کیا جاتا ہے کہ جملہ "لایمسہ " انشاء ہو ، نہ اخبار۔

۲۔ " لایمسہ "کی ضمیر بلا فاصلہ "کتاب مکنوں "کی طرف پلٹتی ہے ، کہ جو اس جملہ سے پہلے واقع ہے نہ قرآن کی طرف کہ جواس سے پہلے مذکور ہے اورچند کلمات نے ان کے درمیان فاصلہ ڈال دیا ہے۔

۳۔ قرآن مجید کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ ایک پوشیدہ اور محفوظ کتاب میں واقع ہے کہ جس تک عام انسانوں کی رسائی نہیں ہے اور یہ مطلب اس کے ساتھ مس کرنے سے کوئی تناسب نہیں رکھتا ہے۔

۴۔ طہارت شرعی ، یعنی وضو)جہاں پر وضو واجب ہو) یا غسل یا تیمم)جہاں پر ان کا انجام دینا ضروری وفرض)رکھنے والے کو " متطهرّ" کہتے ہیں نہ "مطهّر"۔

اس تشریح سے واضح ہوجاتا ہے کہ جو کچھ جملہ ء" (لا یمسه الّا المطهرون) " سے استفادہ ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ " مطهر") پاک قرار دئے گئے)افراد کے علاوہ کوئی بھی "کتاب مکنون")لوح محفوظ) کو مس نہیں کرسکتا ہے، یعنی اس کے حقائق سے آگاہ نہیں ہوسکتا ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس خصوصی طہارت کے حامل افراد کون لوگ ہیں اور "مطهرون" سے مرادکون لوگ ہیں کہ جو " لوح محفوظ" سے اطلاع حاصل کرتے ہیں؟

"مطهرون" سے مرادکون ہیں؟

کیا " مطهرون"کی اصطلاح فرشتوں سے مخصوص ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے اشارہ کیا ہے ۔[1] یا یہ کہ اس میں عمومیت ہے یعنی وہ افراد جو خدا کی جانب سے خصوصی طہارت کے حامل ہیں وہ بھی اس میں شامل ہو سکتے ہیں؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس پر بحث کرنے کی ضرورت ہے:

حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت ، اور خدا کی جانب سے انھیں جانشین مقرر کیا جانا نیز

۱۔جیسے " روح المعانی" ج ۲۷،۱۵۴،دار احیاء التراث العربی، بیروت

"اسماء" الہی کا علم رکھنا یعنی ایک ایسی حقیقت سے آگاہی کہ جس کے بارے میں ملائکہ نے بھی لا علمی کا اظہار کیا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ملائکہ کو سجدے کا حکم دیناو غیرہ ان واقعات اور قرآنی آیات ۱ کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت معلوم ہو جاتی ہے کہ خاص علوم سے آگاہی اور تعلیم حاصل کرنے کی صلاحیت انسان کامل میں ملائکہ سے کہیں زیادہ ہے۔

مذکورہ ان صفات کے پیش نظر کوئی دلیل نہیں ہے کہ جملہ لایمسہ الاّ المطھرون کو فرشتوں سے مخصوص کیا جائے جبکہ قرآن مجید کے مطابق خدا کے ایسے منتخب بندے موجود ہیں جو خاص طہارت و پاکیزگی کے مالک ہیں۔

آیہ تطہیر اور پیغمبر کا محترم خاندان

(إنّمایریداللہ لیذھب عنکم الرجس أھل البیت و یطھر کم تطھیرا)

) سورہ احزاب/۳۳)

" بس اللہ کا ارادہ ہے اے اہل بیت : کہ تم سے ہر طرح کی برائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے"

یہ آیہ شریفہ دلالت کرتی ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کا خاندان خداوندمتعال کی طرف سے ایک خاص اور اعلی قسم کی پاکیزگی کا مالک ہے۔ آیہ کریمہ میں "تطھیرا" کا لفظ مفعول مطلق نوعی ہے جو ایک خاص قسم کی طہارت و پاکیزگی کو بیان کرتا ہے۔

ہم یہاں پر اس آیہ شریفہ سے متعلق مفصل بحث کرنا نہیں چاہتے، اس لئے کہ آیت تطہیر سے مربوط باب میں اس پر مکمل بحث گزر چکی ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) کے اہل بیت کہ جن میں سب سے نمایاں امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام ہیں، اس آیہ شریفہ کے مطابق خدا کی طرف سے خاص طہارت و پاکیزگی کے مالک ہیں اور

۱۔ سورہ بقرہ/۳۴۔۳۰

،،مطھرون" میں شمار ہوتے ہیں ۔ وہ لوح محفوظ کے حقائق سے آگاہی رکھ سکتے ہیں۔

"آصف برخیا" اور کتاب کے کچھ حصہ کا علم

ہم جانتے ہیں کہ خداوندمتعال نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک ایسی وسیع سلطنت عطا کی تھی کہ انسانوں کے علاوہ جنّات اورپرندے بھی ان کے تابع تھے ۔ ایک دن جب جن وانس ان کے گرد جمع تھے حضرت سلیمان نے ان سے کہا: تم میں سے کون ہے جو بلقیس کے مسلمان ہونے سے پہلے اس کے تخت کو میرے پاس حاضر کردے؟جنّات میں سے ایک عفریت نے سلیمان نبی سے کہا:قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھے ہیں تخت کو آپ کے پاس حاضر کردوں گا۔ قرآن مجید فرماتا ہے [1] " کتاب کے کچھ حصہ کا علم رکھنے والے ایک شخص نے کہا: میں اتنی جلدی تخت بلقیس کو آپ کے پاس حاضر کردوں گا کہ آپ کی پلک بھی جھپکنے نہیں پائےگی اور اسی طرح اس نے حاضر کیا ۔

جیسا کہ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ کتاب "لوح محفوظ " ہے اور ش یعہ و سنی احادیث کے مطابق مذکورہ شخص حضرت سلیمان کا وزیر "آصف برخیا" تھا ۔ قرآن مجید سے استفادہ ہوتا ہے آصف کی یہ غیر معمولی اور حیرت انگیز طاقت وصلاحیت کتاب)لوح محفوظ) کے کچھ حصہ کا علم جاننے کے سبب تھی۔

واضح رہے کہ طہارت و پاکیزگی کےچند مراحل ہیں۔جس قدر طہارت کامل تر ہوگی اسی اعتبار سے علم وقدرت میں بھی اضا فہ ہو گا۔

جب ہمیں آیہ کریمہ (لا يمسّه إلا المطهرون) سے یہ معلوم ہوگیا کہ لوح محفوظ کے حقایق کا علم خدا کی خاص طہارت کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے اورآیہ تطہیر نے اس خاص طہارت اورپاکیزگی کو اہل بیت علیہم السلام کے لئے ثابت کیا ہے، وہ بھی ایک ایسی تطہیر جو

۱۔سورہ نمل/۴۰

۲۔کچھ اردو قوال بھی ہیں کہ تفاسیر کی طرف رجوع کرنا چاہیئے

پیغمبر اکرم ﷺ کی تطہیر کے ہم پلہ ہے۔ لہذا ان صفات کے پیش نظر بعید نہیں ہے کہ امیرالمؤمنین علی علیہ السلام اور دوسرے ائمہ معصومین) علیہم السلام) لوح محفوظ کے تمام حقائق کا علم رکھتے ہوں اس لئے ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ ثعلبی کہ جو اھل سنت [1] کے نزدیک تفسیر کے استاد نیزحافظ اور امام کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں اور اہل سنت کے ائمہ رجال[2] کے مطابق جن کی روایتیں صحیح اورقابل اعتماد جانی جاتیں ہیں، تفسیر "الکشف و البیان "[3] میں اور حاکم حسکانی[4] تفسیر شواہد التنزیل[5] میں، ابوسعید خدری، عبداللہ بن سلام اور ابن عباس جیسے چند اصحاب سے روایت کرتے ہیں کہ "من عندہ علم الکتاب" سے مراد امیر المومنین علی، علیہ السلام ہیں۔

بلکہ ابو سعیدخدریاور عبداللہبن سلام سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے پیغمبر اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ " من عندہ علم الکتاب" سے مراد کون ہے؟ جواب میں پیغمبر(ص) نے علی علیہ السلام کو" من عندہ الکتاب" کے مصداق کے طورپر پیش کیا۔ اسی مطلب کو) من عندہ علم الکتاب، سے مرادعلی علیہ السلام ہیں)سعید بن جبیر، ابی صالح نیزمحمد بن حنفیہ سے بھی نقل کیا گیا ہے۔

اسی طرح کئی طریقوں سے نقل کیا گیا ہے کہ عبداللہ بن عطاء کہ جو امام باقر علیہ السلام کے ہمراہ تھے، جب انھوں نے عبداللہ بن سلام کے بیٹے کو دیکھا تو امام باقر علیہ السلام سے سوال کیا: کیا یہ)عبداللہبن سلام کا بیٹا) اس شخص کا بیٹا ہے جس کے پاس کتاب کا علم تھا؟ حضرت نے فرمایا: نہیں، "من عندہ علم الکتاب" سے مراد)عبداللہبن سلام نہیں ہے، بلکہ) امیر

۱۔اہل سنت کے علم رجال کے جلیل القدرامام ذہبی نے " سیر اعلام النبلاء" ج١٧، ص۴۳۵ میں ثعلبی کے بارے میں کہا ہے: " الامام الحافظ العلامۃ شیخ التفسیر"، ٢۔ عبدالغافر نیشابوری کتاب "تاریخ نیشاپوری" ص١٠٩ میں اس کے بارے میں کہتا ہے: الثقۃ الحافظو ہو صحیح النقل موثوق بہ، ٣۔ الکشف وا لبیان، ج۵، ص ٣٠٣۔٣٠٢، داراحیا التراث العربی، بیروت، ۴۔ذہبی کی عبادت کو ہم نے آیہ صادقین کی تفسیر میں اس کے متقن، محکم اسناد کے عالی ہونے کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ۵۔ "شواہد التنزیل" با تحقیق شیخ محمد باقر محمود، ج ١، ص۴٠٠

المؤمنین علی بن ابیطالب علیہ السلام ہیں۔

اس کے علاوہ ابن شہر آشوب[1] نے اپنی "کتاب مناقب[2]" میں کہا ہے:

"محمدبن مسلم، ابوحمزہ ثمالی اور جابربن یزید نے امام باقر(علیہ السلام) سے اسی طرح علی بن فضل، فضیل بن یسار اور ابو بصیر نے امام صادق(علیہ السلام) سے نیز احمدبن محمد حلبی اور محمدبن فضیل نے امام رضا(علیہ السلام) سے روایت نقل کی ہے اور اس کے علاوہ موسی بن جعفر(علیہ السلام)، زیدبن علی، محمدبن حنفیہ، سلمان فارسی، ابوسعید خدری اور اسماعیل سدی سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں خداوند متعال کے قول: (كل كفى بالله شهيداً بينى و بينكم و من عنده علم الكتاب) کے بارے میں کہا ہے کہ: "من عندہ علم الکتاب" سے مراد علی بن ابیطالب (علیہ السلام) ہیں۔"

شیعہ احادیث میں مختلف طریقوں سے آیا ہے کہ "من عندہ علم الکتاب" سے مراد امیرالمومنین علی علیہ السلام اور دوسرے ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں۔ نمونہ کے طورپر مندرجہ ذیل حدیث پر غور فرمایئے: ثقۃ الاسلام کلینی نے اصول کافی[3] میں معتبر سند سے بریدبن معاویہ سے کہ جو امام باقر علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے روایت کی ہے انھوں نے حضرت سے عرض کی: "آیہ کریمہ (قل كفى بالله شهيداً بينى و بينكم و من عنده علم الكتاب) میں "من عندہ علم الکتاب" سے مراد کون ہے؟ حضرت نے فرمایا: اس سے صرف ہم اهل بیت معصومین(ع) کا قصد کیا گیا ہے اور علی) علیہ السلام) پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد سب سے مقدم اور ہم میں افضل ترین فرد ہیں۔

۱۔ ہم نے آیہ صادقین کی تفسیر میں اس)شہر آشوب) کی صداقت کے بارے میں ابن ابی طما کی زبانی زہبی کی ستائش بیان کی ہے۔

۲۔ مناقب، ابن شہر آشوب، ج۲، ص۲۹، موسسہ انتشارات علامہ قم،

۳۔ اصول کافی، ج۱، ص۱۷۹

احادیث میں جس کے پاس کتاب کا علم ہے)علی بن ابیطالب علیہ السلام اوردوسرے ائمہ معصومین) اور جس کے پاس کتاب کا کچھ علم موجود ہے)آصف برخیا) کے درمیان دلچسپ موازنہ کیا گیا ہے:

عن أبی عبد الله قال: " الذي عنده علم الكتاب" هو اميرالمؤمنين - عليه السلام - و سئل عن الذي عنده علم من الكتاب أعلم أم الذي عنده علم الكتاب؟ فقال: ما كان علم الّذي عنده علم من الكتاب عند الذي عنده علم الكتاب إلّا بقدر ما تأخذ البعوضة بجناحها من مائ البحر [1]

یعنی: امام صادق) علیہ السلام) نے فرمایا:

"جس کے پاس کتاب کا علم تھا علی بن ابیطالب(علیہ السلام) تھے۔ سوال کیا گیا: کیا وہ شخص جس کے پاس کتاب کا کچھ علم تھا یعنی آصف برخیازیادہ عالم تھا یا وہ جس کے پاس مطلق کتاب کا علم تھا)یعنی حضرت علی علیہ السلام)امام نے فرمایا:جس کے پاس کتاب کا تھوڑا سا علم تھا،اس کا موازنہ اس شخص سے کہ جس کے پاس مطلق کتاب کا علم تھا ایسا ہے جیسے مچھر کے بھیگے ہوئے پر کا موازنہ سمندر سے کیا جائے۔"

یہ بحث وگفتگواس بناپر تھی کہ جب"من عندہ علم الکتاب"میں"کتاب" سے مرادلوح محفوظ ہو۔لیکن اگر"الکتاب" سے مرادجنس کتاب ہو،اس بناپرکہ" الف ولام"جنس کے لئے ہے اور کوئی خاص چیزمد نظرنہ ہوتوہرکتاب اس میں شامل ہو سکتی ہے حتی لوح محفوظ بھی اس کے مصادیق میں سے ایک ہوگا،اس میں گزشتہ آسمانی کتابیں اور قرآن مجید سبھی شامل ہیں۔

۱۔ نورالثقلیب،ج۴،ص۸۸۔۸۷

اس صورت میں بھی "من عندہ علم الکتاب" سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہی ہوں گے کیونکہ حضرت کا لوح محفوظ کے حقائق سے آگاہ ہونا آیہ کریمہ" (لایمسه الاّ المطهرون) "کو آیہ تطہیر کے ساتھ ضمیمہ کرنے سے معلوم ہوجاتا ہے، اور حضرت کا قرآن مجید کے تمام ابعاد سے واقف ہونا بہت سی دلیلوں من جملہ حدیث ثقلین[1] کے ذریعہ ثابت ہے۔

اس لئے اس حدیث شریف میں آیا ہے کہ پیغمبر اکرم)صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے اہل بیت)علیہم السلام)ہرگز قرآن مجید سے جدا نہیں ہوں گے اور یہ حضرت علی علیہ السلام کے قرآن مجید کے تمام علوم سے آگاہی رکھنے کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر حضرت قرآن مجید کے کسی پہلو کو نہیں جانتے ہیں تو گویا وہ اس اعتبار سے قرآن مجید سے اتنا دور ہوگئے ہیں اور یہ حدیث میں بیان کئے گئے مطلب کے خلاف ہے۔

آسمانی کتابوں کے متعلق حضرت علی علیہ السلام کے علم کے بارے میں شیعہ اور اہل سنت کی احادیث کی کتابوں میں ایا ہے، من جملہ مندرجہ ذیل حدیث سے جو خود حضرت سے نقل کی گئی ہے:

" لو ثنّيت لي الوسادة لحكمت بين أهل التوراة بتوراتهم، و بين أهل الإنجيل بإنجيلهم، و بين أهل الزبور بزبورهم"[2]

"اگر میرے لئے مسند قضا بچھادی جائے تو میں اہل توریت کے لئے توریت سے، اہل انجیل کے لئے انجیل سے اور اہل زبور کے لئے زبور سے فیصلہ کروں گا۔"

۱۔ سنن الترمذی، ج۵ص۶۲۲ مسند احمد، ج۳، ص۹۵، ۲۶، ۱۷، ۱۴ وج۵، ص۱۸۹۔۱۸۸ خصائص امیر المؤمنین علی نسائی ص ۸۵۔۸۴

۲۔ فرائد السمطن، ج۱، ص۳۴۱۔۹۳۳۔ شواہد التنزیل ج۱، ص۳۶۶،ح۳۸۴

منابع کی فہرست

(الف)

۱۔ القرآن الکریم

۲۔ الاتقان، سیوطی، ۹۱۱ھ-،دار ابن کثیر، بیروت، لبنان

۳۔ احقاق الحق، قاضی سید نوراللہ تستری، شہادت ۱۰۱۹ئہ-

۴۔ احکام القرآن، جصاص، ت۷۳۰ئہ-، دارالکتاب العربی، بیروت

۵۔ احکام القرآن، ابوبکر ابن العربی المعافري، ت۵۴۶ئہ-

۶۔ اربعین، محمدبن ابی الفوارس، مخطوط کتابخانہ آستان قدس، رقم۸۴۴۳

۷۔ ارجح المطالب، عبداللہ الحنفي، ت ۱۳۸۱ئہ-، طبع لاہور) بہ نقل احقاق الحق)

۸۔ ارشاد العقل السلیم، ابو السعود، ت ۹۵۱ء، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان

۹۔ اسباب النزول، و احدی النیسابوری، ت۴۶۸ئہ-، دارالکتاب العلمیۃ، بیروت، لبنان

۱۰۔ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ابن اثیر، ت۶۳۰ئہ- داراحیائ التراث العربی، بیروت، لبنان

۱۱۔ الاِصابۃ فی تمییز الصحابۃ، احمدبن علی، ابن حجر عسقلانی، ت۸۵۲ئہ-، دارالفکر

۱۲۔ اضوائ البیان، شنقیطی، ت۳۹۳ئہ-، عالم الکتب، بیروت

۱۳۔ اعیان الشیعۃ، سیدمحسن الامین، ت حدود۱۳۷۲ئہ-،دارالتعارف للمطبوعات، بیروت

۱۴۔ الامامۃ و السیاسۃ، ابن قتیبۃ دینوری، ت۲۷۶ءہ-، منشورات الشریف الرضی، قم

۱۵۔ انساب الاشراف، احمدبن یحیی بلاذری، ت۲۷۹ئہ-،دارالفکر

۱۶۔ ایضاح المکنون، اسماعیل باشا، ت۴۶۳ئہ-، دارالفکر

(ب)
۱۷۔ بحار الانوار، محمد باقر مجلسی، ت ۱۱۱۱ئہ- مؤسسۃ الوفاء، بیروت
۱۸۔ بحر العلوم، نصر بن محمد سمرقندی، ت۳۷۵ئہ-، دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۱۹۔ البحر المحیط، ابو حیان اندلسی، ت۷۵۴ء، المکتبۃ التجاریۃ
احمد الباز، مکۃ المکرمۃ
۲۰۔ البدایۃ و النہایۃ، ابن کثیر الدمشقی، ت۷۷۴ئہ-، دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۲۱۔ البرہان، سید ہاشم بحرانی، ت۱۱۰۷ئہ-، مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان
۲۲۔ البہجۃ المرضیۃ، سیوطی، ت ۹۱۱ئہ-، مکتب المفید)ت)
۲۳۔ التاج الجامع للاصول، منصور علی ناصف، ت ۱۳۷۱ئہ-، دار احیائ التراث العربی، بیروت
۲۴۔ تاج الفردوس، محمد مرتضی حسینی زبیدی، ت۱۲۵۰ھ-، دار الہدایۃ للطباعۃ و النشر و التوزیع، دار مکتبۃ الحیاۃ، بیروت
۲۵۔ تاریخ الاسلام، شمس الدین ذہبی، ت۷۴۸ئہ-، دار الکتاب العربی
۲۶۔ تاریخ بغداد، احمد بن علی خطیب بغدادی، ت۴۶۳ھ-، دار الفکر
۲۷۔ تاریخ طبری، محمد بن جریر طبری، ت۳۱۰ئہ-، مؤسسۃ عز الدین للطباعۃ و النشر، بیروت، لبنان
۲۸۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ابن عساکر، ت ۵۷۱ئہ-، دار الفکر، بیروت
۲۹۔ تاریخ نیسابور، عبد الغافر نیشابوری، ت۵۲۹ھ-
۳۰۔ تذکرۃ الحفاظ، ذہبی، ت۷۴۸ئہ-، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان
۳۱۔ تذکرۃ الخواص، سبط بن جوزی ت۶۵۴ئہ-، چاپ نجف
۳۲۔ التسہیل لعلوم التنزیل، ابن حزی الکلبی، ت۲۹۲ئہ-، دار الکتاب العربی، بیروت
۳۳۔ تفسیر ابن ابی حاتم، عبد الرحمن بن محمد بن ادریس الرازی، ت۳۲۷ھ-، المکتبۃ المصریۃ، بیروت
۳۴۔ تفسیر البیضاوی، قاضی بیضاوی، ت ۷۹۱ئہ-

۳۵۔ تفسیر الخازن)لباب التاویل)، علاء الدین بغدادی، ت۷۲۵ئہ-، دارالفکر
۳۶۔ تفسیر علی بن ابراہیم قمی، متوفی اواخر قرن سوم ہ-، مطبعہ نجف
۳۷۔ تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر، ت۷۷۴ئہ-، دارالمعرفۃ، بیروت
۳۸۔ التفسیر الکبیر، فخر رازی، ت۶۰۶ئہ-، دار احیائ التراث العربی بیروت، لبنان
۳۹۔ تفسیر الماوردی، محمد بن حبیب ماوردی بصری، متوفی۴۵۰ھ-، دارالمعرفۃ، بیروت
۴۰۔ تفسیر النسفی)مدارک التنزیل وحقائق التاویل) حاشیہ تفسیر خازن، عبداللہ النسفی،ت۷۱۰ئہ-، دارالفکر
۴۱۔ تفسیر المنار، رشید رضا،ت۱۳۵۴ئہ-، دارالمعرفۃ، بیروت
۴۲۔ تلخیص المستدرک، ذہبی، ت۷۴۸ئہ-،دارالمعرفۃ، بیروت
۴۳۔ تہذیب التہذیب، ابن حجر عسقلانی، ت۸۵۲ئہ-، دارالفکر
۴۴۔تہذیب الکمال، مزّی، ت۷۴۲ئہ-، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت

(ج)

۴۵۔جامع الاحادیث، سیوطی،ت ۹۱۱ئہ-، دارالفکر
۴۶۔جامع البیان، محمد بن جریر طبری، ت۳۱۰ئہ-، دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان
۴۷۔جامع احکام القرآن، قرطبی، ت ۶۷۱ئہ-،دارالفکر
۴۸۔ الجامع الصحیح الترمذی، محمد بن عیسی ت۲۷۹ئہ-، دارالفکر
۴۹۔جمع الجوامع، سیوطی، ت ۹۱۱ئہ-
۵۰۔جمہرۃ اللغۃ، ابن درید، ت ۳۲۱ئہ-
۵۱۔الجواہر الحسان ابوزید الثعالبی ت۸۷۶ھ-، داراحیاء التراث العربی، بیروت
۵۲۔ جواہر العقدین، سمہودی، ت ۹۱۱ئہ-، دارالکتب العلمیۃ، بیروت

(ح)

۵۳۔ الحاوی للفتاوی سیوطی، ت ۹۱۱ئہ-، مکتبۃ القدس قاہرۃ) بہ نقل احقاق الحق)

۵۴۔ حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی احمد خفاجی مصری حنفی، ت ۱۰۶۹ئہ-، دار احیائ التراث العربی، بیروت

۵۵۔ حاشیہ الصاوی علی تفسیر الجلالین، شیخ احمد الصاوی المالکی، ت ۱۲۴۱ئہ-، دار الفکر

۵۶۔ حلیۃ الاولیاء، ابو نعیم اصفہانی، ت ۴۳۰ئہ-، دار الفکر

(خ)

۵۷۔ خصائص امیر المؤمنین علیہ السلام، احمد بن شعیب نسائی ت ۳۰۳ئہ-، دار الکتاب العربی

۵۸۔ خصال، محمد بن علی بن بابویہ قمی)صدوق)، ت ۳۸۱ئہ-، دفتر انتشارات اسلامی

(س)

۵۹۔ سفینۃ البحار، شیخ عباس قمی ت ۱۳۵۹ئہ-، انتشارات کتابخانہ محمودی

۶۰۔ السنن الکبری، ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، ت ۴۵۸ئہ-، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان

۶۱۔ السنن الکبری، نسائی، ت ۳۰۳ئہ-، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

۶۲۔ سیر اعلام النبلاء، ذہبی، ت ۷۴۸ئہ-، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان

۶۳۔ السیرۃ النبویۃ و الآثار المحمدیۃ)حاشیۃ السیرۃ الحلویۃ)، سید زینی دحلان، ت ۱۳۰۴ئہ-، دار احیائ التراث العربی، بیروت، لبنان

۶۴۔ السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام، ت ۲۱۸ئہ-، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان

(ش)

۶۵۔شرح التجرید، قوشجی، ت ۸۷۹ئہ۔

۶۶۔شرح السنۃ، بغوی، ت ۵۱۰ئہ۔، المکتب الاسلامی، بیروت

۶۷۔ شرح المقاصد، تفتازانی، ت۷۹۳ئہ۔،منشورات الشریت الرضی

۶۸۔شرح المواقف،جرجانی،ت ۸۱۲ئئہ۔، منشورات الشریف الرضی

۶۹۔ شرح التنزیل، حاکم حسکانی، ت اواخر القرن الخامس، مؤسسۃ الطبع و النشر

(ص)

۷۱۔صحاح اللغۃ، جوہری، ت۳۹۳ئہ۔

۷۲۔ صحیح ابن حبان، محمدبن حبان بستی، ت۳۵۴ئہ۔، مؤسسۃ الرسالۃ

۷۳۔ صحیح بخاری، محمدبن اسماعیل بخاری، ت۲۵۶ئہ۔، دارالقلم، بیروت، لبنان-دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان

۷۴۔ صحیح مسلم، مسلم بن حجاج نیشابوری، ت ۲۶۱ئہ۔، مؤسسۃ عزالدین للطباعۃ و النشر، بیروت، لبنان

۷۵۔ الصلاۃ و البشر،فیروز آبادی ،ت۸۱۷ ئھجری دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔

۷۶۔الصواعق المحرقۃ، ابن حجر ہیتمی،ت۹۵۴ئہ۔،مکتبۃ القاہرۃ

(ط)

۷۷۔ الطبقات الکبری، ابن سعد، ت۲۳۰ئہ۔،دار بیروت للطباعۃ والنشر

۷۸۔ الطرائف، علی بن موسی بن طاووس،ت۶۶۲ئہ۔، مطبعۃ الخیام، قم

(ع)

۷۹۔العمدۃ، ابن بطریق، ت۵۳۳ئہ۔، مؤسسۃ النشرالاسلامی

۸۰۔عوالم العلوم، سیدہاشم بحرانی، ت۱۱۰۷ئہ۔، مؤسسۃ الامام المہدی علیہ السلام

۸۱۔عیون خبارالرضا، صدوق، ت ۳۸۱ئہ۔

(غ)

۸۲۔غایۃ المرام، سید ہاشم بحرانی، ت۱۱۰۷ئہ-

۸۳۔غرائب القرآن، نیشابوری ت۸۵۰ئہ-، دار الکتب العلمیۃ بیروت

۸۴۔فتح الباری، ابن حجر العسقلانی، ت۸۵۲ئہ-

۸۵۔فتح القدیر، شوکانی، ت۱۲۵۰ئہ-، دار الکتاب العلمیۃ بیروت لبنان

۸۶۔فرائد السمطین، ابراہیم بن محمد بن جوینی، ت۷۲۲ئہ-، مؤسسۃ المحمودی للطباعۃ والنشر، بیروت

۸۷۔الفصول المہمۃ، ابن صباغ مالکی، ت۸۵۵ئہ-

۸۸۔فضائل الصحابۃ، سمعانی، ت۵۶۲ئہ-

(ق)

۸۹۔القاموس المحیط، فیروزآبادی، ت۸۱۷ئہ-، دار المعرفۃ، بیروت

۹۰۔قواعد فی علوم الحدیث، ظفر احمد تہانوی شافعی، تحقیق ابو الفتاح ابوغدۃ

(ک)

۹۱۔ الکافی، کلینی، ت۳۲۹ئہ-، دار الکتب الاسلامیۃ

۹۲۔کتاب الثقات، ابن حبان، ت۳۵۴ھ-، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت

۹۳۔کتاب العین، خلیل بن احمد فراہیدی، ت۱۷۵ئہ-، مؤسسۃ دار الہجرۃ

۹۴۔الکشاف، زمخشری، ت۵۸۳ئہ-، دار الکتاب العربی، بیروت

۹۵۔الکشف و البیان، ثعلبی نیسابوری، ت۴۲۷یا۴۳۷ئہ-، دار احیائ التراث العربی، بیروت، لبنان

۹۶۔کفایۃ الطالب، محمد بن یوسف گنجی شافعی، ت۶۵۸ئہ-، دار احیائ تراث اہل البیت

۹۷۔کمال الدین، محمد بن علی بن بابویہ، ت۳۸۱ئہ-

۹۸۔کنز العمال، متقی ہندی، ت ۹۷۵ئہ-، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت

(ل)
۹۹۔اللباب فی علوم الکتاب، عمر بن علی بن عادل الدمشقی الحنبلی، متوفی بعد ۸۸۰ئہ-، دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۱۰۰۔لسان العرب، ابن منظور، ت ۷۱۱ئہ-، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان
(م)
۱۰۱۔ما نزل من القرآن فی علی، ابوبکر الشیرازی، ت ۴۰۷ئہ-
۱۰۲۔ما نزل من القرآن فی علی، ابو نعیم اصفہانی، ت۔۴۳۰ئہ-) بہ نقل احقاق)
۱۰۳۔المتفق و المتفرق خطیب بغدادی، ت ۴۶۳ئہ-) بہ واسطہ کنز العمال)
۱۰۴۔مجمع البحرین، طریحی، ت ۱۰۸۵ئہ-، دفتر نشر فرہنگ اسلامی
۱۰۵۔مجمع البیان، طبرسی، ت ۵۶۰ئہ-، دار المعرفۃ، بیروت
۱۰۶۔مجمع الزوائد، ہیثمی، ت ۸۰۷ئہ-، دار الکتاب العربی-دار الفکر، بیروت
۱۰۷۔المستدرک علی الصحیحین، حاکم نیشابوری، ت ۴۰۵ئہ-، دار المعرفۃ، بیروت
۱۰۸۔مسند ابی داوود طیالسی، ت ۲۰۴ئہ-، دار الکتاب اللبنانی
۱۰۹۔مسند ابی یعلی موصلی، ت ۳۰۷ئہ-
۱۱۰۔مسند احمد، احمد بن حنبل، ت ۲۴۱ئہ-، دار صادر، بیروت-دار الفکر
۱۱۱۔مسند اسحاق بن راہویہ، ت ۲۳۸ئہ-، مکتبۃ الایمان، مدینۃ المنورۃ
۱۱۲۔مسند عبد بن حمید، ت ۲۴۹ئہ-، عالم الکتب
۱۱۳۔مشکل الآثار، طحاوی، ت ۳۲۱ئہ-، ط مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ بالہند
۱۱۴۔المصباح المنیر احمد فیومی، ت ۷۷۰ھ- طبع مصطفی البابی الحلبی و اولادہ بمصر
۱۱۵۔مصباح الہدایۃ، بہبہانی، ط سلمان فارسی، قم
۱۱۶۔المصنف، ابن ابی شیبۃ، ت ۲۳۵ئہ-

۱۱۷۔مطالب السؤول ابن طلحۃ نصیبی شافعی، ت ۶۵۲ئہ-
۱۱۸۔معالم التنزیل، بغوی،ت ۲۱۰ئہ-
۱۱۹۔المعجم الاوسط، طبرانی،ت۳۶۰ئہ-،مکتبۃ المعارف الریاض
۱۲۰۔المعجم الصغیر، طبرنی، ت۳۶۰ئہ-
۱۲۱۔المعجم الکبیر، طبرانی،ت۳۶۰ئہ-
۱۲۲۔المعجم المختص بالمحدثین، ذہبی، ت۷۴۸ئہ-، مکتبۃ الصدیق سعودی
۱۲۳۔معجم مقاییس اللغۃ، ابن فارسی بن زکریا القزوینی الرازی،ت ۳۹۰ھ-
۱۲۴۔معرفۃ علوم الحدیث، حاکم نیشابوری، ت۴۰۵ئہ-، دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۱۲۵۔المعرفۃ والتاریخ، یعقوب بن سفیان بن بسوی،ت۲۷۷ئہ-
۱۲۶۔مغنی اللبیب، ابن ہشام،ت ۷۶۱ئ ہ-، دارالکتب العلمیۃ، بیروت
۱۲۷۔المفردات،راغب اصفہانی،ت۵۰۲ئہ-
۱۲۸۔مقتل الحسین، خوارزمی، ت۵۶۸ئہ-، مکتبۃ المفید
۱۲۹۔المناقب،موفق بن احمد خوارزمی،ت۵۶۸ئہ-
۱۳۰۔مناقب ابن مغازلی شافعی،ت۴۸۳ئہ-، المکتبۃ الاسلمۃ
۱۳۱۔مناقب آل ابی طالب، ابن شہرآشوب،ت۵۸۸ئہ-،ذوالقربی
۱۳۲۔منتہی الارب عبدالرحیم بن عبدالکریم الہندی ت۱۲۵۷ئہ-
۱۳۳۔المیزان، محمد حسین طباطبائی، ت ۱۴۰۲ئہ-، دارالکتب الاسلامیۃ
۱۳۴۔میزان الاعتدال، ذہبی، ت۷۴۸ئہ-، دارالفکر

(ن)
۱۳۵۔ نہج البلاغہ
۱۳۶۔ نظم درر السمطین، محمد بن یوسف زرندی حنفی، ت ۷۵۰ئ ھ-، مطبعۃ القذاء) بہ نقل احقاق)
۱۳۷۔ النہایۃ، ابن اثیر جزری، ت ۶۰۶ئہ-، المکتبۃ العلمیۃ، بیروت، لبنان
۱۳۸۔ نور الابصار، شبلنجی، ت۱۳۰۸ئہ-، دار الفکر
۱۳۹۔ نور الثقلین، الہویزی، ت ۱۱۱۲ئہ-، المطبعۃ العلمیۃ، قم
(ی)
۱۴۰۔ ینابیع المودۃ، شیخ سلیمان حنفی قندوزی

فہرست

پیش لفظ 4

پہلا نظریہ: 4

دوسرا نظریہ : 4

پہلا باب : 15

امامت آیہ ابتلاء کی روشنی میں 15

پہلی بات 16

منصب امامت کا بلند مرتبہ ہونا 16

امتحان اور منصب امامت کا رابطہ 17

حضرت ابراھیم علیہ السلام کا امتحان 19

یہ امامت کس چیز پر دلالت کرتی ہے؟ 21

دوسری بات: 21

منصب امامت ظالموں کو نہیں ملے گا 21

اعتراض کے جواب میں دو باتیں 23

تیسری بات 25

منصب امامت کا زبان امامت سے تعارف 25

دوسرا باب : 39

امامت آیہء مباہلہ کی روشنی میں 39

نجران کے عیسائی اور ان کا باطل دعویٰ 39

پہلا محور 41

آیہء مباہلہ میں پیغمبر ﷺ کے ہمراہ 41
دوسرا محور: 44
مباہلہ میں اہل بیت رسول (ص) کے حاضر ہونے کا مقصد 44
آیہء مباہلہ میں اہل بیت رسول)ص)کی فضیلت و عظمت کی بلندی 46
تیسرا محور 49
مباہلہ میں پیغمبر (ص) اپنے ساتھ کس کو لے گئے 49
پہلی حدیث: 49
اس حدیث سے قابل استفادہ نکات: 51
دوسری حدیث: 52
حدیث میں قابل استفادہ نکات: 56
تیسری حدیث: 57
حدیث کا معتبر اور صحیح ہونا: 61
۲۔شیعہ امامیہ کی احادیث 63
پہلی حدیث 63
دوسری حدیث 64
تیسری حدیث 65
چوتھی حدیث 67
شیخ محمد عبدہ اور رشید رضا سے ایک گفتگو 67
ایک جعلی حدیث اور اہل سنّت کا اس سے انکار 69
چھوتھا محور 71

علی(ع)نفس پیغمبر(ص)ہیں............ 71
آیت کے استدلال میں فخر رازی کا بیان............ 72
علی(ع)کونفس رسولجاننے والی احادیث 74
پانچواں محور............ 77
آیت کے بارے میں چندسوالات اور ان کے جوابات 77
آلوسی سے ایک گفتگو:............ 77
شیعوں کااستدلال 77
شیعوں کے استدلال کے سلسلہ میں الوسی کاپہلااعتراض............ 78
اس اعتراض کاجواب............ 79
شیعوں کے استدلال پرآلوسی کادوسرااعتراض 81
اس اعتراض کا جواب 82
شیعوں کے استدلال پر آلوسی کا تیسرا عتراض............ 83
اس اعتراض کاجواب............ 83
فخررازی کا اعتراض:............ 84
فخررازی کے اعتراض کا جواب............ 85
ابن تیمیہّ کا اعتراض............ 87
ابن تیمیہّ کے اعتراض کا جواب............ 88
تیسراباب: 91
امامت،آیہ اولی الامرکی روشنی میں 91
تمام اوامرونواہی میں پیغمبر(ص)کی عصمت............ 92

اُولوالامر کی اطاعت 93

اولوالامر کا مفہوم.. 93

اولوالامر کا مصداق.. 94

آیت میں اولوالامر کا مرتبہ 95

آیہء اولوالامر کے بارے میں فخر رازی کا قول 97

فخر رازی کا جواب 98

ائمہء معصومین)ع(کی امامت پر فخر رازی کے اعتراضات 99

جملہء شرطیہ میں "فائے تفریع" 101

ظالم حکام اولوالامر نہیں ہیں..102

اولوالامر کے بارے میں طبری کا قول..103

علماء بھی اولوالامر نہیں ہیں..105

آیہء کریمہ کے بارے میں چند دیگر نکات..107

چند نظریات پر تنقید..108

اصحاب اور تابعین بھی اولوالامر نہیں ہیں۔ 109

سریہ کے سردار بھی اولوالامر کے مصداق نہیں ہیں: 110

"اولوالامر"اورحدیث منزلت، حدیث اطاعت اورحدیث ثقلین 115

حدیث منزلت:..115

حدیث اطاعت: 117

حدیث ثقلین: 119

شیعہ وسنی منابع میں اولوالامر سے متعلق حدیثیں..120

پہلی حدیث: 121
دوسری حدیث 126
تیسری حدیث: 127
چوتھا باب: 128
امامت آیہء ولایت کی روشنی میں 128
لفظ "اِنما" کی حصر پر دلالت 128
"ولیّ" کے معنی کے بارے میں تحقیق 129
چند بنیادی نکات کی یاد دہانی 132
۱۔قرآن مجید میں لفظ "ولی" کے استعمال کے مواقع: 132
رکوع کے معنی 137
آیہء ولایت کی شان نزول 138
آیہء ولایت کے بارے میں چند سوالات اوران کے جوابات 141
۱۔کیاآیت میں "ولی" کا معنی دوست نہیں ہے؟ 141
جواب: 141
۲۔مذکورہ شان نزول)حالت رکوع میں حضرت علی(ع)کاانفاق کرنا)ثابت نہیں ہے۔ 144
جواب : 144
۳۔کیا "اِنما" حصرپردلالت کرتاہے؟ 147
جواب: 147
۴۔کیا "الذین آمنوا" کا اطلاق علی علیہ السلام کے لئے مجازی ہے؟ 148
جواب: 148

۵۔کیا حضرت علی علیہ السلام کے پاس انفاق کے لئۓ کوئۓ انگوٹھی تھی؟..149
جواب:..149
۶۔کیا)راہ خدا میں) انگوٹھی انفاق کرنا حضور قلب)خضوع وخشوع) کے ساتھ ھم آھنگ وسازگارہے؟ 149
جواب:..149
۷۔کیا انفاق، نماز کی حالت کو توڑنے کا سبب نہیں بنتا؟ 150
جواب:..150
۸۔کیا مستحبی صدقہ کو بھی زکوٰۃ کہا جا سکتا ہے؟..151
جواب:..151
۹۔کیا رکوع میں زکوٰۃ دینے کی کوئۓ خاص اہمیت ہے؟..153
جواب:..153
۱۰۔کیا اس آیت کا مفہوم سابقہ آیت کے منافی ہے؟ 153
جواب:..154
۱۱۔کیاآیت میں حصرائمہ معصومین) علیہم السلام)کی امامت کے منافی ہے؟..156
جواب:..156
۱۲۔کیاعلی) علیہم السلام)پیغمبراکرم (ص)کے زمانہ میں بھی سرپرستی کے عہدہ پرفائزتھے؟ 156
جواب:..157
۱۳۔کیا حضرت علی (علیہ السلام) کوآیہء ولایت کے پیش نظرچوتھا خلیفہ جاناجاسکتاہے؟ 157
جواب:..158
۱۴۔کیاحضرت علی (علیہ السلام)نے کبھی آیہء ولایت کے ذریعہ احتجاج واستدلال کیا ہے؟....................158
جواب:..159

پانچواں باب : 160
آیہء صادقین کی روشنی میں امامت 160
آیت کے بارے مفردات میں بحث...161
استعمالات لغوی...161
استعمالات قرآنی 162
اس آیت کا گزشتہ آیات سے ربط 164
اس آیت کا ائمہ معصومین(ع)کی امامت سے ربط....................................165
علماء ومفسرین کے بیانات کی تحقیق 166
علامہ بہبہانی کا قول: 166
فخررازی کا قول...169
فخررازی کے قول کا جواب...173
اس آیت کے بارے میں شیعہ اورسنّی احادیث 174
ان احادیث کاجواب: 177
چھٹاباب : 178
امامت آیہء تطہیرکی روشنی میں...178
"إنّما"حصرکا فائدئہ دیتا ہے 179
آیہء تطہیرمیں ارادے سے مرادارادہ تکوینی ہے نہ تشریعی.........................179
آیہ تطہیرمیں ارادہ کے تکوینی ہونے کے دلائل: 180
آیہء تطہیرمیں اہل بیت علیہم السلام 185
آیت کے مفاد کے بارے میں بحث 187

سیاق آیہء تطہیر......188
آیہ تطہیر کے بارے میں احادیث......193
آیہ تطہیر کے بارے میں احادیث کی طبقہ بندی......196
۱۔ "اہل بیت" کی پنجتن پاک سے تفسیر......197
۲۔آیہء تطہیر کی تفسیر میں حدیث کساء کی تعبیر......199
۱۔"إنک إلی خیر" کی تعبیر......200
۲۔"تنحی فإنّک الی الخیر" کی تعبیر......202
۳۔"فجذبہ من یدی" کی تعبیر......203
۴۔"ماقال:إنّک من اھل البیت" کی تعبیر......203
۵۔" لا، وانت علی خیر" کی تعبیر......204
سندحدیث کی تحقیق:......205
۶۔"فواللہ ما انعم" کی تعبیر......207
۷۔"مکانک،انت علی خیر" کی تعبیر......207
سند کی تحقیق:......209
۸۔" فوددت أنة قال :نعم" کی تعبیر......210
"فتنحّی لی عن أھل بیتی" کی تعبیر......211
۱۰۔"إنک لعلی خیر، ولم ید خلنی معھم" کی تعبیر......212
۱۱۔"فواللہ ماقال :انت معھم" کی تعبیر......213
۱۲۔إنّک لعلی خیر،وھؤلائ اھل بیتی" کی تعبیر......213
درعلی و فاطمہ پر آیہء تطہیر کی تلاوت......214

آیہ ء تطہیر کا پنجتن پاک (علیہم السلام) کے بارے میں نازل ہونا 216
آیہ ء تطہیر کے بارے میں چند سوالات اور ان کے جوابات 223
پہلا سوال 223
جواب 223
دوسرا سوال 224
جواب 225
تیسرا سوال 225
جواب 226
چوتھا سوال 226
جواب 227
پانچواں سوال 228
جواب 228
چھٹا سوال 229
جواب 229
ساتواں سوال 230
جواب 231
آٹھواں سوال 232
جواب 233
نواں سوال 233
جواب 234

دسواں سوال..235
جواب..235
گیارہواں سوال..238
جواب..238
ساتواں باب :..240
امامت آیہ "علم الکتاب" کی روشنی میں..240
خدا وند عالم کی گواھی:..241
من عندہ علم الکتاب - سے مراد کون ہے؟..241
لوح محفوظ اور حقائق ھستی..244
مطھّرون اور لوح محفوظ سے آگاہی..244
" مطھرون " سے مراد کون ہیں؟..246
آیہ تطہیر اور پیغمبر کا محترم خاندان..247
"آصف برخیا" اور کتاب کے کچھ حصہ کا علم..248
منابع کی فہرست..253